کلیاتِ جگر

جگر مراد آبادی

قیمت:۔ آٹھ روپے

ہجوم تجلی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

شعلۂ طور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الف

عشق ہم کو بے نقاب ہونا تھا — آپ اپنا جواب ہونا تھا

مست جام شراب ہونا تھا — بے خود اضطراب ہونا تھا

تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں — ہاں مجھی کو خراب ہونا تھا

آؤ مل جاؤ مسکرا کے گلے — ہو چکا جو عتاب ہونا تھا

کوچۂ عشق میں نکل آیا — جس کو خانہ خراب ہونا تھا

مست جام شراب خاک ہوئے — غرقِ جام شراب ہونا تھا

دل کہ جس پر ہیں نقش رنگا رنگ — اس کو سادا کتاب ہونا تھا

ہم نے ناکامیوں کو ڈھونڈ لیا — آخرش کامیاب ہونا تھا

ہائے وہ لمحہ سکوں کہ جسے — محشر اضطراب ہونا تھا

نگہ یار خود تڑپ اٹھتی — شرطِ اوّل خراب ہونا تھا

کیوں نہ ہوتا ستم بھی بے پایاں — کرم بے حساب ہونا تھا

کیوں نظر حیرتوں میں ڈوب گئی — موجِ صد اضطراب ہونا تھا

ہو چکا روز اولیں ہی جگر
جس کو جتنا خراب ہونا تھا

ایک رنگیں نقاب نے مارا — حسن بن کر حجاب نے مارا

جلوۂ آفتاب کیا کہئے — سایۂ آفتاب نے مارا

اپنے سینے کا ہم نے ٹالا اکثر — تیر جو اضطراب نے مارا

نگہِ شوق و دعوئ دیدار — اس حجاب الحجاب نے مارا

ہم ہنوز تھے ترے تغافل سے — پرسش بے حساب نے مارا

ستم یار کی دہائی ہے نگہ التفات نے مارا

میں خفا راز حیات اور مجھے میرے راز حیات نے مارا

ستم لطف آفریں کی قسم خطرۂ التفات نے مارا

موت کیا ایک لفظ بے معنی جس کو مارا حیات نے مارا

جو پڑی دل پہ سہہ گئے لیکن ایک نازک سی بات نے مارا

شکوۂ موت کیا کریں کہ جگر

آرزوئے حیات نے مارا

عاشق کو غم عشق کے آزار نے مارا اک یار کو اک یار وفادار نے مارا

تو نے نہ اٹھایا رخ نادیدہ سے پردہ دنیا کو تری حسرت دیدار نے مارا

ہاں اے لب جاں بخش زمانے سے دہائی انکار سے بڑھ کر ترے اقرار نے مارا

ہونے کو تو ہر مرگ محبت ہے مبارک اے عشق! خوشا وہ کہ جسے یار نے مارا

کیا اس کی محبت کا ٹھکانا کہ جسے آہ انکار محبت کے بھی اقرار نے مارا

کچھ کہہ نہ گیا برق غضب تھی جسے پھونکا اف کر نہ سکا جس کو ترے پیار نے مارا

دونوں ہی جفا جو ہیں جگر عشق ہو یا حسن

اک یار نے لوٹا مجھے اک یار نے مارا

عشق کی یہ نمود بہم کیا ہو تمہیں تم اگر تو پھر ہم کیا

آہ بیتاب و اشک بہم کیا نقد غم ہے تو حاصل غم کیا

جز ترے کچھ نظر نہیں آتا آرزو بن گئی مجسم کیا

تمنا ملنا، تمنا نہیں ملنا اور جنت ہے کیا جہنم کیا

میں وہاں ہوں جہاں نہیں ہیں میں بھی — عالمِ ماورائے عالم کیا

ہم ہیں تیرے، ودیعتیں تیری — شکرِ راحت، شکایتِ غم کیا

ان نگاہوں کے سب کرشمے ہیں — ورنہ یہ اضطرابِ پیہم کیا

کر لیا دل نے عیشِ وصل قبول — پا گیا کچھ شباہتِ غم کیا

نیت شب بخیر! اے ساقی — بزمِ جم کیا ہے ساغرِ جم کیا

شوقِ گستاخ کر چکا تقصیر — دیکھتا اب ہے حسنِ برہم کیا

موت کی نیند چھائی جاتی ہے — کہہ چکا میں فسانۂ غم کیا

ہمہ تن عشق برملا بن جا — درد کی اک صدائے مبہم کیا

اس نظر میں نہیں سماتا کچھ — جانِ بیتاب و چشمِ پرنم کیا

عشقِ خاموش کے مزے ہیں جگر
جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا — دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا

جب نگاہیں اٹھ گئیں اللہ رے معراجِ شوق — دیکھتا کیا ہوں وہ جانِ انتظار آ ہی گیا

ہائے یہ حسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بو — میں یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا

ہاں سزا دے اے خدائے عشق اے توفیقِ غم — پھر زبانِ بے ادب پہ ذکرِ یار آ ہی گیا

اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں — درحقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا

ہائے کافر دل کی یہ کافر جنوں انگیزیاں — تم کو پیار آئے نہ آئے مجھ کو پیار آ ہی گیا

درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے — دفعتاً پردہ اٹھا اور پردہ[ے] دار آ ہی گیا

دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار — بال بکھرائے کوئی مستانہ وار آ ہی گیا

ے مہ۔ اہلِ فارس ان معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ لیکن میرا ذوق جائز قرار دیتا ہے۔ جگر

جان ہی دیدی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیے
دل مرا ڈوبا کیا، اچھلا کیے

حسن سے بھی دل کو بے پروا کیا
کیا کیا اے عشق تو نے کیا کیا

تو نے سو سو رنگ سے پردہ کیا
دیکھنے والا، تجھے دیکھا کیے

وہ بھی نکلی ایک شعاعِ برقِ حسن
میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا

لذت ناکامیابی الاماں
تو نے ہر امروز کو فردا کیا

اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار
اس نے بھی اندازِ دل پیدا کیا

ان کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی
جس طرف دیکھا کیا، دیکھا کیا

مجھ سے قائم ہیں جنوں کی عظمتیں
میں نے صحرا کو جگرؔ صحرا کیا

دل نے سینے میں تڑپ کر انہیں جب یاد کیا
در و دیوار کو آمادۂ فریاد کیا

وصل سے شاد کیا، ہجر سے ناشاد کیا
اس نے جس طرح سے چاہا مجھے برباد کیا

تم مرے رونے پہ روئے ستم ایجاد کیا
عشق کی روح کو آمادۂ فریاد کیا

صبر دو دن نہ ہوا رو کے بہت یاد کیا
اب نہ کہنا یہ زباں سے تجھے آزاد کیا

لاکھ جانیں ہوں تو پھر ان پہ تصدق کر دوں
وہ یہ فرمائیں کہ ہم نے اسے برباد کیا

کیا طریقہ ہے یہ صیاد کا اللہ اللہ
ایک کو قید کیا ایک کو آزاد کیا

ہم کو دیکھو او غمِ فرقت کے ستانے والے
ایسے برے حال میں بھی ہم نے تجھے یاد کیا

اور کیا چاہیئے سرمایۂ تسکیں اے دوست
اک نظر دل کی طرف دیکھ لیا شاد کیا

شرحِ نیرنگیٔ اسباب کہاں تک کیجئے
مختصر یہ کہ ہمیں آپ نے یاد کیا

پردۂ شوق سے اک برق تڑپ کر نکلی
یاد کرنے کی طرح انہیں جب یاد کیا

مہرباں ہم پہ رہی چشمِ سخن گو ان کی
جب ملی آنکھ نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا

دل کا کیا حال کہوں جوشِ جنوں کے ہاتھوں
ایک گھروندا سا بنایا، کبھی برباد کیا

اب سے پہلے تو نہ تھا ذوقِ محبت رسوا
شاید ان مست نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا

عشق کیوں سوگ منا تا، یہ خوشی کیا کم ہے
دل یہ جس کا تھا، اسی نے اسے برباد کیا

بد دعا تھی کہ دعا کچھ نہیں کھلتا لیکن
چپکے چپکے لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا

جرمِ مجبوریٔ بے تاب! الٰہی توبہ
یہ بھی بے ادبی تھی کہ تجھے یاد کیا

موت اک دامِ گرفتاریٔ تازہ ہے جگر
یہ نہ سمجھو، کہ غمِ عشق نے آزاد کیا

اس کی نظروں میں انتخاب ہوا
دل عجب، حسن سے خراب ہوا

عشق کا سحر کامیاب ہوا
میں ترا، تو مرا جواب ہوا

ہر نفس موجِ اضطراب ہوا
زندگی کیا ہوئی عذاب ہوا

جذبۂ شوق کامیاب ہوا
آج مجھ سے انہیں حجاب ہوا

میں بنوں کس لئے نہ مستِ شراب
کیوں مجسم کوئی شباب ہوا

نگاہِ ناز! بے خبر، ورنہ
دردِ محبوبِ اضطراب ہوا

میری بربادیاں درست مگر
تو بتا کیا تجھے ثواب ہوا

عین قربت بھی، عین فرقت بھی
ہائے وہ قطرہ جو حباب ہوا

مستیاں ہر طرف ہیں آوارہ
کون غارت گرِ شراب ہوا

دل کو چھو نا نہ اے نسیم کرم
اب یہ دل روکش حباب ہوا

عشق بے انتہا کے ہاتھوں
حسن خود بھی شکست یاب ہوا

جب وہ آئے تو پیشتر سب سے
میری آنکھوں کو اذن خواب ہوا

دل کی ہر چیز جگمگا اٹھی
آج شاید وہ بے نقاب ہوا

دور ہنگامۂ نشاط نہ پوچھ
اب وہ سب کچھ خیال و خواب ہوا

تو نے جس اشک پر نظر ڈالی
جوش کھا کر وہی شراب ہوا

ستم خاص یار کی قسم
کرم یار ، بے حساب ہوا

عرض نیاز غم کو لب آشنا نہ کرنا
یہ بھی اک التجا ہے، کچھ التجا نہ کرنا

جب یاد آگیا ہے، پھر وں رلا گیا ہے
دل کا وہ مجھ سے کہنا، مجھ کو جدا نہ کرنا

میں خوگر ستم ہوں، پروردۂ الم ہوں
جور و جفا کے مالک، مہر و وفا نہ کرنا

دل جب سے مر مٹا ہے، کچھ اور ہی فضا ہے
میری یہ التجا ہے، تم سامنا نہ کرنا

کوئی سمجھ سکے تو کمبخت دل سے سمجھے
دل میں بھی اس کے رہنا پھر دل میں جا نہ کرنا

دل سے خطا ہوئی تو اب حل ہے اور میں ہوں
نازک معاملہ ہے، تم فیصلہ نہ کرنا

یہ راز عشق ایدل! ہے راز خاص ان کا
وہ بھی تجھ سے پوچھیں تو افشا نہ کرنا

یا رب! غم محبت! سب بخشدے مجھی کو
میرے سوا کسی کو اب مبتلا نہ کرنا

جتنی ضدیں ہیں: ایدل! تو شوق سے کئے جا
مجھ کو بھی تا قیامت تیرا کہا نہ کرنا

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے
اپنے جگر کو اپنے دل سے جدا نہ کرنا

میرا جو حال ہو سو ہو، برق نظر گرائے جا
میں یونہی نالہ کش رہوں، تو یونہی مسکرائے جا

دل کے ہر اک گوشہ میں آگ سی اک لگائے جا
مطربِ آتشیں نوا، ہاں اسی دھن میں گائے جا

لحظہ بہ لحظہ، دم بدم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا
تشنۂ حسنِ ذات ہوں، تشنہ لبی بڑھائے جا

جتنی بھی آج پی سکوں، عذر نہ کر پلائے جا
مست نظر کا واسطہ، مست نظر بنائے جا

لطف سے ہو کہ قہر سے ہوگا کبھی تو روبرو
اس کا جہاں پتہ چلے، شور وہیں مچائے جا

عشق کو مطمئن نہ رکھ حسن کے اعتماد پر

کیا کر گیا اک جلوۂ مستانہ کسی کا
رکتا نہیں زنجیر سے دیوانہ کسی کا

کہتا ہے سرِ حشر یہ دیوانہ کسی کا
جنت سے الگ چاہیئے ویرانہ کسی کا

آپس میں الجھتے ہیں عبث شیخ و برہمن
کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بت خانہ کسی کا

جس کی نگاہ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں
وہ شوق یگانہ ہے نہ بیگانہ کسی کا

بے ساختہ آج ان کے بھی آنسو نکل آئے
دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا

ہر دل میں غمِ عشق ہے اقرار اور ذرا اقرار
ہر لب پہ ہے افسانہ در افسانہ کسی کا

یوں عام نہ کر کیفِ غمِ عشق کو اے دل
کمبخت یہ میخانہ ہے میخانہ کسی کا

اس کو بھی جگرؔ! دیکھ لیا خاک میں ملتے
وہ اشک جو تھا گوہر یک دانہ کسی کا

جواب بھی نہ تکلیف فرمائیے گا
تو بس، ہاتھ ملتے ہی رہ جائیے گا

نگاہوں سے چھپ کر کہاں جائیگا
جہاں جائیے گا، ہمیں پائیے گا

مرا جب برا حال سن پائیے گا
خراماں خراماں چلے آئیے گا

مٹا کر ہمیں آپ پچھتائیے گا
کمی کوئی، محسوس فرمائیگا

انہیں کہیں ناصح! جنوں کی حقیقت ——— سمجھ لیجیے گا تو سمجھائیے گا

ہمیں بھی اب دیکھنا ہے کہ ہم پر ——— کہاں تک توجہ نہ فرمائیے گا

ستم عشق میں آپ آساں نہ سمجھیں ——— تڑپ جائیے گا جو تڑپائیے گا

یہ دل ہے اسے دل ہی بس رہنے دیجے ——— کرم کیجیے گا تو پچھتائیے گا

ابھی چپ رہی ہے زبانِ محبت ——— نہ فرمائیے گا تو فرمائیے گا

بھلانا ہمارا، مبارک مبارک ——— مگر شرط یہ ہے نہ یاد آئیے گا

ہمیں بھی نہ اب چین آئے گا جب تک ——— ان آنکھوں میں آنسو نہ بھر لائیے گا

ترا جذبۂ شوق ہے بے حقیقت ——— ذرا پھر تو ارشاد فرمائیے گا

ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگِ محفل ——— کسے دیکھ کر آپ شرمائیے گا

یہ مانا کہ دے کر ہمیں رنجِ فرقت ——— مداوائے فرقت نہ فرمائیے گا

محبت، محبت ہی رہتی ہے لیکن ——— کہاں تک طبیعت کو بہلائیے گا

نہ ہوگا ہمارا ہی آغوش خالی ——— کچھ اپنا بھی پہلو تہی پائیے گا

جنوں کی جگر! کوئی حد بھی ہے آخر
کہاں تک کسی پر ستم ڈھائیے گا

نظر ملا کے، میرے پاس آ کے لوٹ لیا ——— نظر ہٹی تھی کہ پھر مسکرا کے لوٹ لیا

شکستِ حسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا ——— نگاہ نیچی کیے سر جھکا کے لوٹ لیا

دہائی ہے، میرے اللہ کی دہائی ہے ——— کسی نے مجھ سے بھی مجھ کو چھپا کے لوٹ لیا

سلام اس پر کہ جس نے اٹھا کے پردۂ دل ——— مجھی میں رہ کے مجھی میں سما کے لوٹ لیا

انہیں کے دل سے کوئی اس کی عظمتیں پوچھے ——— وہ ایک دل جسے سب کچھ لٹا کے لوٹ لیا

یہاں تو خود تری ہستی ہے عشق کو درکار
وہ اور ہوں گے جنہیں مسکرا کے لوٹ لیا

خوشا وہ جان جسے دی گئی امانت عشق
رہے وہ دل جسے اپنا بنا کے لوٹ لیا

نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے
اسے بھی حسن مجسم بنا کے لوٹ لیا

بڑے وہ آئے دل و جاں کے لوٹنے والے
نظر سے چھیڑ دیا گدگدا کے لوٹ لیا

رہا خراب محبت ہی وہ جسے تو نے
خود اپنا درد محبت دکھا کے لوٹ لیا

کوئی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اس نے جب چاہا
تمام ہستی دل کو جگا کے لوٹ لیا

کرشمہ سازی حسنِ ازل ارے توبہ
مرا ہی آئینہ مجھ کو دکھا کے لوٹ لیا

نہ لٹتے ہم! مگر ان مست انکھڑیوں نے جگر
نظر بچاتے ہوئے ڈبڈبا کے لوٹ لیا

نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا
ادائے عشق کو رسم وفا نے لوٹ لیا

نگاہ لطف کی اک اک ادا نے لوٹ لیا
وفا کے بھیس میں اس بے وفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھو شوخیٔ تقدیرِ خانہ بربادی
جمال یار کہاں؟ نقش پا نے لوٹ لیا

کسی بہار مجسم کا آہ کیا شکوہ
مرے ہی اس دل رنگین قبا نے لوٹ لیا

قسم ہے تیری پشیماں نگاہوں کی قسم
مجھی کو خود مری شرم وفا نے لوٹ لیا

وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ انہیں
شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا

قریب دل ہی یکایک اٹھے تھے کچھ فتنے
یہیں کسی محشر ادا نے لوٹ لیا

وہ یک قطرۂ خوں بچ رہا تھا جو دل میں
اسے بھی گوشۂ چشمِ حیا نے لوٹ لیا

وہی ہے مے وہی انداز ہے وہی آواز
مجھے تو اس دلِ آفت نوا نے لوٹ لیا

یہی وہ حضرت دل ہیں یہی وہ حضرت جنہیں
جناب عشق کی اک "مرحبا" نے لوٹ لیا

کہیں نہ ہم، تو یہ ہے اچھا مصلحت ورنہ
ہزار بار تجھے بے نقاب دیکھ لیا

یہی بہت ہے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے
خرابِ عشق کو خانہ خراب دیکھ لیا

غمِ نشاط سرورِ عالم، پوچھ جگر
کبھی جب اس نے بہ چشم پرآب دیکھ لیا

ہر دم دعائیں دینا، ہر لحظہ آہیں بھرنا
ان کا بھی کام کرنا، اپنا بھی کام کرنا

ہاں کس کو ہے میسر، یہ کام کر گزرنا
اک بانکپن سے جینا اک بانکپن سے مرنا

تیری عنایتوں سے مجھ کو بھی آچلا ہے
تیری حمایتوں میں ہر ہر قدم گزرنا

ساحل کے لب سے پوچھو، دریا کے دل سے پوچھو
اک موجِ تہ نشیں کا مدت کے بعد ابھرنا

جو زیست کو نہ سمجھیں، جو موت نہ جانیں
جینا انہیں کا جینا، مرنا انہیں کا مرنا

اے شوق! تیرے صدقے پہنچا دیا کہاں تک
اے عشق! تیرے قرباں جینا ہے اب نہ مرنا

ہر ذرہ آہ جس کا لبریز تشنگی ہے
اس خاک کی جانب سے اے ابرِ تر گزرنا

دریا کی زندگی پر صدقے ہزار جانیں
مجھ کو نہیں گوارا ساحل کی موت مرنا

رنگینیاں نہیں تو رعنائیاں بھی کیسی
شبنم سی نازنیں کو آتا نہیں سنورنا

آنکھوں کو بھی یہ جرأت اللہ رے تیری قدرت
آنکھوں تک آتے آتے پھر دل میں جا ٹھہرنا

اے جانِ ناز آجا آنکھوں کی راہ دل میں
ان خشک ندیوں سے مشکل ہے کیا گزرنا

ہم خوگرانِ غم سے، یہ راز کوئی سیکھے
جینا، مگر جینا، مرنا، مگر نہ مرنا

کچھ آ چلی ہے آہٹ اس پائے ناز کی سی
تجھ پر خدا کی رحمت، اے دل ذرا ٹھہرنا

خونِ جگر کا اک شعرِ تر کی صورت
اپنا ہی عکس جس میں اپنا ہی رنگ بھرنا

شمشیرِ حسن و عشق کا بسمل بنا دیا
تم نے مجھ کو پیار کے قابل بنا دیا

ہر جنبشِ نگاہ پہ مائل بنا دیا
تیرا ہی مجھ کو مدِ مقابل بنا دیا

آج ایک حسین نے رشک کے قابل بنا دیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بیدل بنا دیا

قاتل نگاہِ ناز نے بسمل بنا دیا
بسمل بنا کے پھر مجھے قاتل بنا دیا

نازک مزاج عشق کی اللہ ری خاطریں
اپنی نزاکتوں کو مرا دل بنا دیا

ان شاعرانِ دھر پہ ہو عشق ہی کی مار
ایک پیکرِ جمیل کو قاتل بنا دیا

دکھلا کے ایک جلوہ سراپائے حسن کا
آنکھوں کو اعتبار کے قابل بنا دیا

دونوں جہاں تو اپنی جگہ ہیں برقرار
کیا چیز تھی جس کو مرا دل بنا دیا

اس چشمِ مست نے مجھے مخمور کر دیا
میں نے نظر ملا کے اسے چور کر دیا

میں ان کا ہو گیا، انہیں مسرور کر دیا
وہ میرے بن گئے مجھے مغرور کر دیا

سرشار و مست، بے خود و مسحور کر دیا
خود ہو گئے قریب مجھے دور کر دیا

ایک وہم اعتبار سہی دو جہاں مگر
اس اعتبارِ وہم نے مجبور کر دیا

ہشیار او نگاہِ ستم آشنائے دوست
شیشہ نہیں ہے دل کہ جسے چور کر دیا

وہ اور نازِ عشق گوارا کریں مگر
اتنے کھنچے ہم ان سے کہ مجبور کر دیا

یہ عشق وہ بلا ہے کہ حسنِ ازل کو بھی
تخلیقِ کائنات پہ مجبور کر دیا

اب حسن کو بھی آنچ سے اس کی مفر نہیں
اتنا مزاج عشق کو مغرور کر دیا

ان کو بھی نازِ فتح اگر ہو تو بات ہے
مجھ کو تو ہر شکست نے مغرور کر دیا

فیضِ جمالِ دوست کے قربان جائیے
اک اک نفس کو صاعقۂ طور کر دیا

مدت کے بعد آج تو موج نسیم نے
ٹوٹے ہوئے دلوں کو بھی مسرور کر دیا
حسنِ ازل تو آج بھی بے پردہ ہے مگر
نظارہ کے ہجوم نے مستور کر دیا
توبہ تو کر چکا تھا مگر اس کا کیا علاج
واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا

اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب ان کا
فصل حسن ہے ان کی موسم شباب ان کا
اوج پر جمال ان کا جوش پر شباب ان کا
عہد ماہتاب ان کا دور آفتاب ان کا
عرضِ شوق پر میری پہلے کچھ عتاب ان کا
خاص اک ادائے سادہ اف، وہ پیچ و تاب ان کا
رنگ و بو کی دنیا میں اب کہاں جواب ان کا
عشق فرش بزم ان کا حسن فرش خواب ان کا
ہم سے پوچھ اے ناصح دل گرفتگی ان کی
ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالم پر آب ان کا
پھول مسکراتے ہیں دل پہ چوٹ پڑتی ہے
ہائے وہ رخ خنداں اف رے وہ شباب ان کا
یونہی کھلتے جاتے ہیں حسن و عشق کے اسرار
ایک نفس سوال اپنا ایک نفس جواب ان کا
کیا اسی کو کہتے ہیں ربط و ضبط حسن و عشق
شوق ناز اپنا ناز یہ کامیاب ان کا
اس طرح سے ہوں غارت ہائے عشق کی غفلت
جاں کہے صدا انکی، دل کہے رباب ان کا
ضبط کا جنہیں دعویٰ عشق میں رہا اکثر
ہم نے حال دیکھا ہے بیشتر خراب ان کا
اور کس کی یہ طاقت اور کس کی یہ جرأت
عشق آپ آڑھ اپنی، حسن خود حجاب ان کا
کہئے حال دل لیکن دیکھئے کن آنکھوں سے
ہر سکون کے پردے میں حشر اضطراب ان کا
عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی
ورنہ چیز کیا ہے گوشۂ نقاب ان کا
جیسے حسن کی دیوی جھانکتی ہو چلمن سے
نیم وا سی آنکھوں میں اف وہ کیف خواب ان کا
عرض غم نہ کر اے دل، دیکھ ہم نہ کہتے تھے
رہ گئے وہ.. اونھ، گرگئے سن لیا جواب ان کا

تو جگر جو رسوا ہے، تو ہی آہ رسوا رہ   نام تو نہ کر رسوا، خانماں خراب ان کا

تو جگر سے مستوں پر، طعن کر نہ اے واعظ
تو غریب کیا جانے مسلکِ شراب ان کا

تم اس دل وحشی کی وفاؤں پہ نہ جانا   اپنا نہ رہا جو، وہ کسی کا نہ رہے گا

مٹ جائیگی جس دن مرے سجدوں کی حقیقت   دنیا میں ترا نقشِ کفِ پا نہ رہے گا

بے پردگیٔ حسن سے ہیں سب یہ حجابات   پردہ جو گرا دوگے، تو پردا نہ رہے گا

وہ لاکھ مٹاتے رہیں دنیائے تمنا   کہتے ہیں جسے دل، کبھی تنہا نہ رہے گا

ما نالب نازک کو وہ تکلیف نہ دیں گے   آنکھوں سے بھی کیا کوئی اشارہ نہ رہے گا

اللہ یہ ساون کی گھٹائیں، یہ ہوائیں   کیا آج بھی شغلِ مے و مینا نہ رہے گا

اس دل کو بنایا تو ہے شائستۂ حرماں   سنتے ہیں انہیں یہ بھی گوارا نہ رہے گا

ب

ہاں نگاہِ شوق! وہ اٹھی نقاب   آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

شوق بے پایاں و جوشِ بے حساب   عشق کیا ہے ایک مسلسل اضطراب

دستِ رنگیں وہ جمالِ بے حجاب   ہے، خوشا اس وقت خوش جامِ شراب

لکھ چکے خط، جا چکا، خط کا جواب   اضطراب و اضطراب و اضطراب

آج کچھ اپنا پتا ملتا نہیں   میں کہاں ہوں، اور نگاہِ بازیاب

کچھ کہوں، تو کیا کہوں، کس سے کہوں   میں ہی خود اپنا سوال، اپنا جواب

میری ہستی ہے، غبارِ کوئے دوست
مجھ سے پیدا ہر سکوں، ہر اضطراب

پوچھنا کیا؟ چشم بینا ہو تو دیکھ
دل کے ہر ذرے میں ہیں لاکھ آفتاب

ہوش ہی پھر مائل فرزانگی
لاشراب اودست ساقی! لاشراب

میرے جام و بادہ کی رنگینیاں
جانتا ہے حسن کا ظالم شباب

غرق موج بادہ کر دے ساقیا
تا کجا ہیں! اور دنیائے خراب

جاں سراپا، کچھ ہے راحت کچھ خلش
دل مجسم، کچھ سکوں، کچھ اضطراب

عشق کیا ہے؟ پرتو حسن تمام
شوق کیا ہے، حسن کا عکس شباب

ان لبوں کی جاں نوازی دیکھنا
منہ سے بول اٹھنے کو ہے جام شراب

مختصر ہے، شرح ہستی، اے جگرؔ
زندگی ہے خواب، اجل تعبیر خواب

د

میرا جنون شوق، وہ عرض وفا کے بعد
وہ شان احتیاط تری، ہر ادا کے بعد

تیری خبر نہیں، مگر اتنی تو ہے خبر
تو ابتدا سے پہلے ہے، تو انتہا کے بعد

شاید اسی کا نام، مقام فنا نہ ہو
نازک سا ہو جاتا ہے دل ہر صدا کے بعد

گو دل سے تنگ ہوں مگر آتا ہے یہ خیال
پھر جی کے کیا کروں گا دل مبتلا کے بعد

ہاں پھر انہیں حسین نگاہوں کا واسطہ
تھوڑا سا اور زہر بھی مری خاطر دوا کے بعد

ر

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر

میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصلِ بہار پر

مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں

مری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پر

جنہیں کہئے عشق کی وسعتیں، جو ہیں خاص حسن کی عظمتیں

یہ اسی کے قلب سے پوچھئے، جسے فخر ہو غمِ یار پر

مرے اشک خوں کی بہار ہے، کہ مرقعِ غمِ یار ہے

مری شاعری بھی نثار ہے، تری چشمِ سحر نگار پر

عجب انقلاب زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے

یہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی سر زانوئے یار پر

یہ کمالِ عشق کی سازشیں، یہ جمالِ حسن کی نازشیں

یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، مری ایک مشتِ غبار پر

مری سمت سے اسے اے صبا! یہ پیامِ آخرِ غم سنا

ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

یہ فریبِ جلوہ ہے سربسر، مجھے ڈر یہ ہے دلِ بے خبر

کہیں جم نہ جائے تری نظر، انہیں چند نقش و نگار پر

میں رہینِ درد سہی، مگر مجھے اور چاہیئے کیا جگر

غمِ یار ہے مرا شیفتہ، میں فریفتہ غمِ یار پر

ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر — نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

تجھی میں رہے مجھ سے مستور ہو کر — بہت پاس نکلے بہت دور ہو کر

بس! ایک نشۂ عشق میں چور ہو کر — پڑے رہے اس در پہ مجبور ہو کر

کہیں ان کے روکے سے رکتے ہیں وحشی — نہ مجبور کر دیں، جو مجبور ہو کر

وفا پر ہزاروں ایسی جانیں تصدق — اگر رہ نہ جائے یہ دستور ہو کر

تمہیں بھی خبر ہے، جو تم کہہ گئے ہو — خود اپنی اداؤں سے مسحور ہو کر

شبِ غم بھی تیری توجہ کے صدقے — نمایاں ہوئی مطلعِ نور ہو کر

سنانے چلے ہیں انہیں قصۂ غم — بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر

سنبھل جائیں آسودگانِ محبت — نگاہیں اٹھیں شورِ منصور ہو کر

نظر عیش فانی پہ کیا خاک ڈالیں — ترے دردمندان مہجور ہو کر

خبر بھی ہے؟ تم کیا سے کیا ہو گئے ہو — ز سر تا قدم حسنِ مجبور ہو کر

وہی نور میں ہے، وہی ناز میں ہے — کبھی ناز ہو کر، کبھی نور ہو کر

تجاہل، تغافل، تبسم، تکلم — یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہو کر

ترے حسنِ مغرور سے نسبتیں ہیں — کہیں ہم نہ رہ جائیں مغرور ہو کر

جگر کی اداؤں کا اب پوچھنا کیا
تری مست نظروں سے مخمور ہو کر

نویدِ بخشش عصیاں سے شرمسار نہ کر — گناہگار کو یارب گناہگار نہ کر

نظر ملی ہے تو اس کو بہار ساز بنا — نظر کو مائلِ رنگینیٔ بہار نہ کر

کہاں کا قرب و فرقت گذر بھی جا اے دل — یہ راہِ عام ہے، تو اس کو اختیار نہ کر

بہار اپنی جگہ پر، سدا بہار رہے ۔۔۔ یہ چاہتا ہے، تو تجربہ بہار نہ کر

گ

عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ ۔۔۔ ماہتاب، آفتاب ہیں ہم لوگ

گرچہ اہلِ شراب ہیں ہم لوگ ۔۔۔ یہ نہ سمجھو، خراب ہیں ہم لوگ

شام سے آ گئے جو پینے پہ ۔۔۔ صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ

ہم کو یہ دعویٰ ئے عشق بازی ہے ۔۔۔ مستحقِ عذاب ہیں ہم لوگ

ناز کرتی ہے، خانہ ویرانی ۔۔۔ ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ

ہم نہیں جانتے، خزاں کیا ہے ۔۔۔ کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ

تو ہمارا جواب ہے تنہا ۔۔۔ قطعہ اور تیرا جواب ہیں ہم لوگ

تو ہے دریائے حسن و محبوبی ۔۔۔ شکل موج و حباب ہیں ہم لوگ

گو سراپا حجاب ہیں پھر بھی ۔۔۔ تیرے رخ کی نقاب ہیں ہم لوگ

خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر ۔۔۔ تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ

ہم سے غفلت نہ ہو تو پھر کیا ہو ۔۔۔ رہرو ملک خواب ہیں ہم لوگ

جانتا بھی ہے اس کو تو واعظ ۔۔۔ جس کے مست و خراب ہیں ہم لوگ

ہم پہ نازل ہوا صحیفۂ عشق ۔۔۔ صاحبان کتاب ہیں ہم لوگ

۱؎ اس لفظ کو یقیناً مشدد طریقہ پر کہنا درست نہیں۔ لیکن محض اس تکنیکی غلطی کی خاطر اپنے لطیف شعر کو ضائع نہیں کر سکتا۔

ہر حقیقت سے جو گذر جائیں
وہ صداقت مآب ہیں ہم لوگ

جب ملی آنکھ ہوش کھو بیٹھے
کتنے حاضر جواب ہیں ہم لوگ

ہم سے پوچھو جگر کی سرمستی
محرم آنجناب ہیں ہم لوگ

ل

تو بھی او ناآشنائے دردِ دل
کاش ہوتا مبتلائے دردِ دل

اللہ اللہ انتہائے دردِ دل
اب تمہیں تو ہو بجائے دردِ دل

اس نظر کی بے قراری آہ آہ
باش، او گستاخ ادائے دردِ دل

دردِ دل میرے لئے اگر ہو تو ہو
میں نہیں ہرگز برائے دردِ دل

ذرہ ذرہ ہے قیامت گاہِ عشق
صاف سنتا ہوں صدائے دردِ دل

مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کمی
آپ ہی دے لیں سزائے دردِ دل

کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ غرور
دیکھنا شانِ عطائے دردِ دل

دردِ دل غیرت تری کیا ہو گئی
ان لبوں پر، اور ہائے دردِ دل

م

حسنِ معنی کی قسم، جلوۂ صورت کی قسم
تو ہی فردوس ہے، فردوسِ محبت کی قسم

حسن کے معجزۂ وحدت و کثرت کی قسم
چشمِ حیرت میں ہے سب کچھ سرِ حیرت کی قسم

تجھ کو دیکھا، مگر اس طرح کہ دیکھا ہی نہیں
مجھ سے کچھ دل نے کہا تھا ابھی سمجھ ہو کہ نہ ہو
ظلم کیا، اب تو کرم تک سے ترا مجھ کو
اک نظر دیکھ تو نے پھول کھلے ہیں کیا کیا
دل کی دنیا یہ ہے اک اور ہی عالم طاری
تو کبھی اب سامنے آئے تو لٹا دوں تجھ پر
مجھ سے چھپنا تجھے زیبا نہیں اے پیکر حسن
نگہ حسن ہی سے حسن کو ہم دیکھتے ہیں
تیرا احسان مٹاتا ہے، مٹا دے مجھ کو
کہ ترے واسطے خود عشق ہے جنت بکنار
اب ترے حسن کے جلوے نہیں روکے رکتے
صبح عشرت کبھی جو اب آئے تو دیکھوں نہ اسے
اب تجھے میری محبت کا یقین ہو کہ نہ ہو
تو کبھی اب وہ نہیں جو خود کو نظر آتا ہے
نگہ ناز میں سب کچھ تو ہے یہ بات کہاں
اب تجھے دیکھ کے مرنا بھی گوارا ہے مجھے
تیرے ہمراہ ہیں، جان و دل و ایمان سب کچھ
اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی راز و نیاز
خلوت خاص کو اک دن بنا دے جلوت

اپنی کم مائیگی جرأت و ہمت کی قسم
حسن کافر! تیری معصوم شرارت کی قسم
تیری اس اشک بھری ندامت کی قسم
ناوک غم کی قسم، سینہ حسرت کی قسم
نگہ ناز کے اقرار محبت کی قسم
تیری غیرت کی قسم اپنی حمیت کی قسم
میں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم
مذہب عشق کی پاکیزہ شریعت کی قسم
کون کھائے گا تری چشم مروت کی قسم
شبنم اشک و گل داغ محبت کی قسم
نگہ شوق کی بیتاب طبیعت کی قسم
اپنی محبوبہ شام شب فرقت کی قسم
میں نہ کھاؤں گا ترے درد محبت کی قسم
سینہ عشق کی پوشیدہ امانت کی قسم
خلش درد! ترے حسن نزاکت کی قسم
غم عشرت کی قسم، اشک مسرت کی قسم
تیری آنکھوں کے پیام دم رخصت کی قسم
اپنے اجڑے ہوئے آغوش محبت کی قسم
تجھ کو اپنے جگر شوخ طبیعت کی قسم

ن

اب ان کا کیا بھروسہ وہ آئیں یا نہ آئیں
بیٹھا ہوں مست و بیخود، خاموش ہیں فضائیں

سب ان پہ ہیں تصدق وہ سامنے نہ آئیں
مشتاق پا رہے ہیں ہر جرم پر سزائیں

اس سے بھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادائیں
مسجد میں معتکف ہیں بیکار ہی تو زاہد

اس حسن برق وش کے دل سوختہ وہی ہیں
عاشق خراب ہستی، زاہد خراب تمکین

جیسا وہ چاہتے، جو کچھ وہ چاہتے ہیں
اک جام آخری تو پینا ہے اور ساقی

اب ہاتھ مل رہے ہیں، وہ خاک عاشقاں پر
آلودہ خاک ہی تو رہنے دے اسکو ناصح

بیتابیٔ محبت، وجہ سکون غم ہے

آ، اے غمِ محبت تجھ کو گلے لگائیں
کانوں میں آ رہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں

اشکوں کی آرزوئیں، آنکھوں کی التجائیں
انعام بٹ رہے ہیں، مغرور ہیں خطائیں

کر جائیں کام اپنا لیکن نظر نہ آئیں
دو روزہ زندگی ہے، آئیں پئیں پلائیں

شعلوں سے بھی جو کھیلیں دامن کو بھی بچائیں
وہ بھی ترے کرشمے، یہ بھی تری ادائیں

آئی ہیں میرے دل سے لب تک وہی دعائیں
اب دستِ شوق کانپے یا پاؤں لڑکھڑائیں

برباد کر چکے جب اپنی ہی کچھ ادائیں
دامن اگر جھٹک دوں جلوے کہاں سمائیں

آغوشِ مضطرب میں خوابیدہ ہیں بلائیں

اشعار بن کے نکلیں جو سینۂ جگر سے
سب حسنِ یار کی تھیں، بے ساختہ ادائیں

کدھر ہے تیرا خیال! اے دل! یہ وہم کیا کیا سما رہے ہیں
نظر اٹھا کر تو دیکھ ظالم! کھڑے وہ مسکرا رہے ہیں

تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں وہ جیسے خود ہمیں بنا رہے ہیں
نظر نظر میں سما چکے ہیں، نفس نفس میں سما رہے ہیں

کرشمے، ذات و صفات کے ہیں، جمال قدرت دکھا رہے ہیں
ہر تصور سے دور رہ کر، وہ ہر تصور میں آ رہے ہیں

کہاں کی دید اور کس کا عرفان، حواس گم ہیں نظر پریشاں
جو ایک پردہ اٹھا رہے ہیں تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں

یہ حادثات زمانہ کیا ہیں؟ اسی کے حسنِ طلب کے جلوے
دلوں کو ٹھوکر لگا لگا کر دلوں کی دنیا جگا رہے ہیں

کرشمے ہیں حسنِ بے جہت کے افسوں ہیں چشم مناسبے کے
ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں، ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں

نفس نفس میں صفات تازہ، ممات تازہ، حیات تازہ
انہیں میسر ہے ذات تازہ، جو خود کو تجھ میں مٹا رہے ہیں

قطعہ

ہماری ہستی، تمام آفت، تمام زحمت، تمام کلفت
اگر یہ سچ ہے تو فی الحقیقت ہمیں ان کو ستا رہے ہیں

ہوا کچھ ایسی ہی چل گئی ہے، دلوں کی دنیا بدل گئی ہے
وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں، ہم ان کو طالب بنا رہے ہیں

ذرا سا ایک وقفۂ محبت، اٹھا گیا اور رہی قیامت
ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے، ابھی آنسو بہا رہے ہیں

خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرور ان کی
وہ ہم سے نظریں ملا رہے ہیں، ہم ان سے نظریں ہٹا رہے ہیں

نظر نظر، التجائے پیہم، ادا ادا شکوۂ مجسم
ذرا جو بن کر بگڑ رہے ہیں، وہ کیا کیا منا رہے ہیں

گلوں سے مستی چھلک رہی ہے، سراپا بلبل ٹپک رہی ہے
جگرؔ کسی گوشۂ چمن، غزل کوئی اپنی گا رہے ہیں

کرم کوشیاں ہیں، ستم کاریاں ہیں
بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں

چمن سوز، گلشن کی گلکاریاں ہیں
یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں

نہ بیہوشیاں اب نہ ہشیاریاں ہیں
محبت کی تنہا فسوں کاریاں ہیں

نہ وہ مستیاں ہیں نہ سرشاریاں ہیں
خودی کا ہی احساس خودداریاں ہیں

محبت اثر کرتی ہے، چپکے چپکے
محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں

نگاہِ تجسس نے دیکھا جہاں تک
پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں

تجلّی سے کہدو ذرا ہاتھ روکے
بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں

نہ آزاد دل ہیں، نہ بے قید نظریں
گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں

نہ ذوقِ تخیل، نہ ذوقِ تماشا
محبت ہے اب اور بیزاریاں ہیں

تغافل ہے اک شانِ محبوب لیکن
تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں

کہاں ہیں، کہاں تازہ اشعارِ رنگیں
تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں

ازل سے ہے صرفِ دعا ذرہ ذرہ
خدا جانے کیا کچھ طلب گاریاں ہیں

بچھے جا رہے ہیں سب ہی دیدہ و دل
تری آمد کی تیاریاں ہیں

قدم ڈگمگائے، نظر بہکی بہکی
جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں

جگر! زندگی لطف سے کٹ رہی ہے
غم آزاریاں ہیں، جنوں کاریاں ہیں

کہاں پھر یہ ہستی؟ کہاں ایسی ہستی
جگر کی جگر تک ہی میخواریاں ہیں

خطاؤں سے پہلے پشیمانیاں ہیں
محبت کی معصوم نادانیاں ہیں

قیامت تری جلوہ سامانیاں ہیں
جدھر دیکھتا ہوں پریشانیاں ہیں

دل و جاں و حسرت ہیں قربانیاں ہیں
خوشا وہ کہ جس کی یہ مہمانیاں ہیں

مسلسل غم دل کی عریانیاں ہیں
نگاہیں نہیں ہیں پریشانیاں ہیں

سنا کر غم و درد چھپتا رہا ہوں
پشیمانیوں کی پشیمانیاں ہیں

ازل سے جو دل کے مقدر پڑی تھیں
وہی آج تک شعلہ سامانیاں ہیں

دلوں پر حکومت، نگاہوں سے پردے
جہانبانیاں ہیں، ستم رانیاں ہیں

تجسس میں شامل، تحیر میں پنہاں
نظر سوزیاں ہیں نگہبانیاں ہیں

وہ دشواریاں عشق کی حل ہوں کیونکر
جو دشواریاں ہیں نہ آسانیاں ہیں

محبت کے جلوے انہیں حسن سے کم
انہیں بھی مرے ساتھ حیرانیاں ہیں

ترے جلوۂ جزو و کل کے تصدق
نہ اب حسرتیں ہیں نہ حیرانیاں ہیں

غضب میں پھنسی ہیں مرا ساتھ دے کر
پریشانیوں کو پریشانیاں ہیں

در بتکدہ اور مسجدوں پہ سجدے
جگر! واہ، کیا کفر سامانیاں ہیں

نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں
ہم ان میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں

شروعِ راہِ محبت، ارے معاذ اللہ
یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

یہ نازِ حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر
نظر ملانے نہیں مسکرائے جاتے ہیں

مرے جنوں تمنا کا کچھ خیال نہیں
لجائے جاتے ہیں، دامن چھڑائے جاتے ہیں

جو دل سے اٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن کر
تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں

میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی
تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں

رواں دواں لئے جاتی آرزوئے وصال
کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں

کہاں منازلِ ہستی ؟ کہاں ہم اہلِ فنا
ابھی کچھ اور یہ تہمت اٹھائے جاتے ہیں

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

الٰہی ترکِ محبت بھی کیا محبت ہے
بھلاتے ہیں انہیں وہ یاد آئے جاتے ہیں

سنائے تھے لبِ نے سے کسی نے جو نغمے
لبِ جگرؔ سے مکرر سنائے جاتے ہیں

نیازِ عاشقی کو ناز کے قابل سمجھتے ہیں
ہم اپنے دل کو بھی اب آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں

عدم کی راہ میں دیکھا ہے پہلا ہی قدم میں نے
مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں

قریب آ آ کے منزل تک پلٹ جاتی ہیں منزل سے
نہ جانے دل میں کیا آوارہ منزل سمجھتے ہیں

الٰہی ایک دل ہے، تو ہی اس کا فیصلہ کر دے
وہ اپنا دل سمجھتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

کیا غرض مجھ کو ترے دل پہ اثر ہے کہ نہیں
میں پرستارِ محبت ہوں، خبر ہے کہ نہیں

نہیں معلوم محبت میں اثر ہے کہ نہیں
جو ادھر ہے مری حالت وہ ادھر ہے کہ نہیں

میں نہ کھاؤں گا کبھی حسنِ تغافل کے فریب
میری جانب تری دزدیدہ نظر ہے کہ نہیں

اب یہ عالم ہے، کہ جو ہجر کی شب آتی ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ اس شب کی سحر ہے کہ نہیں

اس طرف بھی دیکھ ، او محشر خرام — کم مری دنیائے پامالی نہیں
حسن ہے اس طرح سرگرم خرام — عشق کو احساس پامالی نہیں
عشق رنگِ حسن سے ہے بے نیاز — حسن کیفِ عشق سے خالی نہیں

شوق بھی دل میں رہے ہمراہ دوست
اب تو اتنی بھی جگہ خالی نہیں

لفظ و معنے میں نہیں جلوہ و صورت میں نہیں — عشق اک چیز ہے جو حیزِ حکایت میں نہیں
وہ حقیقت کہ جو محدود حقیقت میں نہیں — دل کی وسعت میں ہے کونین کی وسعت میں نہیں
غم میسر ہے ترا، غم یہ نہ کیوں نالہ کروں — یہ بھی کیا کم ہے، کہ جو عشق کی قسمت میں نہیں
وہ جو اک ربطِ محبت ہے مٹانا اس کا — مری طاقت میں نہیں آپ کی قدرت میں نہیں
جلوہ پھر جلوہ ہے، نظارہ ہے پھر نظارہ — حیرت آئینے میں ہے، آئینہ حیرت میں نہیں
یوں بھی تکمیلِ غمِ عشق ہوا کرتی ہے — اس کی قسمت میں ہوں جو مری قسمت میں نہیں

ہر نفس میں ہے یہاں جلوۂ نو کا عالم
غمِ فرقت بھی مرا اب غمِ فرقت میں نہیں

غمِ عاشقی کا صلہ چاہتا ہوں — خود اپنی نظر سے گرا چاہتا ہوں
بلا پر نزولِ بلا چاہتا ہوں — سزاوارِ غم ہوں، سزا چاہتا ہوں
محبت بقیدِ وفا چاہتا ہوں — بڑا نا سمجھ ہوں یہ کیا چاہتا ہوں
جنونِ محبت یہاں تک تو پہنچا — کہ ترکِ محبت، کیا چاہتا ہوں
وہ یوں پرسشِ شوق فرما رہے ہیں — کوئی خود یہ کہدے سزا چاہتا ہوں
طلسمِ تمنا سمجھ میں نہ آیا — کوئی مجھ کو سمجھائے کیا چاہتا ہوں

ظہورِ دو عالم، اک اعجاز جس کا — ابھی نقش پا پر، مٹ چاہتا ہوں
کہاں تک ہیں یہ رنگ و بو کی بہاریں — تجھے دیکھ کر، دیکھنا چاہتا ہوں
کہیں ٹوٹ جائے نہ دل بے کسی — نگاہِ کرم آسرا چاہتا ہوں
محبت ہی اپنا بھی مذہب ہے لیکن — طریقِ محبت جدا چاہتا ہوں

محبت میں کیا یہ ستم دیکھتے ہیں — بہت فرصتِ شوق کم دیکھتے ہیں
غم و درد و رنج و الم دیکھتے ہیں — محبت دکھائی ہے ہم دیکھتے ہیں
وہاں اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں — جہاں موت کا سر قلم دیکھتے ہیں
کہاں تیرے جلوے کہاں اپنی نظریں — غنیمت ہے جو کوئی دم دیکھتے ہیں
وہ کیا دیکھ سکتے ہیں اپنی ادائیں — ہمیں دیکھتے ہیں، جو ہم دیکھتے ہیں
ہماری نظر سے بھی سمجھو تو جانیں — بہت بے نیازانہ ہم دیکھتے ہیں
تجھے بھی کسی دن سمجھنا ہے ظالم — ابھی اور اے چشمِ نم دیکھتے ہیں
نگاہِ محبت دکھاتی ہے سب کچھ — نہ تم دیکھتے ہو، نہ ہم دیکھتے ہیں
غنیمت تھا، حرمانِ امید اقرا — سو یہ حال بھی اب تو کم دیکھتے ہیں

نہ جانے! محبت ہے کیا چیز لیکن
بڑی ہی محبت سے ہم دیکھتے ہیں

محبت کی محبت تلک ہی جو دنیا سمجھتے ہیں — خدا جانے وہ کیا سمجھے ہوئے ہیں، کیا سمجھتے ہیں
جمالِ رنگ و بو تک حسن کی دنیا سمجھتے ہیں — جو صرف اتنا سمجھتے ہیں وہ آخر کیا سمجھتے ہیں
کمالِ تشنگی ہی سے بجھا لیتے ہیں پیاس اپنی — اسی تپتے ہوئے صحرا کو ہم دریا سمجھتے ہیں
سمجھنے دے انہیں اے غیرتِ جوشِ جنوں ظالم — جہاں تک جانتے ہیں خود کو وہ اپنا سمجھتے ہیں

ہم ان کا عشق کیا! انکے غم کے بھی نہیں قائل — یہ ان کی مہربانی ہے کہ وہ ایسا سمجھتے ہیں
یہ کیا طاقت کہ ہم پہ ڈالدے تیرِ نظر کوئی — مگر اس جانِ محبوبی کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں
ہمیں ہیں عشق کے مارے ہمیں پر نظر ہے انکی — ہمیں اپنا بنایا ہے ہمیں اپنا سمجھتے ہیں
مجنوں ہیں نہیں، سیرِ مناظر کی ہمیں پروا — ہم اپنے ہر نفس کو اک نئی دنیا سمجھتے ہیں
نگاہِ شوق ہی کچھ جانتی ہے رازِ مستوری — وہ خود جلوہ ہے انکا سب جسے پردا سمجھتے ہیں
اشاروں میں لٹا دیتے ہیں دولت دین و دنیا کی — مگر اپنی محبت کو وہ صرف اپنا سمجھتے ہیں
مے و مینا کے پردے انکو دھوکا دے نہیں سکتے — ازل کے دن سے جو رازِ مے و مینا سمجھتے ہیں
خبر اتنی نہیں ان خام کارانِ محبت کو — اسی کو دکھ بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

فضائے بحر ہو، یا قیسِ عامر! اے جگر ہم تو
جو کچھ ہے ہم اس کے عکسِ رخِ لیلیٰ سمجھتے ہیں

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انہیں ہوش نہیں — میکدہ ساز ہوں میکدہ بردوش نہیں
کونسا جلوہ یہاں آتے ہی بے ہوش نہیں — دل مرا دل ہے کوئی ساغرِ سرجوش نہیں
مرنیوالے تجھے مرنے کا بھی کیا ہوش نہیں — ماں کا آغوش ہے، یہ موت کا آغوش نہیں
پاؤں اٹھ سکتے نہیں منزلِ جاناں کیخلاف — اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں
حسن سے عشق جدا ہے عشق سے حسن — کونسی شے ہے؟ جو آغوش در آغوش نہیں
مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گذشتہ کے نقوش — پھر بھی ایک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں
ایک گوشے میں سمٹ آئے ہیں دونوں عالم — میرا دامن ہے کسی اور کا آغوش نہیں
اب تو تاثیرِ عشق یہاں تک پہنچی — کہ ادھر ہوش اگر ہے تو ادھر ہوش نہیں
زیست سی زیست جو رگ رگ میں رماں ہے مے عشق — موت سے موت، اگر رقص نہیں جوش نہیں

کچھ ان مدبھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام — آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں

عشق اگر حسن کے جلوؤں کا ہے مرہون کرم — حسن بھی عشق کے احسان سے سبکدوش نہیں

اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں — میری آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

محو تسبیح تو سب ہیں مگر ادراک کہاں — زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

مل کے اک بار گیا ہے کوئی جس دن سے جگر
مجھ کو یہ وہم ہے، جیسے ہر آغوش نہیں

مر کے بھی کب تک نگاہِ شوق کو رسوا کریں — زندگی تجھ کو کہاں پھینک آئیں آخر کیا کریں

جذب دل ممکن نہیں تو چشم دل ہی وا کریں — وہ ہمیں دیکھیں نہ دیکھیں ہم انہیں دیکھا کریں

اے میں قربان، مل گیا عرض محبت کا صلہ — ہاں اسی انداز سے کہدو تو پھر ہم کیا کریں

دیکھئے کیا شور اٹھتا ہے حریم ناز سے — سامنے آئینہ رکھ کے خود کو اک سجدہ کریں

ہائے یہ مجبوریاں، محرومیاں، ناکامیاں — عشق آخر عشق ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

عشق خود اپنی جگہ عین حقیقت ہے جگر
عشق ہی میں کیوں نہ نشان دلبری پیدا کریں

جب اپنا اپنا غم احباب سے احباب کہتے — بہت بیتاب سنتے ہیں بہت بیتاب کہتے ہیں

محبت بہتی گنگا ہے، نہالے جس کا جی چاہے — نہ بے پایاں بتاتے ہیں نہ ہم پایاب کہتے ہیں

زمانے بھر کی دولت غم جاناں سے کیا نسبت — یہی نعمت ہے وہ نعمت جسے نایاب کہتے ہیں

عطا کر اے جمال حسن! وہ داغ محبت بھی — زبان عشق میں جس کو گل شاداب کہتے ہیں

عبادت گاہِ جانِ عاشقاں کا پوچھنا ہی کیا — خم ابروئے جاناں کو خم محراب کہتے ہیں

اسی صورت سنا دیتے ہیں انکو واردات اپنی — کہ جیسے ہم کسی کی داستانِ خواب کہتے ہیں

الٰہی آگ ہی لگ جائے تاثیر محبت کو
وہ آج اپنا بھی غم، با دیدۂ پرآب کہتے ہیں

محبت جن کی اک اک موج میں لہریں نہ لیتی ہو
ہم ایسے آنسوؤں کو گوہر بے آب کہتے ہیں

ہمارا بھی زمانہ تھا کبھی اے عشق سنتے ہیں
ہمارے پاس بھی تھا اک دل بیتاب کہتے ہیں

محبت کی تہ اک موج بلا ہے بحر بے پایاں
خوشا وہ اہل ہمت پھر بھی جو پایاب کہتے ہیں

کبھی پانی بھی جن آنکھوں کے ماروں نے نہیں مانگا
انہیں آنکھوں کے ماروں کو جگر سیراب کہتے ہیں

اللہ اللہ عشق کی رعنائیاں
حسن خود لینے لگا انگڑائیاں

ہائے وہ غم کی کرم فرمائیاں
بھیگی راتیں، اور وہ تنہائیاں

کوئی دیکھے تو حریم شوق میں
خلوتوں کی انجمن آرائیاں

عشق ہے ہر موئے تن سے نغمہ زن
بج رہی ہیں ہر طرف شہنائیاں

یاد ظالم کو تم اپنی روک لو
لوٹے لیتی ہے مری تنہائیاں

دل کی چوٹیں ابھری آتی ہیں تمام
عشق کی چلنے لگیں پروائیاں

حسن کی جان توجہ بن گئیں
بڑھتے بڑھتے عشق کی رسوائیاں

سامنے جیسے وہ خود ہیں جلوہ گر
اللہ اللہ یہ حجاب آرائیاں

خود بڑھے آتے ہیں وہ میری طرف
کوئی دیکھے تو مری پسپائیاں

اب کہاں انساں جیسے انساں کہیں
چلتی پھرتی دیکھ لو پرچھائیاں

غیر تو غیر اپنے سائے سے بھی ہم
دیکھنا اس دل کی وحشت زائیاں

حسن بھی ہے عشق بھی ہے جلوہ گر
ایک دل اور اس کی پہنائیاں

کون پہنچا، تا فراز بام حسن
کس نے دیکھیں عشق کی گہرائیاں

رہ گئی رکھی ہی عقل پختہ کار
عشق کی کام آگئیں خود رائیاں

حسن کے بھی ڈگمگاتے ہیں قدم
عشق کرتا ہے جہاں دارائیاں

یاد ہے اب تک جگر آغاز عشق
شب ہمہ شب وہ خیال آرائیاں

عشق کی بڑھتے تو ذو بربادیاں
کام آئیں گی یہ صحرا زادیاں

اللہ اللہ اعتبارات نظر
اور پھر ان سب کی بے بنیادیاں

اس نگاہِ ناز ہی سے پوچھیے
اک اسیر شوق کی صیادیاں

خود نہ تھی اپنی بھی جب تجھ کو خبر
یاد کر اپنے عشق! وہ آزادیاں

کشور دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں
کیسی کیسی نازنین شہزادیاں

عشق خود کرتا ہے اعلانِ شکست
حسن کو دیجئے مبارکبادیاں

نگاہوں کا مرکز بنا جا رہا ہوں
محبت کے ہاتھوں لٹا جا رہا ہوں

میں قطرہ ہوں لیکن بہ آغوش دریا
ازل سے ابد تک بہا جا رہا ہوں

مبادک مبادک مری یہ تمنائیں
دو عالم پہ چھایا جا رہا ہوں

وہی حسن جس کے ہیں یہ سب مظاہر
اسی حسن میں حل ہوا جا رہا ہوں

یہ کس کی طرف سے یہ کس کی طرف کو
میں ہم دوشِ موج فنا جا رہا ہوں

نہ جانے کہاں سے، نہ جانے کدھر کو
بس اک اپنی دھن میں اڑا جا رہا ہوں

مجھے روک سکتا ہو کوئی تو روکے
کہ چھپ کر نہیں برملا جا رہا ہوں

میرے پاس آؤ یہ کیا سامنے ہوں
مری سمت دیکھو، یہ کیا جا رہا ہوں

نگاہوں میں منزل مری پھر رہی ہے — یوں ہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں
تری مست نظریں غضب ڈھا رہی ہیں — یہ عالم ہے جیسے اڑا جا رہا ہوں
کدھر ہے؟ تو اے غیرتِ حسن خود بیں — محبت کے ہاتھوں بکا جا رہا ہوں
نہ ادراکِ ہستی، نہ احساسِ مستی — جدھر چل پڑا ہوں چلا جا رہا ہوں

نہ صورت نہ معنی، نہ پیدا نہ پنہاں
یہ کس حسن میں گم ہوا جا رہا ہوں

عہدِ رنگیں کی یادگار ہوں میں — یعنی اپنا ہی سوگوار ہوں میں
اک بیتاب انتظار ہوں میں — دل کی اک آخری پکار ہوں میں
ذرۂ آستانِ یار ہوں میں — صدمہ و قہر درکنار ہوں میں
میری مستی کا واہ کیا کہنا — تری ہستی کا پردہ دار ہوں میں
نہ سہی تو، ترا خیال تو ہے — یوں بھی فردوس درکنار ہوں میں
اف جواں مرگیاں محبت کی — ہائے کس کس کا سوگوار ہوں میں
نکہتِ گل کا بھی دماغ نہیں — کتنا اندوہِ بہار ہوں میں
وہ حقیقت ہے خود مری ہستی — جس حقیقت کا پردہ دار ہوں میں
اللہ اللہ، نزاکتیں میری — اپنی خاطر پہ بھی تو بار ہوں میں
تجھ کو تکلیف صد نظر ہے ہی — اپنے ہونے پہ شرمسار ہوں میں

مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ
مژدۂ آمدِ بہار ہوں میں

جو نہ کعبے میں ہے محدود نہ بتخانے میں — ہائے وہ ادراک اچھوتے ہوئے کاشانے میں

ملتی ہے عمرِ ابد عشق کے میخانے میں
اے اجل! تو بھی سما جائے مرے پیمانے میں

ہم کہیں آتے ہیں واعظ ترے بہکانے میں
اسی میخانے کی مٹی اسی میخانے میں

سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں
خلد شیشے میں، فردوس ہے پیمانے میں

حرم و دیر میں رندوں کا ٹھکانہ ہی نہ تھا
وہ تو یہ کہئے اماں مل گئی میخانے میں

بام پر آ کے اٹھا دو رخِ تاباں سے نقاب
اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں

آج تو کر دیا ساقی نے مجھے مست الست
ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیمانے میں

آپ دیکھیں تو سہی ربطِ محبت کیا ہے
کبھی میخانے سے باہر کبھی میخانے میں

سجدے نے ترا اے شیخ بھرم کھول دیا
تو تو مسجد میں ہے نیت تری میخانے میں

مشورے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگرؔ
رند سن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

شاعرِ فطرت ہوں میں جب فکر فرماتا ہوں میں
روح بن کر ذرے ذرے میں سما جاتا ہوں میں

آ کہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں
جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

جس قدر افسانۂ ہستی کو دہراتا ہوں میں
اور بھی بیگانۂ ہستی ہوا جاتا ہوں میں

جب مکان و لامکاں سب سے گزر جاتا ہوں میں
اللہ اللہ تجھ کو خود اپنی جگہ پاتا ہوں میں

تیری صورت کا جو آئینہ اسے پاتا ہوں میں
اپنے دل پر آپ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں

یک بیک گھبرا کے جتنی دور ہٹ آتا ہوں میں
اور بھی اس شوخ کو نزدیک تر پاتا ہوں میں

میری ہستی شوقِ پیہم، میری فطرت اضطراب
کوئی منزل ہو مگر گزرا چلا جاتا ہوں میں

ہائے ری مجبوریاں، ترکِ محبت کے لئے
مجھ کو سمجھاتے ہیں اور ان کو سمجھاتا ہوں میں

میری ہمت دیکھنا، میری طبیعت دیکھنا
جو سلجھ جاتی ہے گتھی پھر سے الجھاتا ہوں میں

حسن کو کیا دشمنی ہے عشق کو کیا بیر ہے
اپنے ہی قدموں کی خود ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

تیری محفل تیرے جلوے پھر تقاضا کیا ضرور
لے اٹھا جاتا ہوں ظالم لے چلا جاتا ہوں میں

تا کجا یہ پردہ داری ہائے عشق خلافِ حسن
ہاں سنبھل جائیں دو عالم ہوش میں آتا ہوں میں

میری خاطر اب وہ تکلیفِ تجلی کیوں کریں
اپنی گردِ شوق میں خود ہی چھپا جاتا ہوں میں

دل مجسم شعر و نغمہ، وہ سراپا رنگ و بو
کیا فضائیں ہیں کہ جن میں حل ہوا جاتا ہوں میں

تا کجا ضبطِ محبت، تا کجا دردِ فراق
رحم کر مجھ پر کہ تیرا راز کہلاتا ہوں میں

واہ رے شوقِ شہادت کوئے قاتل کی طرف
گنگناتا، رقص کرتا، جھومتا جاتا ہوں میں

یا وہ صورت خود جہانِ رنگ و بو محکوم تھا
یا یہ عالم اپنے سائے سے دبا جاتا ہوں میں

دیکھنا اس عشق کی یہ طرفہ کاری دیکھنا
وہ جفا کرتے ہیں مجھ پر اور شرماتا ہوں میں

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر
ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

۶

الٰہی ایک دعا ہے اگر قبول نہ ہو
بہت عجیب یہ دل ہے کبھی ملول نہ ہو

تجھے بھی اشتیاق نہ ہو، شوق بھی ملول نہ ہو
نظر قبول ہوئی ہے، اثر قبول نہ ہو

دعائے مرگ تو مانگی ہے آج گھبرا کر
میں کیا کروں گا جو یہ بھی اسے قبول نہ ہو

کمالِ عشق! یہ توفیق چاہتا ہوں میں
حصولِ جلوہ باندازۂ حصول نہ ہو

جسے ہم اپنی محبت کا زخم کہتے ہیں
ترے ہی عارضِ رنگیں کا کوئی پھول نہ ہو

کسی کے خاطرِ نازک کا آگیا ہے خیال
دعائیں مانگ رہا ہوں دعا قبول نہ ہو

جو تیرے ہجر بلبسر کا راز فاش کرے
ترے جناب میں وہ دل کبھی قبول نہ ہو

کوئی گناہ نہیں، شوقِ دید ذوقِ نظر
اگر جو فرصتِ نظارگی کو طول نہ ہو

ستم ہو، قہر ہو، آفت، بلا ہو
یہ سب کچھ ہو، مگر دل ربا ہو

کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو
کوئی پردے سے چھپ کر دیکھتا ہو

بتاؤ کیا تمہارے دل پہ گذرے
اگر کوئی تمہیں سا بے وفا ہو

حسن کے ہاتھ میں اگر عشق کی تلوار نہ ہو
کوئی یوں جھوم کے سر دینے کو تیار نہ ہو

وصل شایاں نہ ہے ہجر سزاوار نہ ہو
میں کہیں کا نہ رہوں تو جو طرفدار نہ ہو

یونہی ہر حال کو اب ہجر بنا دوں تو سہی
میرا انکار ترے وصل کا انکار نہ ہو

میں خطاوار، سیہ کار، گناہ گار مگر
کس کو بخشے تری رحمت جو گنہگار نہ ہو

مجھ کو سب کچھ دیا اس نے مگر یہ کہہ کر
تجھ کو اللہ کرے کچھ بھی سزاوار نہ ہو

میں چلوں عشق میں وہ راہ جو سب سے الگ
کچھ دکھائی نہ دے اور سطح بھی ہموار نہ ہو

آتشِ شوق جو بھڑکا کے دبکتی ہی رہی
مجھ کو اللہ کرے تو بھی سزاوار نہ ہو

مانگ نظارۂ بے جلوہ کی توفیق جگر
یہ طلب وہ ہے کوئی جس کا طلب گار نہ ہو

ھ
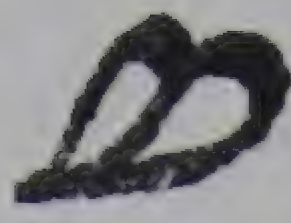
اِک رند ہے اور امتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظرِ رحمتِ سلطانِ مدینہ

تو صبحِ ازل آئینۂ حسنِ ازل بھی
اے صلی اللہ صورتِ سلطانِ مدینہ

داماں نظر تنگ و فراوانیٔ جلوہ
اے طلعتِ حق طلعتِ سلطانِ مدینہ

اے خاکِ مدینہ ترے گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے، تو جنتِ سلطانِ مدینہ

اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں وہ دولتِ سلطانِ مدینہ

اک ننگِ غمِ عشق بھی ہے منتظرِ دید
صدقے ترے اے صورتِ سلطانِ مدینہ

کونین کا غم، یادِ خدا، وردِ شفاعت
دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ

اے عالمِ تکوین! ترے اسرارِ حقیقت
منجملہ ایک آیتِ سلطانِ مدینہ

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ

اس امتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ

اے جاں بلب آمدہ، ہشیار خبردار
وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ

کچھ ہم کو نہیں کام جگرؔ! اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

میری نظرِ دل میں ہے اک جانِ وفا کا نقشہ
کس نے دیکھا ہے؟ اس اندازِ ادا کا نقشہ

عشق میں فرقت و غربت ہیں برابر دونوں
یہ قیامت کا سماں ہے، وہ بلا کا نقشہ

دل میں کچھ بھی نہیں اب گنجِ محبت کے سوا
جم گیا اک بتِ ہوش ربا کا نقشہ

تم نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا زاہد
ہائے ان شوخ نگاہوں میں حیا کا نقشہ

دل میسر ہو تو کیا سیرِ دو عالم کی ہوس — اسی نقشے میں ہے کُل ارض و سماں کا نقشہ
دل میں جب درد اٹھا نور کا طوفاں بھی اٹھا — کھینچ گیا سامنے اک برق ادا کا نقشہ
آج جھکتی نظر آتی ہے جبینِ کونین — دیکھنا یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ

پاک ہو کر، اشک ندامت سے بہر حال جگرؔ
دیکھنا ہے انہیں آنکھوں سے خدا کا نقشہ

اف، یہ تیغ آزمائیاں توبہ — تیری نازک کلائیاں، توبہ
کیا کریں، بندگانِ محبوبی — عاشقی کی خدائیاں توبہ
منزلِ عشق ہے خدا کی پناہ — ہر قدم کربلائیاں، توبہ
یادِ ایامِ شوق و عشق و جنوں — چرخ کی فتنہ زائیاں، توبہ
لطفِ بیگانگی، معاذ اللہ — ان کی سادہ ادائیاں، توبہ
حسن میں رقص کا سا اک عالم — شوق نے نوائیاں، توبہ
ہائے غمازیاں نگاہوں کی — اپنی بے دست و پائیاں[۱] توبہ
اف وہ احساسِ حسن پہلے پہل — یک بیک کج ادائیاں، توبہ
اللہ اللہ عشق کی وہ جھجک — حسن کی کہربائیاں، توبہ
اس کے دامن پہ دل کا جا پڑنا — ہم سے یہ بے وفائیاں، توبہ
غیظ سے ابروؤں پہ وہ شکنیں — دل پہ زور آزمائیاں، توبہ
آستینوں کا وہ چڑھا لینا — گوری گوری کلائیاں، توبہ

۱؎ بے دست و پا جس مفہوم میں مستعمل ہے، اس اعتبار پر میں نے اسے ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور اس بنا پر منہ بنا لینا غلط نہیں سمجھنا (جگر)

نظروں نظروں میں کاوشِ سرِ بزم | دل ہی دل میں لڑائیاں، توبہ
سوزِ غم کی شکایتیں ہے ہے | دردِ دل کی دہائیاں، توبہ
برملا سخت رنجشیں باہم | غائبانہ، صفائیاں، توبہ
اپنے مطلب سے عشق کی چھیڑیں | ظاہری بے وفائیاں، توبہ
حسن و توہینِ عشق، ہائے غضب | اپنی وہ خود ستائیاں، توبہ
غیرتِ عشق، اے معاذ اللہ | ایک دم بے وفائیاں، توبہ
شبنم آلودہ حسیں آنکھیں | رخ پہ اڑتی ہوائیاں توبہ
اس کی غم التفائیاں ہے ہے | اپنی بے اعتنائیاں، توبہ
سرِ سودا کی شورشیں پیہم | ہر طرف جگ ہنسائیاں، توبہ
رفتہ رفتہ وہ بے پناہ سکوت | سب سے ناآشنائیاں، توبہ
موت سے ہر نفس وہ راز و نیاز | موت کی ہم نوائیاں، توبہ
ناگہاں آمد آمدِ محبوب | غم کی بے انتہائیاں، توبہ
یک بیک آنکھ چار ہو جانا | دیر تک رو نمائیاں، توبہ
نظروں نظروں میں سرگذشتِ فراق | دونوں جانب دہائیاں، توبہ
حسن کی لہر لہر سے دوڑا کر | اس کی معجز نمائیاں، توبہ
پھر وہی چشمِ مست و جام بدست | پھر وہی نغمہ زائیاں، توبہ
پھر وہی لب، وہی تبسم ناز | پھر وہی کج ادائیاں، توبہ
پھر وہ ایک بیخودی کے عالم | مل کے باہم جدائیاں، توبہ
ہوئے اور پھر جناب جگر | پی پلا کر برائیاں، توبہ

کچھ نہ زمان و مکاں کچھ نہ سفید و سیاہ
اشہد ان لا الٰہ، اشہد ان لا الٰہ

غنچہ و نسریں و گل و انجم و خورشید و ماہ
یہ بھی مری رہ گذر، وہ بھی مری گرد راہ

عشق نظر آفریں اور نظر معصیت
عشق تمنا نژاد، اور تمنا گناہ

حاصل صد عرض غم مایۂ صد عرض شوق
اک مترنم سکوت، اک تبسم گاہ

ی

دل میں ایک رشک حور رہتا ہے
پاس رہتا ہے، دور رہتا ہے

میں تو دیکھوں ہزار پہلو میں
کب دل ناصبور رہتا ہے

ہو گیا کیا مرید مے زاہد
اب چہرے پر نور رہتا ہے

پوچھنا ہے یہ ان نگاہوں سے
عشق کیوں ناصبور رہتا ہے

چشم ساقی کی خیر ہو یا رب
بے پئے ہی سرور رہتا ہے

عشق مرنے پہ بھی نہیں مٹتا
یہ تعلق ضرور رہتا ہے

وہی آہیں، وہی ہوں میں لیکن
اب دھواں دور دور رہتا ہے

سن تو اے دل یہ برہمی کیا ہے
آج کچھ درد میں کمی کیا ہے

دیکھ لو رنگ زود نا کامی
یہ نہ پوچھو کہ بے کسی کیا ہے

اپنی ناکامیٔ طلب کی قسم
عین دریا ہے، تشنگی کیا ہے

جسم محدود، روح لامحدود
پھر یہ ایک ربط باہمی کیا ہے

اے فلک! اب تجھے تو دکھلا دوں
زور بازوئے بے کسی کیا ہے

ہم نہیں جانتے محبت میں ۔۔۔ رنج کیا چیز ہے، خوشی کیا ہے
ایک نفس خلد اک نفس دوزخ ۔۔۔ کوئی پوچھے یہ زندگی کیا ہے

ایک شوق دید بیحد سب کچھ دکھا رہا ہے ۔۔۔ کوئی نہ آ رہا ہے کوئی نہ جا رہا ہے
غم عشق کے خزینے خوش خوش لٹا رہا ہے ۔۔۔ اس ہاتھ کھو رہا ہے، اس ہاتھ پا رہا ہے
آنکھیں بنی ہوئی ہیں میخانۂ تصور ۔۔۔ ایک مست آ رہا ہے ایک مست جا رہا ہے
ہم کو اس سے مطلب، ناصح کو کیا شکایت ۔۔۔ میرا مٹانے والا، مجھ کو مٹا رہا ہے
معراج شوق کہئے یا حاصل تصور ۔۔۔ جس سمت دیکھتا ہوں تو مسکرا رہا ہے
منت گذار ہوں میں اے عشقِ ناشکیبا ۔۔۔ دل تیرے نشتروں سے تسکین پا رہا ہے
ان کی وہ آمد آمد اپنا یہاں یہ عالم ۔۔۔ اک رنگ آ رہا ہے ایک رنگ جا رہا ہے

جب حسن و عشق دونوں رویا کریں گے مجھ کو
وہ بھی جگر، زمانہ نزدیک آ رہا ہے

اسے حال و قال سے واسطہ نہ غرض مقام و قیام سے
جسے کوئی نسبت خاص ہو، ترے حسنِ برق خرام سے
مجھے دے رہے ہیں تسلیاں، وہ ہر ایک تازہ پیام سے
کبھی آ کے منظر عام پر، کبھی ہٹ کے منظر عام سے
کہاں کیا؟ رہا جو مقابلہ، خطراتِ گام بہ گام سے
سر بام عشق تمام تک، رہِ شوقِ نیم تمام سے
نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے، ترے نام سے

مرے ساقیا مرے ساقیا: تجھے مرحبا تجھے مرحبا
تو پلائے جا، تو پلائے جا. اپنی چشم جام بہ جام سے
تری صبح عیش ہے کیا بلا؟ تجھے اے فلک جو ہو حوصلہ
کبھی کرے آ کے مقابلہ، غم ہجر یار کی شام سے
مجھے یوں نہ خاک میں تو ملا، میں اگرچہ ہوں نتا نقش پا
ترے جلوے جلوے کی ہے بقا، مرے شوق نام بنام سے
تری چشم مست کو کیا کہوں، کہ نظر نظر ہے فسوں فسوں
یہ تمام ہوش، یہ سب جنوں ابھی ایک گردش جام سے
یہ کتاب دل کی ہیں آیتیں، میں بتاؤں کیا جو ہیں نسبتیں
مرے سجدہ ہائے دوام کو، ترے نقش ہائے خرام سے
مجھے چاہیئے وہی ساقیا، جو برس چلے جو چھلک چلے
ترے حسن شیشہ بدست سے، تری چشم بادہ جام سے
جو اٹھا ہے درد اٹھا کرے، کوئی خاک اس سے گلہ کرے
جسے ضد ہو حسن کے ذکر سے، جسے چڑ ہو عشق کے نام سے
وہیں چشم حور پھڑک گئی، ابھی پی نہ تھی کہ بہک گئی
کبھی یک بیک جو چھلک گئی، کسی رند مست جام سے
تو ہزار عذر کرے مگر، ہمیں رشک ہے اور ہی کچھ جگر
ترے اضطراب نگاہ سے، تری احتیاط کلام سے

ؔد ؔد ؔد

اب مرے سامنے ٹھہرے تو گلستاں کوئی
ہو چلا ہے مری صورت سے نمایاں کوئی

چھپکے رہتا ہے، کہیں رازِ گلستاں کوئی
غنچے غنچے کی زباں سے ہے گُل افشاں کوئی

اب اسے وصل کہے یا غمِ ہجراں کوئی
پردۂ یاس میں لیتا ہے سلسلہ جنباں کوئی

اس طرح آج ہے محسوس رگِ جاں کوئی
ایک اک سانس میں جیسے ہو خراماں کوئی

خیر ہے آپ نے کیوں غیظ میں تیور بدلے
اپنی ناکام محبت پہ ہے نازاں کوئی

کیا وہ نظروں کا مری حسن تلاطم سمجھے
جس نے دیکھا ہی نہ ہو جلوۂ رقصاں کوئی

چشمِ دیوانگی، شوق یہاں بھی نہ کھلی
عرصۂ حشر ہے اور مستِ غزلخواں کوئی

عشق بھی رنگِ تعین کا اٹھا دے پردہ
سامنے آئے تو بے قیدِ رگِ جاں کوئی

بے حقیقت نہ سمجھ! ناصحِ ناداں ان کو
انہیں اشکوں میں نہو، حسن کا طوفاں کوئی

شوق نے توڑ دیے وہ بھی جو باقی تھے قیود
لوٹ لے آ کے بہارِ چمنِ جاں کوئی

اور کیا چاہتا ہے بلبلِ شوریدہ مزاج
پردۂ گُل میں ہے خود چاکِ گریباں کوئی

یک بیک سامنے آیا نہ کرو بے پردہ
لے کے اڑ جائے نہ، یہ عالمِ امکاں کوئی

غنچے اس کے ہیں گُل اس کے ہیں بہاریں اس کی
خون سے اپنے بنائے جو گلستاں کوئی

نگہِ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا
مذہبِ عشق میں ہے کفر نہ ایماں کوئی

اللہ اللہ مرے چشمِ جنوں کی لہریں
نظر آ جاتا ہے جب چاکِ گریباں کوئی

چاہیئے تیرے تصور سے بھی ایسے میں گریز
کیوں کرے تجھ کو شریکِ غمِ ہجراں کوئی

ہائے وہ حسن کا انداز کہ جس وقت جگرؔ
عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی

نظر فروز رہے، سامعہ نواز رہے
زہے مجاز کہ وہ زینتِ مجاز رہے

کہاں جمالِ حقیقت، کدھر مجاز رہے — جو تیرے رخ پہ نہ حائل حجابِ ناز رہے

ہمیں وہ اب ہیں جو کھوئے ہوئے سے پھرتے ہیں — ہمیں وہ تھے کہ ترے راز دار راز رہے

الٰہی اس دلِ راز آشنا کو کیا کہیے — جو اس طرح سے بھی نا آشنائے راز رہے

نفس کے پردے میں بھی اس کا عکسِ جمال — بہت نہ سوزِ محبت نفس گداز رہے

کھلا یہ راز تری جلوہ گاہِ قربت میں — جو تجھ سے دور رہے، آشنائے راز رہے

ہمیں سجدہ میں ایسی کبھی تڑپ تو نہ تھی — وہ آج خود بھی مگر شاملِ نماز رہے

ترے سوا تری محفل سے کیا غرض مجھکو — خروشِ نغمہ رہے یا سکوتِ ساز رہے

تری امانتِ غم کا تو حق ادا کر لوں — خدا کرے شبِ فرقت بھی دراز رہے

ترے بغیر تو جینا روا نہیں لیکن — میں کیا کروں جو ترا غم ہی جاں نواز رہے

جراحتیں دلِ بسمل کی روح تک پہنچیں — درازدستیِ قاتل، ابھی دراز رہے

یہ حکم خاص ہے ساقی کا آج محفل میں
جگر سا ایک بھی کافر نہ پاکباز رہے

کچھ اس طرح وہ پسِ پردۂ مجاز رہے — حجاب ساز میں جیسے نوائے ساز رہے

نہ کوئی راز رہا ہے نہ کوئی راز رہے — نفس نفس میں وہ خوشبوئے خود نواز رہے

تری نگہ جو اسی طرح گرمِ ناز رہے — بشر تو کیا نہ فرشتہ بھی پاکباز رہے

خطا معاف، کسی اور کا ذکر ہی کیا — نیاز مند ترے تجھ سے بے نیاز رہے

جنونِ سجدہ کو، کیا اہلِ ہوش سے مطلب — ترا خیال بھی کیوں شاملِ نماز رہے

یہاں تو کام ہے ایک نشترِ توجہ سے — نگاہِ قہر رہے یا نگاہِ ناز رہے

محبت اصلِ حقیقت، محبت اصلِ مجاز — وہ کم نظر ہے جو بیگانۂ مجاز رہے

جبین وسجدہ کی توہین ہے جبیں سائی
جبیں وسجدہ میں کچھ بھی جو امتیاز رہے

ترے نثار عطا کردہ ایک لطیف خلش
تمام عمر محبت کو جس پہ ناز رہے

نگاہِ ناز سے چھلکا رہا ہے مے کوئی
وہ پاکباز نہیں، اب جو پاکباز رہے

زمانہ آج ہی غرق شراب تھا زاہد
کچھ اور دیر جو، وہ چشم نیم باز رہے

دکھاؤں عشق کی خودداریاں جگر میں بھی
جو ایک بات پہ قائم غرور ناز رہے

مسلسل

ملا کے آنکھ نہ محروم ناز رہنے دے
تجھے قسم، جو مجھے پاکباز رہنے دے

میں اپنی جان تو قرباں کر چکوں تجھ کو
یہ چشم مست ابھی نیم باز رہنے دے

ترے ہی شیوہ عاشقی کسی کی تجھ کو قسم
اسی طرح مژدہائے دراز رہنے دے

ہٹا نہ سینہ عاشق سے رخ کسی جانب
نگاہِ ناز کو نشتر نواز رہنے دے

گلے سے تیغ ادا کو جدا نہ کر قاتل
ابھی یہ منظر راز و نیاز رہنے دے

یہ تیر ناز ہیں تو شوق سے چلائے جا
خیال خاطر اہل نیاز رہنے دے

قتیل غمزۂ خوں ریز ہوں قصور معاف
اشارۂ نگہ دلنواز رہنے دے

بجھا نہ آتش پنہاں کرم کے چھینٹوں سے
دلِ جگر کو مجسم گداز رہنے دے

غیر مسلسل

مجھے ہلاکِ فریبِ مجاز رہنے دے
نہ چھیڑ، او ننگِ امتیاز! رہنے دے

یہ جان آج نکلتی ہے جس کے قدموں پر
خدارا سر بہ دامانِ ناز رہنے دے

میں رازِ عشق کو بیگانۂ جہاں رکھوں
مگر جو مصلحتِ حسنِ ناز رہنے دے

خدا نے دی ہے یہ نعمت تو رکھ لے اس کے عیب
غرورِ حسن کو، تا حدِ ناز رہنے دے

یہ بات کیا کہ حقیقت وہی مجاز وہی
مجاز ہے تو پھر اس کو مجاز رہنے دے

یہ جان ایک بلا نوش کی ہے اے ساقی
نہ پھینک دردِ مے خانہ ساز رہنے دے

یہ خانقاہ نہیں پی بھی جا اے زاہد
یہ میکدہ ہے یہاں احتراز رہنے دے

ازل سے حسن تو عاشق نواز ہے لیکن
جو عشق ہی اسے عاشق نواز رہنے دے

اسے نہ آئینہ سمجھو وہ اور ہی شے ہے
جس آئینہ کو خود آئینہ ساز رہنے دے

لٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے
بس اک تبسمِ عاجز نواز رہنے دے

گزرتی ہے جو دلِ عشق پر نہ پوچھ جگر
یہ خاص رازِ محبت ہے راز رہنے دے

حال بھی ماورائے حال بھی ہے
عشق ممکن بھی ہے محال بھی ہے

پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں
جانتا ہوں، مرا خیال بھی ہے

کرتے جاتے ہیں صاف عذرِ کرم
اور پھر پرسشِ ملال بھی ہے

دل کے ہر اضطرابِ نازک میں
شانِ بے تابیٔ جمال بھی ہے

ہر ستم ہے کرم کے پردے میں — اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے
وہ گئے مجھ سے یک نظر ہو کر — اب کسے فرصتِ خیال بھی ہے
دور ہٹتا نہ منزلِ دل سے — وصل بھی ہے نہیں وصال بھی ہے
چھائے جاتے ہیں دردِ دل بن کر — اس پہ تاکیدِ ضبطِ حال بھی ہے
حسن کے ہر جمال میں پنہاں — میری رعنائیٔ خیال بھی ہے
دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں — کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے

لاکھ رسوا سہی جگر! لیکن
خوش نظر بھی ہے خوش خیال بھی ہے

کیا سیر کیجیے دنیائے رنگ و بو کی — طاقت نہ آرزو کی، فرصت نہ جستجو کی
یہ حد آخری ہے عاشق کی جستجو کی — بن بن کے مٹ رہی ہے ہر شکل آرزو کی
تم دل اسے سمجھ لو یا جانِ آرزو کی — سینے میں اب سے پہلے ایک بوند تھی لہو کی
اللہ شرم رکھ لے تو میرے جنگجو کی — آئینہ روبرو ہے چوٹیں ہیں دوبدو کی
تو وہ بہارِ تازہ دنیائے رنگ و بو کی — ایک بار جس نے دیکھا تا عمر آرزو کی
طے منزلیں ہوئی ہیں یوں عشقِ آرزو کی — کچھ میں نے جستجو کی کچھ اس نے جستجو کی
اب کیا جواب دوں میں کوئی مجھے بتائے — وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کیا چیز میری آرزو کی
یہ ترکِ جستجو بھی، کیا ترکِ جستجو ہے — اس میں بھی پا رہا ہوں اک شان جستجو کی
پھر دلنوازیاں ہیں، چارہ سازیاں ہیں — پہچانتا ہوں نظریں اس شوخ فتنہ جو کی
ہاں نشترِ نوازش ایک اور بھی اشارہ — محسوس ہو چلی ہے جنبش رگِ گلو کی
مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف سے نظریں — دل ہی کو بت بنایا دل ہی سے گفتگو کی

ناکام جستجو سب فریاد کر رہے ہیں
اے کاش کوئی سنتا فریاد جستجو کی

وہ ایک گوشۂ دل جس میں ہیں لاکھوں شکوے
ہم نے بہت چھپایا اس کی نظر نہ چوکی

آئے مرے مقابل جس کو ہو زعم تمکیں
تصویر کھینچتا ہوں اک حسن شعلہ خو کی

عالم سے چھپنے والے! معلوم تیرا چھپنا
سو بار تجھ کو دیکھا سو بار گفتگو کی

پردہ جب اٹھ گیا ہے، دیکھا ہے اکثر
اپنی ہی آرزو ہیں، اپنی ہی جستجو کی

مجرم بنا ہوا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں
ہیں وہ ہوں تو نے ظالم خود جس کی آرزو کی

راتیں گذارتے ہیں یوں بیکسان فرقت
جب دل کو آگیا عشق تاروں سے گفتگو کی

دل خود بھی تنگ ہے اب لیکن علاج اسکا
عادت سی پڑ گئی ہے ظالم کو جستجو کی

عین شگفتگی ہی، حسن شکستگی ہے
چاک قبائے گل کو حاجت نہیں رفو کی

تو خوب جانتا ہے او جان و دل کے مالک
ہر حال میں جگر نے تیرے ہی آرزو کی

یہ مے کشی ہے تو پھر شان میکشی کیا ہے
بہک نہ جائے جو پی کر وہ رند ہی کیا ہے

بس ایک سمت اڑا جا رہا ہوں وحشت میں
خبر نہیں کہ خودی کیا ہے بیخودی کیا ہے

میں زہر مرگ گوارا کروں کہ تلخی زیست
مری خوشی تو ہے سب کچھ تری خوشی کیا ہے

لبوں پہ موج تبسم نگہ میں برق غضب
کوئی بتائے؟ یہ انداز برہمی کیا ہے

ستم کشان محبت سے کوئی پوچھے تو
امید ہے بھروسہ، امید ہی کیا ہے

کسے مجال کہ افشائے راز یار کرے
یہ زندگی ہی سے سمجھو زندگی کیا ہے

کہاں کی خانقاہ و مسجد و کنشت و بہشت
فقیر ہوں مرے ساقی گئے گھر گھی کیا ہے

یہ درس میں نے لیا مکتب محبت سے
کسی طرح جو بہل جائے زندگی کیا ہے

اسی کے واسطے مے بھی ہے مے کشی بھی جگرؔ
خبر نہیں جسے مے کیا ہے، مے کشی کیا ہے

شائستۂ غرور تمنا نہ کیجیے — ایسی نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجیے
وعدہ تو کیجیے مگر ایفا نہ کیجیے — محدودِ وصل شوق کی دنیا نہ کیجیے
رعنائیِ خیال کو رسوا نہ کیجیے — ممکن بھی ہو تو عرضِ تمنا نہ کیجیے
کیا جانیے کب آہ کی تاثیر جاگ اٹھے — گہری نگاہ سے مجھے دیکھا نہ کیجیے
کافی ہے اک نگاہِ کرم، التجا کے ساتھ — تازہ کوئی فسونِ تماشا نہ کیجیے
موسیٰ کی طرح کون سنے لن ترانیاں — بے عیب ہے جو حسن تو پردا نہ کیجیے
یا دیکھ کر نہ دیکھیے کچھ ماسوائے دوست — یا دیکھنے کی طرح سے دیکھا نہ کیجیے
دیوانہ کر کے دیکھیے پھر مجھ کو اذنِ ہوش — ہشیار کر کے پھر مجھے دیوانہ کیجیے
ماتم گذار کون ہے اب دل کی لاش پر — کہتے نہ تھے کہ خونِ تمنا نہ کیجیے
تاثیرِ شوق و یاس کا پردہ اٹھا نہ دے — اتنے قریب سے مجھے دیکھا نہ کیجیے
ہر جلوہ ہے بجائے خود اک دعوتِ نگاہ — کیا کیجیے جو تیری تمنا نہ کیجیے
یوں چشمِ شوق دیکھ ہی لیتی ہے کچھ نہ کچھ — پردہ کا خیال، تو پردہ نہ کیجیے
تفصیلِ عشق و حسن جگرؔ مصلحت نہیں — افشائے رازِ قطرہ و دریا نہ کیجیے

*

محبت میں جدھر دیکھو بہارِ جاودانی ہے — ہجومِ رنگ و بو ہے حسن و نغمہ ہے جوانی ہے
جنونِ عشق میں حاصل یہ لطفِ زندگانی ہے — نظر کو دل سے اور دل کو نظر سے بدگمانی ہے
ترے سر کی قسم تجھ سا ہی اک محبوب ثانی ہے — وہی نقشہ وہی انداز، ایسی ہی جوانی ہے
خدایا خیر کرنا نبضِ بیمارِ محبت کی — کئی دن سے بہت برہم مزاجِ ناتوانی ہے

کسی کو آج مجبورِ ترنم کر دیا تو نے اے دل
بہت مدت ہوئی خاموش سازِ لن ترانی ہے

الٰہی سجدے ایسے ہیں اس جانِ تمنا کو
سکوتِ شب کا سناٹا ہے اور دل کی کہانی ہے

تجھے اے عشق سینے سے لگا لوں دیدہ و دل سے
ترے ہر درد میں پنہاں نشاطِ جاودانی ہے

یہ تیرا اور کچھ تیرے سوا کوئی نہیں بھی ہے
یہ مانا جو بھی ہے تیرے سوا اے دوست فانی ہے

نہ کر آلودۂ لفظ و بیاں شرحِ محبت کو
محبت ہی بجائے خود زبانِ بے زبانی ہے

ترے حسنِ حیات افروز کو دیکھا ہے جس دن سے
بہت مجھ کو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہے

الٰہی شرم تیرے ہاتھ ہے آدابِ محفل کی
وہ نازک طبع مہماں ہے جنوں کی میہمانی ہے

لیے پھرتا ہوں اک تصویرِ حسرت اپنی آنکھوں میں
خدا بخشے دلِ مرحوم کی زندہ نشانی ہے

انہیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا ظالم
پیامِ دردِ دل ہے اور آنکھوں کی زبانی ہے

ترے جورِ مسلسل کی قسم او پوچھنے والے
جگر کے حال پر تیرا کرم ہے مہربانی ہے

جنونِ عشق کا اتنا تو حق ادا کرتے
اسے بھی اپنی طرح عالم آشنا کرتے

حیاتِ درد ہی کیا، پھر بھی آہ کیا کرتے
فنا کی چیز جو ہوتی تو ہم فنا کرتے

تمام منظرِ ہستی کو ایک جا کرتے
پھر اپنی شرحِ محبت جدا جدا کرتے

محبت اصل حقیقت ہے اس کو کیا کرتے
ہم التجا جو نہ کرتے، وہ التجا کرتے

وہ ہنس رہے ہیں مرے حال پر ہنسا کرتے
یہ بہہ رہے ہیں جو آنسو یونہی بہا کرتے

نہ تھا پسند کہ محروم التجا کرتے
دگرنہ دل وہ کسی کا پسند کیا کرتے

یہ کیا مجال کہ ہم ترکِ التجا کرتے
دہن کو سی بھی جو لیتے نظر کو کیا کرتے

نمازِ عشق یہاں ہے نفس نفس جاری
کبھی ادا ہی نہ ہوتی اگر قضا کرتے

یقین کرو کہ تمہاری جگہ جو ہم ہوتے — محبتوں کے خزانے لٹا دیا کرتے

دل ایک شاہد معنی سہی مگر پھر بھی — تمہارے سامنے ہم بے نقاب کیا کرتے

حجاب نے انہیں رکھا حجاب میں ورنہ — جب آتے سامنے اپنا ہی سامنا کرتے

وہ عرض شوق برائے کاوش اور کچھ نہ سہی — نگاہ نیچی کئے مسکرا دیا کرتے

نہ انتہا ہے نہ کچھ ابتدا محبت کی — جو انتہا کوئی ہوتی تو ابتدا کرتے

نہیں جو وصل میسر نصیب ہجر تو ہے — ہم اپنے فرق کا ان سے ملال کیا کرتے

*

عشق کی حد سے نکلتے، پھر یہ منظر دیکھتے — کاش حسن یار کو، ہم حسن بن کر دیکھتے

غنچہ و گل دیکھتے یا ماہ و اختر دیکھتے — تم نظر آتے ہمیں، ہم کوئی منظر دیکھتے

دور جا کر دیکھتے، نزدیک آ کر دیکھتے — ہم سے ہو سکتا تو ہم ان کو برابر دیکھتے

فطرت مجبوری پر قابو ہی کچھ چلتا نہیں — ورنہ ہم تو تجھ سے بھی تجھ کو چھپا کر دیکھتے

پھر وہی حسرت ہے ساقی پھر اسی انداز سے — پھر سوا ساغر کے سب کچھ غرق دریا دیکھتے

میرے چپ رہنے پہ کیا! وہ باز رہتے چھیڑ سے — مسکرائے دیکھتے، پھر مسکرا کر دیکھتے

عشق سرتاپا نظر نازک مزاج حسن دوست — دیکھتے بھی ہم اگر اس کو تو چھو کر دیکھتے

مل گئیں نظروں سے نظریں اور مل کر رہ گئیں — چشم ساقی دیکھ کر کیا جام و ساغر دیکھتے

تشنگان دید جلوہ ہیں ہمیں سمجھا ہے کیا — تم اگر صورت دکھاتے بلاش دیگر دیکھتے

مرمٹا اک بات پر کس آن سے کس شان سے — آپ اگر ایسے میں ہوتے دل کے تیور دیکھتے

زاہد مسجد نشیں ہے اور ایک ٹوٹا سا ظرف — میکدے میں اہتمام جام و ساغر دیکھتے

وائے محرومی قسمت، رہ گئی حسرت یہی — ایکدن تو ہم، انہیں اپنے میں آ کر دیکھتے

ہائے وہ چہرہ اور اس میں تڑپتی بجلیاں — کاش اک دن پھر اسے گستاخ بن کر دیکھتے

دم بخود ہیں حضرت زاہد ہمیں تک دیکھ کر — ہوش اڑ جاتے، اگر شیشے سے باہر دیکھتے

یا مذاقِ دید کی تہمت نہ لیتے اے جگرؔ
یا مجسم دل سراپا آنکھ بن کر دیکھتے

کیا برابر کا محبت میں اثر ہوتا ہے — دل ادھر ہوتا ہے ظالم نہ ادھر ہوتا ہے

ہم نے کیا کچھ نہ کیا، دیدہ دل کی خاطر — لوگ کہتے ہیں دعاؤں میں اثر ہوتا ہے

دل تو یوں دل سے ملایا نہ دکھا میرا — اب نظر کے لئے، کیا حکم نظر ہوتا ہے

میں گنہگار جنوں، میں نے یہ مانا لیکن — کچھ ادھر سے بھی تقاضائے نظر ہوتا ہے

کون دیکھے اسے، بیتابِ محبت اے دل — تو وہ نالہ ہی نہ کر جس میں اثر ہوتا ہے

خوشا بیداد، خونِ حسرتِ بیداد ہوتا ہے — ستم ایجاد کرتے ہو، کرم ایجاد ہوتا ہے

بظاہر کچھ نہیں کہتے، مگر ارشاد ہوتا ہے — ہم اس کے ہیں، یہ کیا ہم پہ ہر طرح برباد ہوتا ہے

مرے ناشاد رہنے پر وہ جیسا شاد ہوتا ہے — بتاؤں کیا جو میرا عالمِ فریاد ہوتا ہے

یہی آزادی جہاں تک پابند ہوتا ہے — کہ نظریں قید ہوتی ہیں تو دل آزاد ہوتا ہے

دلِ عاشق بھی کیا مجموعۂ اضداد ہوتا ہے — ادھر آباد ہوتا ہے ادھر برباد ہوتا ہے

وہ ہر اک واقعہ جو صورتِ افتاد ہوتا ہے — کبھی پہلے بھی دیکھا تھا کچھ ایسا یاد ہوتا ہے

بڑی مشکل سے پیدا اک وہ آدم زاد ہوتا ہے — جو خود آزاد جس کا ہر نفس آزاد ہوتا ہے

مٹا ہی کیا کہ پھر وہ دل بھی واقف ہو نہیں سکتا — زبانِ حسن سے ایسا بھی کچھ ارشاد ہوتا ہے

تمہی ہو طعنہ زن مجھ پہ تمہیں انصاف سے کہہ دو — کوئی اپنی خوشی سے خانماں برباد ہوتا ہے

نہ مانا ننگ پابندی سے کیا آزاد کو مطلب — مگر وہ شرم آزادی سے بھی آزاد ہوتا ہے

تصور میں ہے کچھ ایسا تری تصویر کا عالم   کہ جیسے اب لب نازک سے کچھ ارشاد ہوتا ہے

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سناتا جا رہا ہے، جس کو جتنا یاد ہوتا ہے

یوں بھی مجھے تو حاصل آرام جاں نہیں ہے   اب تو جو مہرباں ہے، دل مہرباں نہیں ہے
جو داستاں ہے اپنی، افسانہ ہے کسی کا   شاید مرے دہن میں میری زباں نہیں ہے
ہاں اے جمالِ جاناں اک اور بھی تجلی   دنیا مری نظر میں اب تک جواں نہیں ہے
ہر لحظہ کہہ رہا ہے، یہ انقلابِ فطرت   یعنی جہاں ابھی تھی دنیا وہاں نہیں ہے
دل کی جراحتوں کو کچھ دل ہی جانتا ہے   ظاہر میں دیکھئے تو کوئی نشاں نہیں ہے
شاید تری نظر سے کچھ راز دل سمجھ لوں   کہتے ہیں عشق جس کو میری زباں نہیں ہے
جو کچھ میں دیکھتا ہوں، میری نظر سے دیکھو   عین مشاہدہ ہے، وہم و گماں نہیں ہے

تیرے کرم کے صدقے کرلے ستم بھی شامل
دل شادماں ہے، لیکن غم شادماں نہیں ہے

دل ترے عشق میں ناشاد بھی ہے شاد بھی ہے   یہی نغمہ، یہی فریاد، یہ ہی یاد بھی ہے
اب بھی کیا دل کو نہ سمجھو گے سزاوار سزا   مجرم شوق بھی ہے، ملزم فریاد بھی ہے
تم مری آنکھ سے دیکھو تو یہ دنیائے جمال   ہائے کیا چیز مرا عشق خداداد بھی ہے
ہر وہ ناچیز سا ذرہ تم دیکھتے ہو   اس کو سن لو تو یہ نغمہ بھی ہے فریاد بھی ہے
تم جو ایسے میں چلے آؤ تو دونوں دم بھر   صبح کا وقت بھی ہے خاطر ناشاد بھی ہے

اب کہاں آہ مجھے فرصت یک لحظہ جگر
سینہ عشق بھی ہے، نشتر فریاد بھی ہے

میں عشق بے نیاز ہوں، تم حسن بے پناہ
میرا جواب ہے نہ تمہارا جواب ہے

میخانہ ہے اسی کا یہ دنیا اسی کی ہے
جس تشنہ لب کے ہاتھ میں جام شراب ہے

اس سے دلِ تباہ کی روداد کیا کہوں
جو یہ نہ سن سکے کہ زمانہ خراب ہے

اے محتسب نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک
ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے

اپنے حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں
جو ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے

وہ لاکھ سامنے ہوں، مگر اس کا کیا علاج
دل مانتا نہیں، کہ نظر کامیاب ہے

میری نگاہ شوق بھی کچھ کم نہیں مگر
پھر بھی ترا شباب ترا ہی شباب ہے

مانوس اعتبار کرم کیوں کیا مجھے
اب ہر خطائے شوق اسی کا جواب ہے

میں اس کا آئینہ ہوں وہ ہے میرا آئینہ
میری نظر سے اس کی نظر کامیاب ہے

تنہائی فراق کے قرباں جائیے
میں ہوں خیالِ یار ہے چشم پر آب ہے

سرمایۂ فراق جگرؔ آہ کچھ نہ پوچھ
اب جان ہے سو اپنے لئے خود عذاب ہے

سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے
جس حال میں ہوں، اب مجھے افسوس نہیں ہے

زاہد مگر اس رمز سے آگاہ نہیں ہے
سجدہ وہی سجدہ ہے جو ننگ جبیں ہے

جس دل میں تری یاد ہے تو صدر نشیں ہے
وہ دل بھی حسیں، اسکی محبت بھی حسیں ہے

وہ آئے ہیں، اے دل ترے کہنے کا یقیں ہے
لیکن میں کروں کیا مجھے فرصت ہی نہیں ہے

جس رنگ میں دیکھو اسے وہ پردہ نشیں ہے
اور اس پہ یہ پردہ کہ پردہ ہی نہیں ہے

ہر ایک مکاں میں کوئی اسطرح مکیں ہے
پوچھو تو کہیں بھی نہیں دیکھو تو یہیں ہے

نزدیک ہو یا دور، جہاں تم ہو تو وہیں ہے
عاشق وہی عاشق ہے جو مجبور نہیں ہے

وہ کون ہے، ایسا، کہ تری شکل دکھا دے
احسان ہے اس کا جو مجھے تجھ سے ملا دے

ہاں جذبِ غمِ عشق کی تاثیر دکھا دے
مجبور نہ کر حسن کو مجبور بنا دے

تو حسن ہے میں عشق ہوں تو جان ہی میں جسم
کس کی یہ طاقت کہ مجھے تجھ سے چھڑا دے

اے جانِ دو عالم! ترے عالم کے تصدق
اپنا جو بنایا ہے، تو اپنا سا بنا دے

جنت میں بھی ایسا تو نہ ہوگا گلِ خنداں
اے زخمِ جگر! نیت قاتل کو دعا دے

کیوں دور ہٹ کے جائیں ہم دل کی سرزمیں سے
دونوں جہاں کی سیر کریں جا کے ہیں سب یہیں سے

یہ راز سن رہے ہیں اک موجِ تہ نشیں سے
ڈوبے ہیں ہم جہاں پر، ابھریں گے جو وہیں سے

خونِ وفائے بسمل، جرمِ نگاہِ قاتل
ظاہر تو ہر جگہ ہے، ثابت نہیں کہیں سے

اس چشمِ خشک سے تم چھیڑیں تو کر رہے ہو
تڑپے نہ موج کوئی، دریائے آستیں سے

انکار اور اس پر اصرار، وہ بھی پیہم
تم مجھ کو چاہتے ہو ثابت ہوا یہیں سے

اب کیا بتاؤں! کیا کیا عالم گذر رہے ہیں
میرے دل حزیں پر، میرے دلِ حزیں سے

یوں آج مل رہا ہے جانِ جگر سے کوئی
جس طرح مل رہا ہو کوئی حسیں حسیں سے

اے حسنِ یار! شرم، یہ کیا انقلاب ہے
تجھ سے زیادہ درد ترا کامیاب ہے

عاشق کی بیدلی کا تغافل نہیں جواب
اس کا بس ایک جوشِ محبت جواب ہے

تیری عنایتیں کہ نہیں نذرِ جاں قبول
تیری نوازشیں کہ زمانہ خراب ہے

اے حسن اپنی حوصلہ افزائیاں تو دیکھ
مانا کہ چشمِ شوق بہت بے حجاب ہے

یہ دل ہے ترا دل، مجھے کیا طاقت تصرف
تو دیکھ لے، جو چیز جہاں پر تھی، وہیں ہے

میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو، ہجر میں بیتاب
ہر سانس کے ساتھ آج اک آواز حزیں ہے

اس طرح نہ ہوگا کوئی عاشق بھی تو پابند
آواز جہاں دو اسے وہ شوخ وہیں ہے

مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی ادائیں
دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے

کیا ذوق ہے، کیا شوق ہے، کیا ربط ہے کیا ضبط
سجدہ ہے کہ جبیں میں کبھی سجدہ میں جبیں ہے

ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن، نئی شان
میری نگہ شوق بھی، کیا شوخ حسیں ہے

میں بے اثر جذب محبت ہی سہی لیکن
کیا کم ہے وہ میرے لئے بیتاب نہیں ہے

میں اور ترے ہجر جفا کار کے صدقے
اس بات پہ جیتا ہوں کہ مرنے کا یقیں ہے

معلوم ہیں اس سحر نگاہی کے کرشمے
دنیا مرے نزدیک جو ہے بھی تو نہیں ہے

اس بزم حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا
نغموں کا تلاطم تو ہے، آواز نہیں ہے

کس کس سے ترے عشق میں دامن چھڑاؤں
کونین ہے، اور ایک مری جان حزیں ہے

تڑپ کر انہیں تڑپا رہا ہے
قیامت پہ قیامت ڈھا رہا ہے

عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے
حسیں جیسے کوئی شرما رہا ہے

قطعہ

نگاہوں سے نگاہیں لڑ رہی ہیں
مزے درد محبت پا رہا ہے

پیام شوق کا اب پوچھتا کیا
برابر آ رہا ہے، جا رہا ہے

وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں
جہانِ آرزو، تھرا رہا ہے

گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں
محبت کا زمانہ آ رہا ہے

وہ کچھ دل کو مرے سمجھا رہے ہیں
کچھ ان کو دل مرا سمجھا رہا ہے

وہ خود تسکین خاطر کر رہے ہیں — مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے

ازل ہی سے چمن بند محبت — یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے

کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے — وہیں ایک پھول بھی مرجھا رہا ہے

طبیعت ہے کہ ٹھہری جا رہی ہے — زمانہ ہے کہ گذرا جا رہا ہے

مری روداد غم وہ سن رہے ہیں — تبسم سا لبوں پر آ رہا ہے

سنبھل بیٹھیں حریفانہ شہادت — زباں پہ نام قاتل آ رہا ہے

غم دل کو، خدا آباد رکھے — نشاط سرمدی برسا رہا ہے

ملا ہے آج اذن باریابی — ہر اک پردہ اٹھایا جا رہا ہے

جگر ہی کا نہ ہو افسانہ کوئی
در و دیوار کا حال آ رہا ہے

دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے — آہ ہوتی ہے، واہ ہوتی ہے

جو بجائے خود، آہ ہوتی ہے — ہائے وہ کیا نگاہ ہوتی ہے

اک نظر دل کی سمت دیکھو تو — کیسی دنیا تباہ ہوتی ہے

حسن جاناں کی منزلوں کو نہ پوچھ — ہر نفس ایک راہ ہوتی ہے

کیا خبر تھی کہ عشق کے ہاتھوں ق — ایسی حالت تباہ ہوتی ہے

سانس لیتا ہوں دم الجھتا ہے — بات کرتا ہوں، آہ ہوتی ہے

جو الٹ دیتی ہے صفیں کی صفیں — اک شکستہ سی آہ ہوتی ہے

یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے — دیکھو دنیا تباہ ہوتی ہے

وقفہ ہوش عشق آہ، نہ پوچھ — فرصت ایک نگاہ ہوتی ہے

کیا بتائیں، عشق ظالم! کیا قیامت ڈھائے ہے
یہ سمجھ لو جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے

جب نہیں تم، تو تصور بھی تمہارا کیا ضرور
اس سے بھی کہہ دو! کہ یہ تکلیف کیوں فرمائے ہے

ہائے وہ عالم نہ پوچھو اضطراب عشق کا
یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش سا آ جائے ہے

کس طرف جاؤں، کدھر دیکھوں، کسے آواز دوں
اے ہجوم نامرادی، جی بہت گھبرائے ہے

کُن کہتے ہی، جلووں کی یہ کثرت نظر آئی
اللہ کو اللہ کی صورت نظر آئی

جب دل پہ نظر کی تری صورت نظر آئی
آغوش محبت میں محبت نظر آئی

ہو گا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

ہر اک سے بیگانہ بن رہے ہیں، کسی کی جانب نظر نہیں ہے
خبر وہ رکھتے ہیں اس طرح سے کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے

فراق بھی ہے، وصال بھی ہے، ہر ایک لحظہ، ہر ایک ساعت
فراق کیا ہے، وصال کیا ہے؟ جو کوئی پوچھے خبر نہیں ہے

تجھے نہیں مجھ سے ربط اصلا، یہ میں نے مانا، مگر یہ بتلا
مرے تصور میں کیوں ہے ایسا، تری توجہ اگر نہیں ہے

مری یہ ہستی مری یہ طاقت، کہ تیر دلدوز عشق روکوں!
مری طرف سے یہ کون ہے پھر، جو خود وہ سینہ سپر نہیں ہے

شباب میکش، جمال میکش، خیال میکش، نگاہ میکش
خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی! انہیں خود اپنی خبر نہیں ہے

آہ یہ ہم ، یہ تھا مدارِ حیات
وہ بھی ہے اک مقام عشق جہاں
وہ سرہانے کھڑے ہیں اور یہاں
حاصلِ حسن و عشق اسے سمجھو
ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے
ہم سے پوچھو ، تو عشق کی بھی نگاہ
حسن کو بھی رنگ دیتی ہے

وہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے
ہر تمنا گناہ ہوتی ہے
رخصتِ اشک و آہ ہوتی ہے
وہ جو پہلی نگاہ ہوتی ہے
مسکراہٹ بھی آہ ہوتی ہے
سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے

دردِ بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر
یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے

خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے
مست و بیخود ، عاقل و ہشیار جو چاہے کرے
اس نے یہ کہہ کر دل کو فریب جستجو
تھا ابھی جلوہ ، ابھی پردہ ابھی کچھ بھی نہیں
ہر حقیقت حسن کی ہے بے نیاز اعتراف

تو نے جو چاہا کیا اے یار جو چاہے کرے
شوخیٔ طرز نگاہ یار جو چاہے کرے
حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے
آپ کی حسرتِ دیدار جو چاہے کرے
اب کوئی اقرار یا انکار جو چاہے کرے

عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے
خوب رو لے فراق میں اے دل
فطرتِ عشق لاکھ پتھر ہو
موجِ خوں ہو کہ موجِ بادۂ ناب
ہم سے ایسی چلی ، کہ بس تو یہ

× آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے
کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے
اک نہ اک دن پگھل ہی جاتی ہے
جوش کھا کر اچھل ہی جاتی ہے
ورنہ آپس میں چل ہی جاتی ہے

نظر سے حسن دو عالم گرا دیا تو نے — نہ جانے کون سا عالم دکھا دیا تو نے

جواب حسن طلب اور کیا دیا تو نے — تمام شکر و شکایت بنا دیا تو نے

فنائے عشق کو رنگ بقا دیا تو نے — حیات و موت کو یکجا دکھا دیا تو نے

ہزار جاں گرامی فدا بایں نسبت — کہ میری ذات سے اپنا پتا بتا دیا تو نے

یہ کیا کیا، کہ عطا کر کے عشق لامحدود — مجھے حریف مقابل بنا دیا تو نے

جمال حسن کی ہلکی سی لہر دوڑا کر — نفس نفس کو مرے جگمگا دیا تو نے

ہزار دل مٹا کر، دیا مجھے اک درد — اس ایک درد کو پھر دل بنا دیا تو نے

خوشا وہ درد محبت نہ ہو وہ دل جیسے — ذرا سکوں ہوا گدگدا دیا تو نے

ہر ایک دل کو عطا کر کے مدعائے حیات — جگر کو اک دل بے مدعا دیا تو نے

شوق گستاخ چہرے پہ اثر نہ دیکھ لے — ڈر رہا ہوں کہ وہ سفاک ادھر دیکھ نہ لے

اب تو خلوت میں بھی اٹھتی نہیں چہرے سے نقاب — ڈر یہ ہے کوئی پس پردۂ درد دیکھ نہ لے

عاشقوں کی نگاہِ شوق کہیں بھٹکتی ہے — دیکھتے ہی رہیں اس کو وہ اگر دیکھ نہ لے

اب نظر خاک اٹھے عزم نظر کے ہمراہ — دل دھڑکتا ہے کہ وہ شوخ ادھر دیکھ نہ لے

میں تو اس چھپنے کے صدقے کہ اب ضد ہی نہیں
حسن کو عشق کی صورت میں جگر دیکھ نہ لے

دل کو اشکوں سے جو خالی کوئی کر دیتا ہے — ساقی غیب پھر اس جام کو بھر دیتا ہے

مست ہوتا ہے، یہ بیخود مجھے کر دیتا ہے — درد اٹھ کر تری آمد کی خبر دیتا ہے

تو نے ٹانکے جو دیئے تھے، وہ مگر ٹوٹ گئے — آج پھر خون ہر اک زخم جگر دیتا ہے

دیکھ سکتا نہیں، ساقی مری محرومی کو — جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے

وہ کافر آشنا، نا آشنا، یوں بھی ہے، اور یوں بھی
ہماری ابتدا تا انتہا، یوں بھی ہے اور یوں بھی

تعجب کیا؟ اگر رسم وفا یوں بھی ہے اور یوں بھی
کہ حسن و عشق کا ہر مسئلہ یوں بھی ہے اور یوں بھی

کہیں ذرہ، کہیں صحرا، کہیں قطرہ، کہیں دریا
محبت اور اس کا سلسلہ یوں بھی ہے اور یوں بھی

وہ مجھ سے پوچھتے ہیں، ایک مقصد میری ہستی کا
بتاؤں کیا؟ کہ میرا مدعا یوں بھی ہے اور یوں بھی

ہم ان سے کیا کہیں؟ وہ جانیں ان کی مصلحت جانے
ہمارا حالِ دل تو برملا یوں بھی ہے اور یوں بھی

نہ پالینا ترا آسان، نہ کھو دینا نہ ممکن
مصیبت میں یہ جان مبتلا یوں بھی ہے اور یوں بھی

لگادے آگ، او برق تجلی، دیکھتی کیا ہے
نگاہِ شوق، ظالم نارسا یوں بھی ہے اور یوں بھی

الٰہی کس طرح عقل و جنوں کو ایک جا کر دوں
کہ منشائے نگاہِ عشوہ زا یوں بھی ہے اور یوں بھی

مجازی[1] سے جسگر کہدو! ارے او عقل کے دشمن
مقر ہو یا کوئی منکر خدا یوں بھی ہے اور یوں بھی

---

[1] مجاز ایک لکھنوی منکر خدا شخص ہے، جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے میرے دوست بھی ہیں (جگر)

ترے جمال حقیقت کی تاب ہی نہ ہوئی
ہزار نگاہ کی نگر کبھی نہ ہوئی

تری خوشی سے اگر غم میں بھی خوشی نہ ہوئی
وہ زندگی تو محبت کی زندگی نہ ہوئی

کہاں وہ شوخ، ملاقات خود سے بھی نہ ہوئی
بس ایک بار ہوئی اور پھر کبھی نہ ہوئی

وہ ہم ہیں اہل محبت کی جان سے دل سے
بہت بخار اٹھے آنکھ شبنمی نہ ہوئی

ٹھہر ٹھہر دل بیتاب پیار تو کرلوں
اب اس کے بعد ملاقات ہوئی نہ ہوئی

میرے خیال سے بھی آہ مجھ کو بعد رہا
ہزار طرح سے چاہا برابری نہ ہوئی

ہم اپنی رندی وطاعت پہ خاک ناز کریں
قبول حضرت سلطاں ہوئی نہ ہوئی

کوئی بڑھے نہ بڑھے ہم تو جان دیتے ہیں
پھر ایسی چشم توجہ ہوئی نہ ہوئی

تمام حرف وحکایت تمام دیدہ و دل
اس اہتمام پہ بھی شرح عاشقی نہ ہوئی

فسردہ خاطری عشق، اے معاذ اللہ
خیال یار سے کچھ شگفتگی نہ ہوئی

تری نگاہ کرم کو بھی آزما دیکھا
اذیتوں میں نہ ہوتی تھی کچھ کمی نہ ہوئی

کسی کی مست نگاہی نے ہاتھ تھام لیا
شریک حال یہاں میری بیخودی نہ ہوئی

صبا یہاں سے ہمارا پیام کہہ دینا
گئے ہو جب سے صبح و شام ہوئی نہ ہوئی

وہ کچھ سہی نہ سہی پھر بھی زاہد ناداں
بڑے بڑوں سے محبت میں کافری نہ ہوئی

ادھر سے جو ہے سوا کچھ ادھر کی مجبوری
کہ ہم نے آہ تو کی ان سے آہ بھی نہ ہوئی

خیال یار سلامت تجھے خدا رکھے
ترے بغیر کبھی گھر میں روشنی نہ ہوئی

گئے تھے ہم بھی جگر، جلوہ گاہِ جاناں میں
وہ پوچھتے ہی رہے ہم سے بات بھی نہ ہوئی

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے
اور چاہیں کہ چھپا لیں تو چھپائے نہ بنے

ہائے بیچارگی، عشق کو اس محفل میں — سر جھکائے نہ بنے آنکھ اٹھائے نہ بنے
یہ سمجھ لو کہ غم عشق کی تکمیل ہوئی — ہوش میں آ کے بھی جب ہوش میں آئے نہ بنے
کس قدر حسن بھی مجبور کشاکش ہے کہ آہ — منہ چھپائے نہ بنے سامنے آئے نہ بنے

ہائے وہ عالم پرشوق کہ جس وقت جگر
اس کی تصویر بھی سینے سے لگائے نہ بنے

یاد جاناں بھی عجب روح فزا آتی ہے — سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے
میری جانب نگہ ہوش ربا آتی ہے — پھر وہی ظالم و مظلوم نما آتی ہے
جا بھی اے ناصح ناداں نہ کر اس کو بدنام — ان جفاؤں سے تو خوشبوئے وفا آتی ہے
مرگ ناکام محبت، مری تقصیر معاف — زیست بن بن کے مرے حق میں قضا آتی ہے
نہیں معلوم وہ خود ہیں کہ محبت ان کی — پاس ہی ہے کوئی بیتاب صدا آتی ہے
میں تو اس سادگی حسن پہ اسکے صدقے — نہ جفا آتی ہے جس کو، نہ وفا آتی ہے

ہائے کیا چیز ہے یہ تکملۂ حسن و شباب
اپنی صورت سے بھی اب ان کو حیا آتی ہے

کون یہ جانِ تمنا عشق کی منزل میں ہے — جو تمنا دل سے نکلی، پھر جو دیکھا دل میں ہے
وہ کچھ اس صورت سے آئے جلوہ دکھلاتے ہوئے — میں یہ سمجھا وسعت کونین میرے دل میں ہے
شاید اٹھنے ہی کو ہے پردہ رخ مقصود سے — آج حاصل کی سی عزت سعی لاحاصل میں ہے
اے میں قرباں واہ کیا کہنا ترا اعجاز عشق — ایک سکون مستقل بھی اضطراب دل میں ہے
اس شہید ناز کے کیا خونبہا کا پوچھنا — جس کی رو داد دل دامن قاتل میں ہے
اٹھ گیا، آخر محبت کا بھی پردہ اٹھ گیا — اب نہ میرے دل میں حسرت ہے نہ انکے دل میں ہے

کیا کہیں خونِ دو عالم سے بھی اب بجھتی ہے پیاس
خونِ بسمل کی حرارت خنجرِ قاتل میں ہے

میں ہوا جب غریقِ موجِ طوفان خیزِ عشق
ڈوب مرنے کی تمنا سینۂ ساحل میں ہے

دیکھئے کرتی ہے کیا کیا ان کی نظروں میں حقیر
یہ جو ظالم، ایک لہو کی بوند اب تک دل میں ہے

بیخودی، منزل سے بھی کوسوں نکل آئی جگر
جستجو آوارہ اب تک جادۂ منزل میں ہے

آئے زباں پہ رازِ محبت محال ہے
تم سے مجھے عزیز، تمہارا خیال ہے

دل تھا تمہارے خیال سے پہلے چمن چمن
اب بھی روش روش ہے مگر پائمال ہے

کمبخت اس جنونِ محبت کو کیا کروں
میرا خیال ہے نہ تمہارا خیال ہے

آنکھیں تو کھول، سر تو اٹھا، دیکھ تو ذرا
کب سے جگر! وہ چاند سا چہرہ نڈھال ہے

محبت آپ اپنی ترجمان ہے
یہی خود چشم و دل لفظ و بیاں ہے

نگاہوں میں بہار جاوداں ہے
جہاں میں ہوں، وہیں اب آشیاں ہے

محبت دونوں جانب مہرباں ہے
کہ ہم اس سے، وہ ہم سے بدگماں ہے

وہ کب سے مضطرب ہیں اے غمِ عشق
خدا جانے، تیری غیرت کہاں ہے

ہماری رفعتوں کا پوچھنا کیا
جہاں ہم پاؤں رکھ دیں وہیں آسماں ہے

کوئی آواز ہی دے گم شدہ دل
کہاں ہے، اور مرے یوسف کہاں ہے

اگر تو ہے تو اے جانِ دو عالم
یہاں ہر شئے جواں ہے جاوداں ہے

مرے سوزِ دروں کے بل رہے ہیں
بحمداللہ کہ دل آتش بجاں ہے

تماشا دیدنی ہے، دیکھ جاؤ
زبانِ شوق و گلبانگ فغاں ہے

مبارک باد! اے جذبِ محبت
انہیں اپنے پہ اب، میرا گماں ہے

کسی کو ایک نظر ہی دیکھ تو لیں
اب اتنی بھی ہمیں جرأت کہاں ہے

ترے نقشِ قدم کا ذرہ ذرہ
عبادت گاہِ جانِ عاشقاں ہے

الٰہی خیر کرنا! دیر سے پھر
بہت مضطر، نگاہِ رازداں ہے

کھنکا جاتا ہے دل جس سوزِ غم سے
جہنم میں یہ چنگاری کہاں ہے

جو پڑھ سکتا ہے، تو پڑھ اے غمِ دل
کہ ان نظروں میں آج اک داستاں ہے

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے
جب تک ہمارے پاس رہے ہم نہیں رہے

ایمان و کفر اور نہ دنیا و دیں رہے
اے عشق! شاد باش کہ تنہا ہمیں رہے

عالم جب ایک حال پہ قائم نہیں ہے
کیا خاک اعتبارِ نگاہِ یقیں رہے

میری زباں پہ شکوۂ درد آفریں رہے
شاید مرے حواس ٹھکانے نہیں رہے

یارب! کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو
دستِ جنوں رہے نہ رہے آستیں رہے

جب تک الٰہی! جسم میں جانِ حزیں رہے
نظریں مری جواں رہیں دل حسیں رہے

تا چند جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں
میری بلا سے اب وہ جنونی کہیں رہے

جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر
اے عشق! ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے

مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں
قسمت میں کوئے یار کی دو گز زمیں رہے

اے عشقِ نالہ کش! تری غیرت کو کیا ہوا
ہے ہے، عرق عرق وہ تنِ نازنیں رہے

وا دردِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے
حیراں ہوں کہ پھر بھی تم اتنے حسیں رہے

اللہ ری چشمِ یار کی معجز بیانیاں
ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

ے

ظالم اٹھا تو پردۂ وہم و گماں و فکر
کیا سامنے وہ مرحلہ ہائے یقیں رہے

ذات و صفات حسن کا عالم نظر میں ہے
محدود و سجدہ، کیا مرا ذوقِ جبیں رہے

کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں
اچھا یہ ہے وہ ننگِ محبت یہیں رہے

سر دادگانِ عشق و محبت کی کیا کمی
قاتل کی تیغ تیز خدائی میں رہے

اس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا
رونے کی حسرتیں ہیں جب آنسو نہیں رہے

دیکھ لے تو بھی کہ اب خیر نہیں جانوں کی
آج ہولی ہے ترے سوختہ سامانوں کی

چاہتے ہیں نہ رہے حد تعیین کوئی
ہائے معصوم ضدیں عشق کے دیوانوں کی

بزم ساقی میں ذرا دیکھ تو چل کر زاہد
کیا بہاریں ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

تیری نظروں کے تصدق تری آنکھوں کے نثار
انہیں پیمانوں سے ساقی انہیں میخانوں کی

ابھی تکمیل کو پہنچی نہیں تعمیر جنوں
ابھی چلتی رہے دیوانوں سے دیوانوں کی

سب جسے کہتے ہیں ارمانوں کا پورا ہونا
میرے نزدیک یہی موت ہے ارمانوں کی

ہر طرف چھا گئے ارمانِ محبت بن کر
مجھ سے اچھی رہی قسمت مرے افسانوں کی

عشق کا ہاتھ سے پیماں نہ جانے پائے
جان جائے مگر ایماں نہ جانے پائے

یہ نہیں دل کسی عنوان نہ جانے پائے
مگر اتنا ہے کہ آسان نہ جانے پائے

عشق کا راز جنوں عشق کی حد ہی میں رہے
دل گیا ہے تو گریباں نہ جانے پائے

بات تو جب ہے کہ تو لاکھ ادھر رخ نہ کرے
دل سے بچ کر کوئی پیکاں نہ جانے پائے

صاف رکھ جان و دل و جسم کو آئینہ صفت
کہ وہ آئے تو پشیماں نہ جانے پائے

دل کو اب ہے یہ ضد حسن کے ہر جلوے سے
گھر میں جو آئے وہ مہماں نہ جانے پائے

ہوش میں آ دلِ دیوانہ کہ تیری ہی طرح
کوئی حیران پریشان نہ جانے پائے

داستانِ غمِ ہستی کو مکمل کر لے
ایک بھی عشق کا عنوان نہ جانے پائے

تیری محفل میں ہے ایک ننگِ محبت تیرا
دیکھنا ہو کے پشیمان نہ جانے پائے

اشک میں حاصلِ غم، غم ہی ودیعت اسکی
باہر آنکھوں سے یہ طوفان نہ جانے پائے

حسن گرمِ نوازش ہے، مگر اے غمِ دل
رائگاں عشق کا احسان نہ جانے پائے

جان جائے کہ رہے دیکھ مری جانِ جگر
عشق کی شان، تری آن نہ جانے پائے

اس لفظِ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

یہ کس کا تصور ہے! یہ کس کا فسانہ ہے
جو اشک ہے آنکھوں میں تسبیح کا دانہ ہے

دل سنگِ ملامت کا ہر چند نشانہ ہے
دل پھر بھی مرا دل ہے دل ہی تو زمانہ ہے

ہم عشق کے ماروں کا اتنا ہی فسانہ ہے
رونے کو نہیں کوئی ہنسنے کو زمانہ ہے

وہ اور وفا دشمن مانیں گے نہ مانا ہے
سب دل کی شرارت ہے آنکھوں کا بہانہ ہے

شاعر ہوں میں شاعر ہوں میرا ہی زمانہ ہے
فطرت مرا آئینہ، قدرت مرا شانہ ہے

جو اُن پہ گزرتی ہے، کس نے اسے جانا ہے
اپنی ہی مصیبت ہے اپنا ہی فسانہ ہے

کیا حسن نے سمجھا ہے؟ کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

آغازِ محبت ہے، آنا ہے نہ جانا ہے
اشکوں کی حکومت ہے آہوں کا زمانہ ہے

آنکھوں میں نمی سی ہے چپ چپ سے وہ بیٹھے ہیں
نازک سی نگاہوں میں نازک سا فسانہ ہے

ہم دردبدل نالاں، وہ دست بدل حیراں
اے عشق! تو کیا ظالم! تیرا ہی زمانہ ہے

یا وہ تھے خفا ہم سے یا ہم ہیں خفا ان سے
کل ان کا زمانہ تھا، آج اپنا زمانہ ہے

اے عشق جنوں پیشہ ، ہاں عشق جنوں پیشہ ۔۔۔ آج ایک ستمگر کو ہنس ہنس کے رلانا ہے

تھوڑی سی اجازت بھی اے بزم گہہ ہستی ۔۔۔ آ نکلے ہیں دم بھر کو رونا ہے رلانا ہے

یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجے ۔۔۔ اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے مرنا ہے

خود حسن و شباب ان کا کیا کم ہے رقیب اپنا ۔۔۔ جب دیکھیے اب وہ ہیں، آئینہ ہے شانہ ہے

ہم عشق مجسم ہیں لب تشنہ و مستسقی ۔۔۔ دریا کو طلب کیسی؟ دریا کو رلانا ہے

تصویر کے دو رخ ہیں جاں اور غم جاناں ۔۔۔ اک نقش چھپانا ہے اک نقش دکھانا ہے

یہ حسن و جمال ان کا یہ عشق و شباب اپنا ۔۔۔ جینے کی تمنا ہے ، مرنے کا زمانا ہے

مجھ کو اسی دھن میں ہے ، ہر لحظہ بسر کرنا ۔۔۔ اب آئے ، وہ اب آئے ، لازم انہیں آنا ہے

خودداری و محرومی ، محرومی و خودداری ۔۔۔ اب دل کو خدا رکھے اب دل کا زمانا ہے

اشکوں کے تبسم میں ، آہوں کے ترنم میں ۔۔۔ معصوم محبت کا معصوم فسانہ ہے

آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگر لیکن

بندھ جائے سو موتی ہے رہ جائے سو دانا ہے

عشق ہے منت کش الطاف کیوں پریشاں کیجیے ۔۔۔ یعنی ہم پر رحم کر کے خود پہ احساں کیجیے

کب تک آخر مشکلات شوق آساں کیجیے ۔۔۔ اب محبت کو محبت ہی پہ قرباں کیجیے

چاہتا ہے عشق ، راز حسن عریاں کیجیے ۔۔۔ یعنی خود کھو جائیے ان کو نمایاں کیجیے

آپ کے دشمن رہیں وقف خلش صرف تپش ۔۔۔ آپ کیوں غمخواری بیمار ہجراں کیجیے

حسن کی رسوائیاں بھی کچھ کم نہیں ۔۔۔ ہو سکے تو مثل بوئے گل پریشاں کیجیے

---

۱ اگرچہ اس شعر کا انداز لکھنوی سا ہے ، لیکن مفہوم شعری واقفیت کے ساتھ ساتھ نہایت نازک ۔ (جگر)

پھر جنوں سامانیوں میں کچھ کمی سی آچلی — آج پھر برہم مزاجِ حسنِ جاناں کیجئے

آپ تو نشتر ملیئے کیا آپ کا دامن ہے پاک — ہم گنہگارِ محبت ہیں پشیماں کیجئے

دل پہ جو گذرے سو گذرے عشق کی ضد ہے یہی — آج اتنا چھیڑیئے ان کو کہ گریاں کیجئے

سر سے پا تک اک نگاہِ بے محابا ڈال کر — عمر بھر کے واسطے ممنونِ احساں کیجئے

اللہ اللہ سنتے ہیں، تم ہو رگِ جاں کے قریب — اب تو ہر نشتر کو پیوستِ رگِ جاں کیجئے

شانِ رحمت کو نہیں درکار کوئی پیش کش

احتیاطاً اکتسابِ کفر و ایماں کیجئے

خاطرِ عشق الم کوش ہوئی جاتی ہے — زندگی خواب فراموش ہوئی جاتی ہے

حیرتِ جلوہ، ہم آغوش ہوئی جاتی ہے — آنکھ نظارہ فراموش ہوئی جاتی ہے

شوق چالاک کہاں جرأتِ بیباک کہاں — یاس آغوش در آغوش ہوئی جاتی ہے

وہ خلش جس سے تھا ہنگامۂ ہستی برپا — وقفِ بیتابیِ خاموش ہوئی جاتی ہے

وہی مستی کہ سمائی ہی نہ تھی عالم میں — غرق اک ساغرِ سرجوش ہوئی جاتی ہے

وہی اک شورشِ دل تنگ تھی جس پہ کونین — وہی اب معتکفِ ہوش ہوئی جاتی ہے

ایک منظر ہے کہ آنکھوں میں کھنچا آتا ہے — ایک دنیا ہے کہ روپوش ہوئی جاتی ہے

ایک جانب نگہِ خاص سے ہے اذنِ جنوں — ایک طرف مرحمتِ ہوش ہوئی جاتی ہے

نگہِ شوق کہاں ہے؟ یہ تماشا کیا ہے — جیسے ہر شے لبِ خاموش ہوئی جاتی ہے

ہائے وہ سرخوشیِ عشق کہ تھی جزوِ حیات — کس قدر زود فراموش ہوئی جاتی ہے

بات ہی موت کی تھی خادمۂ زیست کبھی — یاد یہ ہے کہ ہم آغوش ہوئی جاتی ہے

اف وہ پروانے کہ سمٹے ہی جاتے ہیں — ہائے وہ شمع کہ خاموش ہوئی جاتی ہے

عشق کی قسمت محروم، الٰہی توبہ | یادِ جاناں بھی فراموش ہوئی جاتی ہے
بال کھولے ہوئے یہ کون چلا آتا ہے | بزمِ دل محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے
مجھ گنہگار کو شکوہ ہے تری رحمت کا | کیوں خطا بخشش و خطا پوش ہوئی جاتی ہے

یادِ ایام، کہ جب پوچھنے کہتے تھے عسکر
دعوتِ چشم و لب و گوش ہوئی جاتی ہے

دل میں تم ہو نزع کا ہنگام ہے | کچھ سحر کا وقت ہے کچھ شام ہے
عشق ہی خود عشق کا انعام ہے | واہ کیا آغاز، کیا انجام ہے
حسن ہے نغمہ ہے، مے ہے جام ہے | اب کہاں اے گردشِ ایام ہے
کیا اسی کو کہتے ہیں آئینِ حسن | جو تمہارا ہو گیا ناکام ہے
پینے والے ایک ہی دو ہوں تو ہوں | مفت سارا میکدہ بدنام ہے
درد و غم دل کی طبیعت بن چکے | اب یہاں آرام ہی آرام ہے
عشق کے ہاتھوں تری سرکار سے | مل گیا جو کچھ وہی انعام ہے
پی رہا ہوں آنکھوں آنکھوں میں شراب | اب نہ شیشہ ہے، نہ کوئی جام ہے
دیکھ لینا عشق کی بھی نخوتیں | حسن کی یہ ہم مزاجِ عام ہے
وہ سراپا ناز ان سے کیا گلا | تجھ سے شکوہ گردشِ ایام ہے
ہوشیار، او شکوہ سنجِ زندگی | زندگی، انعام ہی انعام ہے
حسن سے ہیں عشق کی رسوائیاں | بادہ جب تک ہے فروغِ جام ہے
کیجئے کیا دورِ شرحِ زندگی | کچھ سحر، کچھ دوپہر، کچھ شام ہے
ایک بوسہ اس لبِ جاں بخش کا | عمر بھر کے واسطے انعام ہے

ہوشیار، او کامیاب زندگی ۔ زندگی، ناکامیوں کا نام ہے

کیا جگر سے آپ بھی واقف نہیں

ایک ہی تو رندِ مے آشام ہے

آئینے میں عشق کی تاثیر پنہاں دیکھئے ۔ میری صورت اپنی صورت سے نمایاں دیکھئے

بے تکلف ہر طرف تصویرِ جاناں دیکھئے ۔ میری آنکھوں سے جمالِ شامِ ہجراں دیکھئے

دل کی ہستی بیش از یک شیشۂ ساعت نہیں

اس میں جو کچھ دیکھئے تقویمِ دوراں دیکھئے

پھر وہ ہم سے خفا ہے کیا کہئے ۔ زندگی بے حیا ہے، کیا کہئے

دل بھلا یا برا ہے کیا کہئے ۔ آپ کا نقش پا ہے، کیا کہئے

چاندنی ہے، ہوا ہے، کیا کہئے ۔ مفلسی کیا بلا ہے، کیا کہئے

بندگی جس کی ہے فقط، رونا ۔ وہ ہمارا خدا ہے، کیا کہئے

انتہا کے ہیں عشق کے صدمے ۔ اور بھی ابتدا ہے، کیا کہئے

شوق بے انتہا کے پردے میں ۔ کون ہنگامہ زا ہے، کیا کہئے

حسن جتنا ہے جنگ جو ظالم ۔ عشق اس سے سوا ہے، کیا کہئے

دل میں پنہاں ہے اک لطیف خلش ۔ صورت التجا ہے، کیا کہئے

پھر وہی، سرخشر ہیں وہی جلوے ۔ پھر وہی سامنا ہے، کیا کہئے

ابھی پابند ہے، ابھی آزاد ۔ عشق کا دل بھی کیا ہے، کیا کہئے

پردہ رکھ لیتے ہم زمانے سے ۔ آنکھ پھچانتا ہے، کیا کہئے

پوچھتے ہیں مزاج دل ہم سے ۔ ایک ہی خود نما ہے، کیا کہئے

شورشِ بیخودی، شوق نہ پوچھو — کس طرف کی ہوا ہے، کیا کہیئے
عشق تو عشق حسن سے بیزار — دل کو کیا ہو گیا ہے، کیا کہیئے
شوق سر تا قدم نگاہ و زباں — وہ مجسم ہوا ہے، کیا کہیئے

آج حالِ دلِ تباہ جگر
ہم نے کیوں کر سنا ہے کیا کہیئے

کچھ جو پشیماں جفا ہو گئے — اور وہ گھبرا کے خفا ہو گئے
نالۂ دل خاک رساں ہو گئے — ق — آئے وہ آتے ہی جدا ہو گئے
کچھ نہ سنا اور یوں ہی چلدیئے — کچھ نہ کہا اور خفا ہو گئے
اور بھی اس عشق میں کچھ سانحات — دل کی ہلاکت کے سوا ہو گئے
ان کا ادھر گوشۂ دامن بڑھا — تنگ ادھر بند قبا ہو گئے
وہ بھی جو تھے منکرِ آئینِ عشق — سنتے ہیں پابندِ وفا ہو گئے
ہم سے نظر پھیر لی اس شوخ نے — ہم بھی ہیں اف اں خفا ہو گئے
ہم کو گرفتارِ بلا دیکھکر — وہ بھی گرفتارِ بلا ہو گئے
کچھ مرے چہرے سے کھلے رازِ عشق — کچھ تری نظروں سے ادا ہو گئے
ڈھونڈ کے لائیے کیونکر انہیں — ہائے وہ نالے، کہ رسا ہو گئے

چپ ہیں وہ یوں سن کے مری عرضِ شوق
جیسے کہ سچ مچ ہی خفا ہو گئے

سب یہ تو مہرباں ہے پیارے — کچھ ہمارا بھی دھیان ہے پیارے
آکہ تجھ بن بہت دنوں سے یہ دل — ایک سونا مکان ہے پیارے

تو جہاں ناز سے قدم رکھ دے — وہ زمین آسمان ہیں پیارے
مختصر ہے یہ شوق کی روداد — ہر نفس داستاں ہیں پیارے
اپنے جی میں ذرا تو کر انصاف — کب سے نامہربان ہے پیارے
صبر ٹوٹے ہوئے دلوں کا نہ لے — تو یونہی دھان پان ہے پیارے
ہم سے جو ہو سکا سو کر گزرے — اب ترا امتحان ہے پیارے
مجھ میں تجھ میں تو کوئی فرق نہیں — عشق کیوں درمیاں ہے پیارے

کیا کہے حال دل غریب جگر
ٹوٹی پھوٹی زباں ہے پیارے

جب سے تو مہرباں ہے پیارے — اور دل بدگماں ہے پیارے
ان کی باتوں تو نہ آ جانا — عشق جادو بیان ہے پیارے
تو کہاں؟ یہ غریب خانہ کہاں — وہم ہے، گماں ہے پیارے
صدقے تیری نوازشوں کے مگر — سخت ترا امتحاں ہے پیارے
ان دنوں دل کے رنگ ڈھنگ نہ پوچھ — کچھ عجب آن بان ہے پیارے
سچ بتا اس میں کوئی بات بھی ہے — یا یوں ہی مہرباں ہے پیارے
وہ بھی ہلکی سی اک نگاہ کرم — دل بہت ناداں ہے پیارے

تیرا دیوانہ غریب جگر
فخر ہندوستان ہے پیارے

لہ (اعلان نون کو میں جائز سمجھتا ہوں ۔ جگر)

عشق کی داستان ہے پیارے
اپنی اپنی زبان ہے پیارے

کل تک اے درد! یہ تپاک نہ تھا
آج کیوں مہربان ہے پیارے

سایۂ عشق سے خدا ہی بچائے
ایک ہی قہر بان ہے پیارے

اس کو کیا کیجئے جو لب نہ کھلیں
یوں تو منہ میں زبان ہے پیارے

یہ تغافل بھی ہے نگہ آمیز
اس میں بھی ایک شان ہے پیارے

جس نے اے دل دیا ہے اپنا غم
اس سے بدگمان ہے پیارے

دل کا عالم، نگاہ کیا جانے
یہ تو صرف اک زبان ہے پیارے

میرے اشکوں میں اہتمام نہ دیکھ
عاشقی کی زبان ہے پیارے

ہم زمانے سے انتقام تو لیں
ایک حسیں درمیان ہے پیارے

عشق کی ایک ایک نادانی
علم و حکمت کی جان ہے پیارے

تو نہیں، میں ہوں، میں نہیں تو ہے
اب کچھ ایسا گمان ہے پیارے

کہنے سننے میں جو نہیں آتی
وہ بھی ایک داستان ہے پیارے

رکھ قدم پھونک پھونک کر ناداں
ذرے ذرے میں جان ہے پیارے

کس کو دیکھے سے دل کو چوٹ لگی
کیوں یہ اتنی کمان ہے پیارے

تری برہم خرامیوں کی قسم
دل بہت سخت جان ہے پیارے

ہاں ترے عہد میں جگر کے سوا
ہر کوئی شادمان ہے پیارے

درد بڑھ کر فغاں نہ ہو جائے
یہ زمیں آسماں نہ ہو جائے

پھر کوئی مہرباں نہ ہو جائے
سعیٔ غم رائیگاں نہ ہو جائے

درد ہے عرصۂ عدم آباد
کم کوئی ناتواں نہ ہو جائے

دل کو لے لیجئے جو لینا ہے
پھر یہ سودا گراں نہ ہو جائے

آسماں کو نہ دیکھئے تن کر
پھر یہ بوڑھا جواں نہ ہو جائے

ڈر ہے مجھ کو کہ میری عرضِ سکوت
آپ ہی کی زباں نہ ہو جائے

درد دل کیا ہی مہماں ہے اگر
اشک بن کر رواں نہ ہو جائے

موت سے ڈر نہیں مگر ہے یہ وہم
عشق بے خانماں نہ ہو جائے

دل میں ڈوبا ہوا ہے جو نشتر
میرے دل کی زباں نہ ہو جائے

قسمتوں سے ملا ہے درد حبیب
کہیں آرام جاں نہ ہو جائے

عشق اپنی خوشی سے کون کرے
عشق اگر ناگہاں نہ ہو جائے

آہ کیجئے، مگر لطیف ترین
لب تک آکر دھواں نہ ہو جائے

عشق کر ہی چکا تھا اپنا کام
دل اگر درمیاں نہ ہو جائے

عشق میں جتنے بدگماں ہیں ہم
یوں کوئی بدگماں نہ ہو جائے

آہ اک تیر ہی سہی، لیکن
آشنائے کماں نہ ہو جائے

خاک سیرابی بہار، اگر
آنکھ شبنم فشاں نہ ہو جائے

حسن کا آئینہ تو دل ہے مگر
یہی خود درمیاں نہ ہو جائے

تا کجا انتظار غلط جگر
اور اک دن یہاں نہ ہو جائے

ادا جو آئے وہ عیب بے قصور آئے
خدا وہ دن نہ کرے آپ کو غرور آئے

نکل کے عشق جو حد ادب سے دور آئے
ادھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے

ذرا تو آنکھ کھلے عقل میں شعور آئے
ہم اپنے آپ میں آلیں تو وہ ضرور آئے

جسے ذرا بھی عشق پہ غرور آئے
ترے حضور نہ جائے مرے حضور آئے

چلوں میں راہ محبت میں بے نیازانہ
مری بلا سے اگر وہ بھی ناصبور آئے

خود اپنی منزل دل محو ہوتی جاتی ہے
نظر میں جب سے مقامات دور دور آئے

پئیں وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن
ہمیں سرور نہ آئے انہیں سرور آئے

ہزار سجدے کرے، رات رات بھر زاہد
جو دل ہی صاف نہ ہو کیا جبیں میں نور آئے

زمانے تک تری گلیوں کی خاک چھانی ہے
مری نگاہ میں کیا جلوہ گاہ طور آئے

کسی کی مست خرامی وہ کیا کہنا
کہ جیسے حافظ شیراز چور چور آئے

الٰہی! جذب محبت کی بخشدے تقصیر
وہ آج دست بدل سخت ناصبور آئے

مری طرف سے بھی اے کاروان شوق سلام
کہیں جو راہ طلب میں مقام طور آئے

انہیں ہے عشق سے چشمک مگر یہ کون کہے
وہ خود حسین ہیں اس کو نہ کیوں غرور آئے

عجب چیز ہے میخانہ، تصور بھی
یہاں سے ہوش میں پہنچے وہاں سے چور آئے

نظر ہی اپنی نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا
سزا ملی ہے کہ ہم کیوں ترے حضور آئے

اجل جو آتی ہے آئے مگر اسی صورت
کہ جیسے زلف پریشاں در شکن چور آئے

مجاز ہو کہ حقیقت یہاں تو حال یہ ہے
ترے حضور سے اٹھنے ترے حضور آئے

وہیں سے ہم کو ملا ہے سکون دل کیا کیا
جہاں سے لوگ بہت ہو کے ناصبور آئے

ہزار بار لکھے نوبہار، نامہ شوق
ترے بلائے جگر آئے وہ ضرور آئے

پسینہ موت کا بن کر نہ کیوں لہو آئے
اسے غضب کوئی یوں نہیں پابرہنہ تو آئے

کرے نہ کام جو بلبل کا نالۂ خونیں
نہ غنچے نیند سے چونکیں، نہ رنگ و بو آئے

دیا ہے عشق نے وہ مرتبہ بحمد اللہ
کہ آنکھ تک نہ اٹھاؤں اگرچہ تو آئے

کیا گھڑی ہے، کیا سماں ہے، کس غضب کا جوش ہے
عشق کی بیتابیاں حسن کا آغوش ہے

وجد میں ہے مطرب غم، کل فضا خاموش ہے
تیرے چھڑتے ہیں نغمے بزم جاں ہوش ہے

کیسے کیسے مست صہبائے محبت کٹ مرے
او نشیلی آنکھ والے، کچھ تجھے بھی ہوش ہے

ایک دل ہے سینۂ عاشق میں لیکن الاماں
ایک قطرہ ہے مگر ایسا کہ دریا نوش ہے

دیدۂ یار بھی پرنم ہے خدا خیر کرے
آج کچھ اور ہی عالم ہے خدا خیر کرے

حشر میں حشر کا عالم ہے خدا خیر کرے
کشمکش خلد و جہنم ہے خدا خیر کرے

اس طرف غیرت خورشید رخاں اور ادھر
زعم خودداری شبنم ہے خدا خیر کرے

دل ہے پہلو میں کہ مچلا ہی چلا جاتا ہے
اور خود سے بھی برہم ہے خدا خیر کرے

حسن ہر گام پہ ہے سایہ فگن دام فگن
عشق آزاد دو عالم ہے خدا خیر کرے

عاشقی امتیاز کیا جانے
غرق ناز و نیاز کیا جانے

نگہ شوق کی ہے سب تحریک
حسن تمہید ناز کیا جانے

ہم سمجھتے ہیں راز دانش و رنگ
زاہد پاکباز کیا جانے

ناخنِ عشق کتنے ٹوٹ گئے — گرہِ نیم باز کیا جانے
شیخ ہے سب نیک و بد ہمیں یا سے ہے — گردشِ چشمِ باز کیا جانے
مسلکِ آتشی دیدہ و دل — شوقِ ہنگامہ ساز کیا جانے
شیخ پندارِ عشق سمجھا ہے — نازِ اہلِ نیاز کیا جانے
غیرتِ بندگی و ناچاری — کوئی بندہ نواز کیا جانے
آئینہ کی نزاکتیں ہے ہے — دستِ آئینہ ساز کیا جانے
آنکھ جو دیکھتی ہے، دیکھتی ہے — دل کے راز و نیاز کیا جانے
سینۂ نے پہ جو گزرتی ہے — وہ لبِ نے نواز کیا جانے
کثرتِ جلوہ، ہجومِ نظر — عشقِ وحدت طراز کیا جانے
حسن کی دل گدازیاں توبہ — عشق یہ سوز و ساز کیا جانے
وہ حقیقت کہ جو گزرتی ہے — لبِ افسانہ ساز کیا جانے
ہائے گُل کاریاں محبت کی — دامنِ پاکباز کیا جانے

رہروِ راہِ بے خودی ہے جگرؔ
وہ نشیب و فراز کیا جانے

دل گیا رونقِ حیات گئی — غم گیا ساری کائنات گئی
دل دھڑکتے ہی پھر گئی وہ نظر — لب تک آئی نہ تھی کہ بات گئی
دل کا ذکرِ نہیں مگر بخشو بیں — ایک رات آئی ایک رات گئی
تیری باتوں سے آج تو واعظ — وہ جو تھی خواہشِ نجات گئی
ان کے بہلائے بھی نہ بہلا دل — رائیگاں سعیِٔ التفات گئی

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن
ایک مسیحا نفس کی بات گئی

اب جنوں آپ ہے گریباں گیر
اب وہ رسم تکلفات گئی

ہم نے بھی وضع غم بدل ڈالی
جب سے وہ طرز التفات گئی

ترک الفت بہت بجا ناصح
لیکن اس تک اگر یہ بات گئی

ہاں مزے لوٹ لے جوانی کے
پھر نہ آئے گی یہ جو رات گئی

ہاں سرشاریاں جوانی کی
آنکھ جھپکی ہی تھی کہ رات گئی

جلوہ ذات، اے معاذ اللہ
تاب آئینہ صفات گئی

نہیں ملتا مزاج دل ہم سے
غالباً دور تک یہ بات گئی

قید ہستی سے کب نجات جگر
موت آئی اگر حیات گئی

عشق ہی تنہا نہیں شوریدہ سر میرے لئے
حسن بھی بیتاب ہے اور کسقدر میرے لئے

ہاں مبارک، اب معراجِ نظر میرے لئے
جسقدر وہ دور تر، نزدیک تر میرے لئے

کھیل ہے بازیچۂ شام و سحر میرے لئے
دو گھڑی بازی ہیں یہ شمس و قمر میرے لئے

وقف ہے صیاد کی اک اک نظر میرے لئے
ہاں مبارک یہ شکست بال و پر میرے لئے

گرم ہے ہنگامۂ شام و سحر میرے لئے
رات دن گردش میں ہیں شمس و قمر میرے لئے

میں ہوں وحشی، آہ کس صحرائے آفت خیز کا
ہے گل و ویرانہ بھی بیگانہ تر میرے لئے

اس مقام عشق تک میں ہوں، مرحبا اے بیخودی
ذرہ ذرہ ہے جہاں گرم سفر میرے لئے

جذب ہو کر رہ گیا ہوں جمال دوست میں
عشق ہے تابندہ تر پایندہ تر میرے لئے

میں نہیں کہتا کہ میں ہوں تو ہو تیری خلوتیں
ہاں مگر سب سے جدا خاص اک نظر میرے لئے

اللہ اللہ میں بھی کیا نازک دماغ وحشی ہوں
نکہت گل بھی ہے وجہ درد سر میرے لئے

پھر بھی آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں اک سراپا ناز کو
میں نے مانا کچھ نہیں حدِ نظر میرے لئے

رہروِ راہ طلب کو خضر کی حاجت نہیں
ذرہ ذرہ ہے چراغ رہ گذر میرے لئے

اپنے دل میں جز ترے میں بھی سما سکتا نہیں
میرا ہر ہر سانس! ہے زنجیر در میرے لئے

مجھ کو جنت ہی جو دینا ہے تو یا رب بخشدے
بس یہی دامانِ تر چشمانِ تر[۱] میرے لئے

ترک مے سے اور بھی میں تو شرابی بن گیا
روز آجاتا ہے مینائے[۲] سحر میرے لئے

جس نے زاہد سے بھی کافر کے اڑا دئے ہیں ہوش
اس سے بھی کچھ اور ساقی تیز تر میرے لئے

وہ مرا ساغر بکف ہونا پشیمانی کے ساتھ
ابر رحمت کا وہ اٹھنا جھوم کر میرے لئے

ق
کل شب مہتاب میں اک بلبل آفت نوا
مرکز غم بن رہا تھا میرے لئے

ناگہاں لب ہائے گل سے یہ ندا آئی
نالے کرنا ہے عبث اے بےخبر میرے لئے

میں بھی ہوں اپنی جگہ خونیں جگر خونیں کفن
تو نہ اپنی جان کھو اے مشت پر میرے لئے

بس یہ سننا تھا کہ پائے گل پہ گر کر مر مٹا
بن گیا اک نقش عبرت عمر بھر میرے لئے

زندگی ایک تہمت بیجا ہے میری ذات پر
موت اک الزام ناجائز جگر میرے لئے

میں تو ہر حالت میں خوش ہوں لیکن اس کا کیا علاج
ڈبڈبا آئی ہیں وہ آنکھیں جگر میرے لئے

---

۱ کہ بہ چشمانِ دل مبیں جز دوست (سعدی) یہ لفظ متروک کر دیا گیا ہے لیکن میں بدلحاظ سمجھتا ہوں (۲) شرابی عموماً آخر شب تک پیتے پیتے بدمست ہو کر سو جاتا ہے، اور دن چڑھے بیدار ہوتا ہے، اس نے صبح صادق کے نشاط بخش منظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا، ترک مے کے بعد اس لطیف منظر سے متاثر ہوتے رہنا بھی کچھ کم نہیں (جگر)

نگاہِ شوق جگر وقف چار سو کیا ہے — جو دل حسیں ہو تو دنیائے رنگ و بو کیا ہے
خبر نہیں مجھے میں کیا ہوں، آرزو کیا ہے — کسی نے حب سے سمجھا دیا کہ تو کیا ہے
جو دل میں ڈوب نہ جائے وہ گفتگو کیا ہے — جو چھپا نہ جائے، وہ پیغام آرزو کیا ہے
یہ چپکے چپکے دل و جاں سے گفتگو کیا ہے — یہ چھیڑ چھاڑ، یہ انداز آرزو کیا ہے

یہی خبر نہیں اے وائے عشق و محرومی
یہ آرزو کسے کہتے ہیں جستجو کیا ہے

پارہائے جگر

آج ایسا نگہ مست کا اک وار ہوا — دل کا کیا، سنبھلنا مجھے دشوار ہوا

وہی تو ہے عشق، وہی حسن ہے، وہی سب کچھ — مگر کسی سے کسی کا جواب نہ ہو سکا

اب کیا کریں اے جوشِ طلب تیری قسم اور — بڑھتا ہے اگر شوق تو رکتے ہیں قدم اور
طرفین غم عشق کے ہیں نازِ ستم اور — اب دیکھیے کیا ہو، کہ نہ تم اور نہ ہم اور

۱؎ رائے سالکن پر یقیناً اعتراض کیا جا سکتا ہے لیکن اس قسم کے اعتراضات محض قدامت پرستی کی بنا پر ہوں گے، صاحبانِ فکر و نظر اس دنیائے ہکنی سے آگے بڑھ چکی ہے (جگر)

عشق کی ، اللہ ری آتش کاریاں خون کی بوندیں ہیں یا چنگاریاں
قتل گہ میں آج ہولی ہے جگرؔ
چل رہی ہیں خون کی پچکاریاں

شکوہ تو کیا ہو نہ سکی آہ تک ہمت اربابِ وفا ، کچھ نہیں
لطف سے کچھ اس نے کہا زیرِ لب
میں نے پوچھا تو کہا کچھ نہیں

یونہی حیراں پریشاں روز صبح و شام کرتے ہیں جنونِ عشق کے مارے کہیں آرام کرتے ہیں
ہجوم آرزو ، شوق فراواں ، دردِ بیتابی
وہ سب پر چاہتے ہیں اس پر یوں اکرام کرتے ہیں

اک جگہ بیٹھ کے پی لوں مرا دستور نہیں میکدہ تنگ بنا دوں مجھے منظور نہیں
شیدِ آدابِ محبت مجھے منظور نہیں عشق دستور ہے خود عشق کا دستور نہیں
برقِ غیرت مری ہستی کو جلا دے تسلیم چھپ کے پردہ میں رہے حسن یہ منظور نہیں
کیا انا الحق کا زمانہ کہ اب اس دنیا میں
رسن و دار نہیں ، شبلی و منصور نہیں

کبھی بیرونِ جلوہ گاہِ حسن معتبر پنہاں بہار در برو منجی در نظر پنہاں
بہت اشارۂ پیہم مگر لطیف ترین ہزار ہا نگہ ملتفت مگر پنہاں
جگر کو درسِ حقیقت بہت نہ دے واعظ
وہ بے خبر تو بظاہر ہے با خبر پنہاں

دل ہے قدموں پہ کسی کے سر جھکا ہو یا نہ ہو بندگی تو اپنی فطرت ہے خدا ہو یا نہ ہو

یہ جنوں بھی کیا جنوں ہے؟ یہ حال بھی کیا حال ہے
ہم کہے جاتے ہیں، کوئی سن رہا ہو یا نہ ہو

عبث دھمکا رہے ہیں عشق تیں اہل وفا مجھ کو
جسم زندگی ہوں، چھو نہیں سکتی قضا مجھکو
جلوہ وہ کونسا ہے، جو صورت کشا نہ ہو
اے اعتبار شوق، جو تو ہو تو کیا نہ ہو
خود ہے جمالِ دید ہی، وجہ حجاب دید
دیکھوا سے، وہ مجھ کو اگر دیکھتا نہ ہو

کسی کی نگاہِ کافر، غماز بن گئی ہے
میری تمام ہستی آواز بن گئی ہے

دیکھ لو رنگ و روئے ناکامی
یہ نہ پوچھو، کہ بے کسی کیا ہے

گزر گیا ہوں، یوں بھی میں مناظر حیات سے
کہ جیسے خود غرض نہیں حیات سے ممات سے

جب سے وہ آنکھ شرمساری سے
دل کی تسکین بے قراری سے
دیکھئے یاس بھی رہے نہ رہے
یوں تو ظاہر میں وضعداری ہے

مرے گناہوں کا کیا ٹھکانا، خیال سے شرم آرہی ہے
رواں ہیں آنکھوں سے اشک پیہم حیات گنگا بہا رہی ہے

جب سے مری آنکھ میں تری جلوہ گری ہے — دنیا مرے نزدیک تبسم سے بھری ہے
یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسے حسن — جب دیکھئے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے

یہ چاہتا ہوں الٰہی کہ کچھ دنوں کیلئے — خود اپنے عشق میں وہ شوخ مبتلا ہو جائے
خدائی شان، کہ شورش حجاب راز بنے — سکوت آئینہ روئے مدعا ہو جائے
حسن خود عشق کی صورت میں مقابل آئے — کاش ایسا ہو کہ تجھ پر ترا دل آئے

جب اس طرف سے، کوئی اہل نظر گیا ہے — دل کی نزاکتوں پر عالم گذر گیا ہے

مجھے تو رشک آتا ہے غم جاں کی ہستی پر — بدل لے کاش اپنی زندگی سے زندگی میری
اسے صیاد نے کچھ گل نے کچھ بلبل نے کچھ سمجھا — چمن میں کتنی معنی خیز تھی اک خامشی میری

نگاہ کرم کی ضرورت نہیں ہے — کہ اب مجھ کو تاب محبت نہیں ہے
مجھے بھی احساس اپنی خودی کا — اگر ان کو میری ضرورت نہیں ہے
محبت سے بھی ماورا ہے کوئی شئے — محبت ہی تنہا محبت نہیں ہے
کسے یاد رکھوں، کسے بھول جاؤں — اب اتنی بھی اے عشق فرصت نہیں ہے

جب نظر اپنی حقیقت آئی — مجھ پہ خود مری طبیعت آئی
جو مصیبت جو قیامت آئی — سب اسی دل کی بدولت آئی

دل مرحوم کے ماتم کے لئے بال کھولے شب فرقت آئی
کوئی طوفان بھی نہ ہوگا ایسا کیا اندھا دھند طبیعت آئی

جذباتِ جگر

یعنے

کلام ـــــ دور ـــــ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الف

اس کی نگاہِ ناز کے قابل نہ سمجھنا اے بیخبرو! دل کو کبھی دل نہ سمجھنا

بے کار سی اک ہستی باطل نہ سمجھنا / نقش قدم یار ہے یہ، دل نہ سمجھنا

دل ہی کو فقط درد کے قابل نہ سمجھنا / اس شوخ سے خالی کوئی محفل نہ سمجھنا

ہیں دل سے سبھی دور، مگر اے غمِ جاناں / دل کو مرے، آوارۂ منزل نہ سمجھنا

جو موج نظر ہے، وہ ہے اک برقِ تجلی / آنکھوں کو فقط پردۂ حائل نہ سمجھنا

ہر جلوے کے پردے میں خود میر کناں ہیں / تنہا اسے ہنگامۂ محفل نہ سمجھنا

خود دے کے کہا دردِ محبت یہ کسی نے / اب آج سے اپنا اسے تم دل نہ سمجھنا

کہتی ہے یہ اب وسعتِ دیوانگیٔ شوق / منزل بھی جو آ جائے تو منزل نہ سمجھنا

اے قیس نظر! حسن حقیقت سے خبردار / سایہ ہے اے صاحب محمل نہ سمجھنا

ہر سانس ہے در پردہ نگہبانِ محبت / زنہار کبھی، حسن کو غافل نہ سمجھنا

ہر ذرہ ہے اک پیکر صد حسن حقیقت
ہستی کو جگر! ہستی باطل نہ سمجھنا

محال تھا کہ میں آزادِ دو جہاں ہوتا / بقید جسم نہ ہوتا بقید جاں ہوتا

نہاں کئے سے کہیں راز غم نہاں ہوتا / زباں دہن میں نہ ہوتی تو میں زباں ہوتا

یہ سوچتا ہوں ٹھکانا مرا کہاں ہوتا / اگر وہ میری طرح مجھ سے بدگماں ہوتا

محال تھا کہ غمِ عشق بے نشاں ہوتا / جو میں نہیں تو مری آہ کا دھواں ہوتا

جو میں خود اپنی حقیقت کا راز داں ہوتا / تمام منظر فطرت مری زباں ہوتا

یہ سب ہیں فیض اسی دم قدم کے اے بلبل / خزاں نہ تنکے اڑاتی، نہ آشیاں ہوتا

بھلا ہوا کہ نظر، حیرتوں میں ڈوب گئی / کہاں کہاں نہ ترا حسن رائیگاں ہوتا

صفات عشق کی تکمیل بھی ضروری تھی / جبیں پہ سجدۂ بت کا بھی اک نشاں ہوتا

بہار تو یہ شکستہ، چشمِ مستِ یار مصر
میں آج پی جو گیا وہ بدگماں ہوتا

کہاں فراغ، تلون مزاجیوں سے تری
یہ دردِ ہجر ہی اے کاش جاوداں ہوتا

کمالِ اہلِ حرم مستند سہی لیکن
کوئی تو باخبرِ جلوۂ بتاں ہوتا

یہ ذوقِ سجدہ کہیں مطمئن نہ رہ سکتا
مری جبیں سے جو باہر وہ آستاں ہوتا

کہاں ہم، اور کہاں اب فسانۂ غمِ عشق
وہ التفات نہ کرتے تو کچھ بیاں ہوتا

وہ حالِ دل لبِ خاموش سے بھی سنتے نہیں
یہ جانتا تو نہ شرمندۂ فغاں ہوتا

گداز عشق کی اب شرحِ مختصر یہ ہے
وہ مہرباں جو نہ ہوتا، تو مہرباں ہوتا

نثار ہو گئے ایک جلوۂ تبسم پر
کہاں نصیب، یہ وقتِ وداعِ جاں ہوتا

تمام اٹھ گئے پردے تو اس سے کیا حاصل
مزا تو جب تھا کہ میں بھی نہ درمیاں ہوتا

یہ سب نمودِ نمائش ہے تیرے چھپنے سے
جو تو نہ پردے میں ہوتا، تو میں کہاں ہوتا

یاد ایام، کہ جلووں کا تجھے ہوش نہ تھا
حیرت آوارہ نہ تھی عشق جنوں کوش نہ تھا

حسن بھی بزم میں جب تک کہ قدح نوش نہ تھا
بادۂ عشق میں نشہ تھا، مگر جوش نہ تھا

ہائے آغازِ محبت کا وہ دورِ سرِ شام
کون سا اشک تھا، جو ساغرِ سرجوش نہ تھا

دن جوانی کے جگر بےخبری میں گزرے
ہوش کا وقت جب آیا، تو مجھے ہوش نہ تھا

محیطِ عشق میں جو کچھ بھی تھا اک عالمِ دل تھا
اسی ذرے میں دریا تھا، اسی قطرے میں ساحل تھا

خوشا وہ دور جب آغازِ دردِ عشق کامل تھا
مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں سرتاپا دل تھا

سمجھنے پر بھی سمجھا نا، جسے ہر طرح مشکل تھا
اسی کا نام شاید اصطلاحِ عشق میں دل تھا

جنوں میں بھی کیا کم یہ ساماں ہو گا — گریباں سے پیدا، گریباں ہو گا
نہ جاں دل بنے گی، نہ دل جاں ہو گا — غمِ عشق، خود اپنا عنواں ہو گا
ٹھہر، اے دلِ دردمند محبت — تصور کسی کا پریشان ہو گا
مرے دل میں کبھی اک وہ صورت اے نہاں — جو تو دیکھے گا، تو حیراں ہو گا
یہ کہہ کر دیا اس نے دردِ محبت — "جہاں ہم رہیں گے،" یہ ساماں ہو گا
گوارا نہیں جان دے کر بھی دل کو — تری اک نظر کا نقصان ہو گا
کٹے گی شبِ غم بڑی راحتوں سے — تری یاد ہو گی، ترا دھیان ہو گا

چلو دیکھ آئیں، جگر کا تماشا
سنا ہے وہ کافر مسلمان ہو گا

حسن کے احترام نے مارا — عشق بے ننگ و نام نے مارا
وعدۂ ناتمام نے مارا — وہ زکی صبح و شام نے مارا
لرزشِ دستِ شوق آہ نہ پوچھ — لغزشِ نیم گام نے مارا
عشق کی سادگی ایک طرف — شوق کے اہتمام نے مارا
اللہ اللہ نفس کی آمد و شد — اس پیام و سلام نے مارا
عشق مرتا نہیں اپنی موت سے آہ — عشقِ ناکام نے مارا
کاش وہ عمرِ خضر بن جائے — جن خیالاتِ خام نے مارا

میں نہیں بسملِ خیام، جگر
حافظ کے خوش کلام نے مارا

ہو ہو ہو

جدھر سے حسن کا ایک گوشۂ نقاب اٹھا — تمام ذرے پکارے وہ آفتاب[۱] اٹھا

یہ کون جام لئے کردہ خراب اٹھا — کہ میکدے کے لئے فتورِ اضطراب اٹھا

نظر کو مستیِ مے حسن کو حجاب اٹھا — جگر شراب نہ پی، تہمتِ شراب اٹھا

یہ سب جو حسن حقیقت پہ ہیں حجاب اٹھا — نظر کو ہے جو اٹھانا تو کامیاب اٹھا

نشانِ منزلِ جذب تمام چھپ نہ سکا — ادھر فنا ہوا قطرہ، ادھر حباب اٹھا

کہاں مشاہدۂ روح میں ہے پابستہ — بہت لطیف سہی پھر بھی یہ حجاب اٹھا

نمودِ حسن کی گرمیٔ مزاج تو دیکھ — ہزار قطرے فنا کر کے ایک حباب اٹھا

کہیں نہ فتنہ کوئی اٹھ کے تھام لے دامن — قدم نہ راہِ محبت میں بے حساب اٹھا

رہ طلب میں نہ کر خوفِ لغزشِ پا سے — یہاں جو گر کے اٹھا بس وہ کامیاب اٹھا

جہانِ حسن کی تکمیل تشنگی کرے — ابھی نظر سے نہ یہ پردۂ سراب اٹھا

بھری ہوئی ہیں فضائیں جمالِ غم سے تمام — گناہگار نظر! لذتِ عذاب اٹھا

وداعِ ہوش کو پابندِ انحصار نہ کر — سکونِ شوق سے بھی کیفِ اضطراب اٹھا

اٹھا چکا ہے بہت نازِ بادہ و ساغر! — شکستِ نشہ اب لذتِ شراب اٹھا

فضائے عشق ہے ساکت، ہوائے شوق ہے یخ — کدھر ہے مطربِ آتش نوا، رباب اٹھا

کوئی خراب تماشا، وہاں پہنچ نہ سکا — مگر جو میکدۂ عشق سے خراب اٹھا

---

[۱] "آفتاب اٹھا" درحقیقت خلاف محاورہ ہے، مگر میرا مفہوم بجز اس کے اور کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ اگر مذاق سلیم سے کام لیا جائے تو یہ ایک اجتہاد ہوگا جسے رائج ہونا چاہیئے۔ (جگر)

یہی تھا وہ تسکین، یہی تھا عہدِ وفا — نظر تو اپنی ارے شوق پر حجاب اٹھا

نسیمِ شوق، یہ لائی جواب نامۂ درد — کچھ اور دل اُٹھی تکلیف اضطراب اٹھا

جدھر کو مستیِ دریا نے رخ کیا اپنا — تڑپ کے موج اُٹھی جھوم کو حباب اٹھا

مجھے اٹھانے کو آیا ہے، واعظ ناداں — جو اٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اٹھا

کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں اے واعظ — میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا

کہاں یہ بار کہاں پائے نازکِ جاناں — اٹھا سر، او جگرِ خانہ خراب اٹھا

قریب ساعتِ وصل آ چکی ہے اب تو جگر
نچوڑ دامنِ تر، دیدۂ پر آب اٹھا

ہزاروں قربتوں پر یوں مرا مہجور ہو جانا — جہاں سے چاہنا ان کا وہیں سے دور ہو جانا

نقابِ روئے نادیدہ کا از خود دور ہو جانا — مبارک اپنے ہاتھوں حسن کو مجبور ہو جانا

سراپا دید ہو کر غرقِ موجِ نور ہو جانا — ترا ملنا ہے، خود ہستی سے اپنی دور ہو جانا

نہ دکھلائے خدا، اے دیدۂ تر دل کی بربادی — جب ایسا وقت آئے پہلے تو بے نور ہو جانا

جو کل تک لغزشِ پائے طلب پر مسکراتے تھے — وہ دیکھیں آج ہر نقشِ قدم کا طور ہو جانا

ان آنکھوں کا منہ پوچھو ضبطِ عشق آنکھوں نے دیکھا ہے — سحر ہونے سے پہلے شمع کا بے نور ہو جانا

محبت کیا ہے تاثیرِ محبت کس کو کہتے ہیں — ترا مجبور کر دینا، مرا مجبور ہو جانا

یکایک دل کی حالت دیکھ کر مرا تڑپ اٹھنا — اسی عالم میں پھر کچھ سوچ کر مسرور ہو جانا

محبت عین مجبوری سہی، لیکن یہ کیا باعث — مجھے باور نہیں آتا، مرا مجبور ہو جانا

مگر اس رمز سے نا آشنا تھے حضرت موسیٰ — کہ ہے تنگیِ نظر پابندِ برق و طور ہو جانا

نگاہ ناز کو تکلیفِ جنبش تا کجا آخر — مجھی پر منحصر کر دو مرا مجبور ہو جانا

جگرؔ! وہ حسن یکسوئی کا منظر یاد ہے اب تک
نگاہوں کا سمٹنا اور ہجوم نور ہو جانا

ادب شناسِ محبت دل خراب ہوا — ترا حجاب نہ کرنا بھی، اب حجاب ہوا
سکونِ شوق، جو مائل بہ اضطراب ہوا — شراب و شیشہ بنا، نغمہ و رباب ہوا
اسی سے دل کا ہر اک نقش جلوہ تاب ہوا — مری نظر نہ ہوئی، آپ کا حجاب ہوا
خراب ہو کے بھی دل کب جہاں خراب ہوا — اک آفتاب کا سایہ تھا، آفتاب ہوا
فروغ بادہ ترے حسن کا جواب ہوا — سنبھالنا مجھے ساقی میں بے نقاب ہوا
مجھی میں گم، مرا ہر کیف و اضطراب ہوا — جو بچ رہا وہ مرا شوق کامیاب ہوا
کتاب عشق کا مشکل ترین باب ہوا — وہ ایک درد محبت جو صرف خواب ہوا
معاملاتِ محبت یہاں تک اب پہنچے — کمال ضبط نفس شرط اضطراب ہوا
نگاہِ شوق کی جذب و کشش ارے توبہ — جس آئینے پہ نظر کی ترا جواب ہوا
ستم ظریفیٔ حسن ازل، ارے توبہ — وہ دل دیا کہ جسے قرب بھی عذاب ہوا
اس ایک دل کی حقیقت کو کوئی کیا جانے — جو لاکھ بار بنا، اور پھر خراب ہوا
نگاہ دل بھی یکایک اسے نہ سمجھ سکی — وہ ہر کرم، جو پس پردہ عتاب ہوا
دل تباہ کی کرنی ہی تھی کوئی تاویل — سمجھ لیا محبت کا گھر خراب ہوا
نگاہ خاک پہنچتی، جمالِ معنی تک — خیال دل میں اترتے ہی اضطراب ہوا
بہت ملال ہے دل کو سنا ہے یہ جب سے — بہ حدِّ تاب نظر کوئی بے حجاب ہوا

سکونِ اصلِ عدم تھا محیطِ قدرت میں دلیلِ ہستی ہر موج ، اضطراب ہوا

جہانِ شوق کی عمر دو میاں نہ پوچھ جگرؔ

سکون تو کیا ! کہ میسر نہ اضطراب ہوا

رحمت نے مجھ کو مائلِ عصیاں بنا دیا ایک پیکرِ حقیقتِ عریاں بنا دیا

ساقی نے آج بندۂ احساں بنا دیا ڈالی وہ اک نظر کہ مسلماں بنا دیا

دل کو حریفِ جلوۂ جاناں بنا دیا انسان کو دردِ عشق نے انساں بنا دیا

بربادیوں نے لوٹ کے سامانِ آرزو ناکامیوں کو حاصلِ عرفاں بنا دیا

اس عشقِ ہرزہ کار سے ہونا ہی کیا مگر اک کیفِ مستقل کو رگِ جاناں بنا دیا

اک اک ادائے عشق کو تاثیرِ حسن نے آئینۂ لطافتِ پنہاں بنا دیا

ساقی کے فیضِ مست نگاہی کے میں نثار ایک ایک موج مے کو رگِ جاں بنا دیا

اس کے لئے تو ننگِ محبت ہی فخر تھا تیرا کرم کہ جاں کو جاناں بنا دیا

کس نے غمِ فراق میں ہر کو نشاطِ روح ایک محشرِ تبسمِ پنہاں بنا دیا

آج اس نظر نے دل سے کیا یوں معانقہ سمجھا یہ میں کہ درد کو درماں بنا دیا

ہم بھی ہیں کلمہ گو اسی کافر نگاہ کے

کافر جگرؔ کو جس نے مسلماں بنا دیا

خالی ، زاویے پریشاں نہیں دیکھا ہم نے کسی آئینہ کو حیراں نہیں دیکھا

مدت ہوئی چھیڑے ہوئے افسانۂ ہستی ۔۔۔ اب تک اثرِ خواب پریشاں نہیں دیکھا

اللہ ری مجبوری آدابِ محبت
گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا

وارفتگیٔ شوق میں حد سے نہ گزر جا ۔۔۔ ٹھہرا ہے جہانِ مصلحتِ عشق ٹھہر جا
کونین کی ان بھول بھلیوں سے گزر جا ۔۔۔ اپنی ہی طرف دیکھ ادھر جا نہ ادھر جا
تقلیدِ صبا اک روش عام ہے اے دل ۔۔۔ تو موجِ فنا بن کے ابھر اور نہ بکھر جا
مجھ سا کوئی دیوانہ تجھے کون ملے گا ۔۔۔ آ! اے اجل آ! تو بھی میرے ساتھ ہی مر جا

فانی کی نگاہوں میں ہے اک معنی پنہاں
اے جاں بلب آمدہ! کچھ دیر ٹھہر جا

ت

نہ دیکھا رخِ بے نقابِ محبت ۔۔۔ محبت ہے شاید حجابِ محبت
برستا ہے کیفِ شبابِ محبت ۔۔۔ ہر آنسو ہے جامِ شرابِ محبت
عجب جوش پر ہے شبابِ محبت ۔۔۔ محبت ہے مستِ شرابِ محبت
رہے خواب و تعبیرِ خوابِ محبت ۔۔۔ محبت ہی نکلی جوابِ محبت
مجھے کیا پڑی ہے ترے در سے اٹھوں ۔۔۔ ٹھہرنے جو دے اضطرابِ محبت

دلِ ذرہ ذرہ ہے طورِ تجلی
زہے جلوہ آفتابِ محبت

سبھی اٹھ گئے دیدہ و دل سے پردے
نہ اٹھا مگر اک حجابِ محبت

نہ دیکھو غرض ہم سے اتنا ہی کہہ دو
"ہلاکِ تبسم" خرابِ محبت

لہو کی ہر اک بوند دل بن گئی ہے
خوشا لذتِ کامیابِ محبت

حدودِ محبت سے بھی بڑھ گئے ہم
سلامت رہے، اضطرابِ محبت

ر

ترے جلووں میں گم ہو کر خود سے بے خبر ہو کر
تمنا ہے کہ رہ جاؤں از سر تا پا نظر ہو کر

نہ چونکے اہلِ دل تا حشر مست و بیخبر ہو کر
زمانہ کروٹیں بدلا کیا، شام و سحر ہو کر

جنونِ بیخودی نے کہہ دیا، کیا پردہ ہو کر
نگاہِ قہر بھی اٹھی، محبت کی نظر ہو کر

بہار لائی وہ گل شوخیٔ برق و شرر ہو کر
وہ آئے سامنے لیکن حجاباتِ نظر ہو کر

نگاہِ اہلِ دل بھی رہ گئی زیر و زبر ہو کر
کہاں پہنچے مرے اجزائے ہستی منتشر ہو کر

بھرم کھونا کہیں اے دل! عشقِ معتبر ہو کر
گزر جا! ہاں گزر جا حسن سے بھی بیخبر ہو کر

حجاب اندر حجاب و جلوہ اندر جلوہ کیا کہیے
بلائیں پھنس گئے عشاق پابندِ نظر ہو کر

یہاں تک جذب کر لوں کاش تیرے حسنِ کامل کو
تجھی کو سب پکار اٹھیں گزر جاؤں جدھر کو

رب اس دشمن کے آگے حشر میں کیا ہاتھ پھیلاؤں
رہی وابستہ جو تجھ سے مرا دامان تر ہو کر

معاذ اللہ ان کا کیف وجدانی معاذ اللہ
اثر کا منہ چڑاتی ہیں جو آہیں بے اثر ہو کر

پڑا رہ سینۂ بیگانہ پر تو صورتِ شبنم
شعاعِ حسن اڑا لیجائیگی خود بال و پر ہو کر

کہاں جاتی ہے مل کر او نگاہِ نازِ بے پروا
مرے پہلو میں رہ جا لذتِ دردِ جگر ہو کر

لطافت مانعِ نظارہ صورت سہی لیکن
دھڑکتا دل کا کہتا ہے وہ گزرے ہیں ادھر ہو کر

حریمِ حسنِ معنی ہے جگر! اک آستانہ اصغرؔ[له]
جو بیٹھو! با ادب ہو کر، تو اٹھو با خبر ہو کر

ق

مجھ سے سنو! مآلِ غم انتہائے عشق
میں سازِ عشق ہوں مری نظر میں صدائے عشق

اللہ ری یہ شانِ فنا و بقائے عشق
اب حسن آپ جلوہ نما ہے بجائے عشق

وہ جانتا ہے اس کو جو ہے آشنائے عشق
ہر ذرہ ہے مقام پر اپنے خدائے عشق

اب کوئی سن سکے تو سنے ماجرائے عشق
اک اک نظر ہے مطربِ آفت نوائے عشق

دنیائے آب و گل کی ہوا گرم ہو چلی
کھلنے نہ پائے تھے ابھی بندِ قبائے عشق

ف

اللہ اللہ اثر انگیزیِ جذبِ غمِ کیف
ٹپکا پڑتا ہے نگاہوں سے مری عالمِ کیف

اس نے ساغر کو اچھالا تھا کسی دن دمِ کیف
بن گیا عالمِ ہستی، ہمہ تن عالمِ کیف

کھل گیا آج مجھے دیکھ کے بیخود دمِ کیف
زاہدِ خشک کو سمجھا تھا میں نا محرمِ کیف

دیکھ لے کتنے ہیں اسے حاصلِ کیف و غمِ کیف
رقص کرتا ہے نگاہوں میں [illegible] عالمِ کیف

میں نہ کہتا تھا کہ بے سود ہے اب شانِ حجاب
پھر وہی تو ہو، وہی دل ہو، وہی عالمِ کیف

له حضرت اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہ ۱۲ (جگر)

گوشۂ دل میں بھی خاک اڑاتی ہوا تھی جن کی خشکی میں
دیکھئے آج برستی ہے کدھر شبنم کیف

دیکھنا تھا مجھے جب میں ہی نہ تھا اے زاہد
اب جو دیکھی بھی تو کیا انجمن بزم کیف

جذب ہو کر ترے جلووں میں عجب حسن بنا
چھا رہا تھا نگہ شوق پہ جو عالم کیف

سب میں اک بادۂ بے کیف کے پینے والے
محرم کیف ہو کر کوئی کہ ہو نا محرم کیف

ہر نفس جس کا ہوا اک جلوۂ نو سے ملحق
پوچھ اس مست سے انداز نشر و رم کیف

کب اسے وسعت کونین بھی کافی ہوتی
تو نہ تھمتی اگر اے جان حزیں محرم کیف

دیکھتے دیکھتے یوں عشق نے کروٹ بدلی
انتہا کیف کی خود بن گئی وجہ رم کیف

ہمہ ایں خام نمود ہمہ ایں نقش نبود
حلقۂ ہست ز صد سلسلۂ بزم کیف

ایک دن منظر فطرت کا بدل ڈالے نہیں
یہ تری مست نگاہی یہ مرا عالم کیف

ن

نالۂ پابند نفس اے دل ناشاد نہیں
یہ تو فریاد کی توہین ہے فریاد نہیں

اب یہ کیا بات کہ آباد نہیں شاد نہیں
دل گذرگاہ تری ہے تجھے کیا یاد نہیں

عشق مجرم ہے ستم ایجاد نہیں
ہے یہ تیری ہی صدا درد کی فریاد نہیں

انکھوں کہدیا جیسے وہ عشق کی روداد نہیں
دل سے آجائے جب لب تک مری فریاد نہیں

تجھ سے اے دوست کوئی شکوۂ بیداد نہیں
دل ستم ساز ہے خود تو ستم ایجاد نہیں

نقش بنکولے ہے رہنا ہے سنو یا نہ سنو
دل کی آواز ہے یہ درد کی فریاد نہیں

درد ہے منزل عرفان خودی اور بیاں
بیخودی کا ہے یہ عالم کہ خدا یاد نہیں

و

لے کے نکلا ہے مرا جوشِ لطافت مجھ کو
خوب پہچان لے آج اے مری صورت مجھ کو

منزلِ غم میں کہاں؛ وقفۂ راحت مجھ کو
ہر نفس تازہ ہے دربیشِ قیامت مجھ کو

گر پڑی روح، تعین کدۂ ہستی میں
کاش ہوتا ہی نہ احساسِ محبت مجھ کو

عشق نے خدمتِ دشوار وہ کی ہے تفویض
خود سے ملنے کی بھی ملتی نہیں فرصت مجھ کو

علم کے جہل سے بہتر ہے کہیں جہل کا علم
میرے دل نے یہ دیا درسِ بصیرت مجھ کو

برسوں آوارہ پھرا بادِ صبا کے ہمراہ
دل نے جب تک نہ دکھا دی مری وسعت مجھ کو

قلزم آشامیِ یک قطرۂ بیتاب تو دیکھ
گم کئے دیتی ہے میری ہی محبت مجھ کو

رند میخوار ہوں، میکدۂ ہستی میں
ہر خم موج ہے، محرابِ عبادت مجھ کو

لے لیا کام جو لینا تھا، غمِ ہستی
گرچہ ثابت نہ ہوئی میری صورت مجھ کو

گلِ دیوانہ کو کیا اہلِ ہوس سے مطلب
تنگ ہے میری پریشانیِ نکہت مجھ کو

یوں تو ہونے کو جگر اور بھی ہیں اہلِ کمال
خاص ہے حضرت اصغر[۱] سے ارادت مجھ کو

لے وہ؛ کہ تجھ سے تازہ گلستانِ آرزو
بھر دے گلِ مراد دل سے دامانِ آرزو

اللہ رے فیضِ جلوۂ تابانِ آرزو
صبحِ ازل ہے، شامِ غریبانِ آرزو

نکلی تڑپ کے آنکھوں سے اک موجِ بیقرار
اب آرزو کہو اسے یا جانِ آرزو

قطرے تمام خونِ شہیداں کے بن گئے
نقش و نگارِ پردۂ ایوانِ آرزو

جنبش بہار میں تمام حرفِ خطِ نیاز
اللہ رے فیضِ شوخیِ عنوانِ آرزو

[۱] حضرت اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ - ۱۲ جگر۔

سب کچھ ہوا، مگر نہ کھلا آج تک یہ راز
تم جانِ آرزو ہو؟ کہ ہم جانِ آرزو

ہاں اس طرف بھی اک نگہ نشتر نواز
کب سے تڑپ رہی رگِ جانِ آرزو

ہ

اندازہ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں، بنکر خطِ پیمانہ

انجام سے بے پروا آغاز سے بیگانہ
پروانے کی دنیا ہے، بیتابیٔ پروانہ

شیشے سے نہ رکھ مطلب اے ساقیٔ میخانہ
ان مست نگاہوں سے بھر دے مرا پیمانہ

آجائے اگر اپنی ضد پر کوئی دیوانہ
خود گرد پھرے آکر کعبہ ہو کہ بتخانہ

ادراک ہے ہستی کا احساس ہے مستی کا
ہاں اک نگہ ساقی: اک اور بھی پیمانہ

ٹکرا دیا شیشوں کو لڑا دیا رندوں کو
بجلی نہ کبھی بیٹھی، وہ نرگسِ مستانہ

ی

بے نقاب آج تو یوں جلوۂ جاناں ہو جائے
جو جہاں پر ہو وہیں بیخود و حیراں ہو جائے

واقفِ سرِ حقیقت اگر انساں ہو جائے
غم سے نزدیک ہو راحت سے گریزاں ہو جائے

اس کی اک موجِ تبسم جو نمایاں ہو جائے
دل کا ہر ذرہ بے کیف خمستاں ہو جائے

اک ذرے کا اگر حسن نمایاں ہو جائے
آدمی شدتِ انوار سے حیراں ہو جائے

حسن خود ہوں گم، عشق جو حیراں ہو جائے
جان خود جسم ہے، جسم اگر جاں ہو جائے

کفر ہی کا اگر انساں کو عرفاں ہو جائے
جس جگہ ٹیک دے سر کعبۂ ایماں ہو جائے

تم بتا دو کسی پردے سے جو اپنی آواز
روح خوابیدہ ابھی جسم میں رقصاں ہو جائے

دل ہے گنجینۂ اسرار نگاہیں محدود
کاش اس قفل کا ہر اک جزو پریشاں ہو جائے

مستیٔ عشق کا افسانہ اگر چھیڑ دوں میں
کفر کی شرح میں گم شیخ کا ایماں ہو جائے

عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی نہ سہی
یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے

اس سے بڑھ کر کوئی دلسوز بھی دنیا میں نہیں
نفس چالاک اگر تابع فرماں ہو جائے

یوں اٹھے پائے طلب حسن قدم کی جانب
ایک ہی جست میں طے عالم امکاں ہو جائے

عام ہے ہمتِ ساقی دو مینا سے باز
آج ہوتا ہے جسے آکے مسلماں ہو جائے

اللہ اللہ یہ عرفان جنوں کی تاثیر
آج جس خار سے کہدوں وہ گلستاں ہو جائے

خام سمجھو طلب و شوق کا اعجاز جگر
ہر نفس عشق میں جب تک نہ رگ جاں ہو جائے

❊

دل کو کسی کا تابع فرماں بنائیے
دشواریٔ حیات کو آساں بنائیے

درماں کو درد، درد کو درماں بنائیے
جس طرح چاہیے مجھے حیراں بنائیے

پھر دل کو شعلۂ عیاں بنائیے
پھر شام غم کو صبح درخشاں بنائیے

پھر کیجیے اک رخ تاباں سے کسب نور
پھر داغ دل کو شمع شبستاں بنائیے

پھر لکھیے خط شوق میں بیتابیٔ فراق
پھر خون دل کو زینت عنواں بنائیے

پھر پیکر حیات میں بھریے فنا کا رنگ
پھر جان و دل کو نشۂ بداماں بنائیے

نقشا حسن دوست ہے نکلیں نہ حسرتیں
سینہ تمام گنج شہیداں بنائیے

آباد اگر دل نہ ہو تو برباد کیجیے
گلشن نہ بن سکے تو بیاباں بنائیے

ایک اک لہو کی بوند میں بھر لیجیے درد عشق
جتنی رگیں ہیں سب کو رگ جاناں بنائیے

دل کو اسی نگاہ کے کر دیجیے سپرد — گلشن بنائیے نہ بیاباں بنائیے

ان کی طرف سے دل پہ جو پڑ جائیں مشکلیں — اپنی طرف سے ان کو نہ آساں بنائیے

برق جمال یار پہ ہنستی ہے اے جگر

کون اہل ہوش ہے؟ کسے حیراں بنائیے

خود اپنے عکس کو اپنے مقابل دیکھنے والے — ذرا آنکھیں تو کھول او نقش باطل دیکھنے والے

حقیقت کو حقیقت کے مقابل دیکھنے والے — مجھے بھی دیکھ میری ہستیٔ دل دیکھنے والے

یہ محفل ہے یہاں ہیں رنگ محفل دیکھنے والے — ارے بیگانہ بن کر جانب دل دیکھنے والے

نقوش پرتو رنگینیٔ دل دیکھنے والے — کبھی خود کو بھی دیکھ او خوف سے غافل دیکھنے والے

تیرے جلووں کو دیکھیں اور پھر دل کی طرف دیکھیں — کہاں ہیں اتصال موج و ساحل دیکھنے والے

تیرے کوچے میں اگر فخر سمجھتے ہیں اسیری کو — زمیں سے آسماں تک وسعت دل دیکھنے والے

نہ دیکھیں آنکھ اٹھا کر بھی جمال شاہد مقصد — غم بے حاصلی کا حسن حاصل دیکھنے والے

تری صورت کا مظہر ہے تمام پرتو رنگیں — تجھی کو دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے

شہادت انتقام عشق کی صورت بدلتی ہے — سنبھلنا، ہاں سنبھلنا رقص بسمل دیکھنے والے

مری ہستی کا ہر ذرہ اڑا جاتا ہے منزل سے — مرا منہ دیکھتے ہیں جذب منزل دیکھنے والے

زمین و آسماں کیا ہیں، مکاں و لامکاں کیا ہیں — سما جا تو بھی او گنجائش دل دیکھنے والے

انہیں رہ کی خبر کیا؟ گوہر مقصود کو کیا جانیں — یہ سب ہیں رقص موج و شکوہ ساحل دیکھنے والے

شہیدان محبت سے لڑا آنکھیں تو اے ناصح — یہی وہ ہیں جنہیں کہتے ہیں قابل دیکھنے والے

ادھر آ ہر قدم پر حسن منزل تجھ کو دکھلا دوں — فلک کو یاس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے

مری آتش نوائی کا بھی کچھ اندازہ فرمائیں — ابھی محفل میں ہوں گے شمع محفل دیکھنے والے

انہیں ہیں کھینچ کر روح محبت میں نے بھر دی ہے
مرے اشعار دیکھیں گے مرا دل دیکھنے والے

مجھے آغوش طوفاں ہی جگر آغوش مادر ہے
وہ کوئی اور ہوں گے امن ساحل دیکھنے والے

اک حسن کا دریا ہے، ایک نور کا طوفاں ہے
اس پیکرِ خاکی میں یہ کون خراماں ہے

اک سازِ محبت ہی کا عالمِ امکاں ہے
تو چھیڑ تو دے ظالم ہر تار رگِ جاں ہے

پھر عشقِ جنوں پیشہ یوں سلسلہ جنباں ہے
راہیں بھی گریزاں ہیں منزل بھی گریزاں ہے

تو رازِ محبت کو سمجھا ہی نہیں ورنہ
پابندیٔ انساں ہی، آزادیٔ انساں ہے

مجھ کو مری عصیاں سے کیا خاک ڈرائے گا
زاہد، وہی زاہد، رحمت سے گریزاں ہے

صدقے ترے ہونٹوں کی، رنگینی و رعنائی
ایک موج تبسم میں کل رازِ گلستاں ہے

اک شاہد مینائی، اک پیکر محبوبی
ہر درد میں شامل ہے ہر سانس میں پنہاں ہے

عالم کا تلون کیا؟ ہستی کا تعین کیا
تو خود جو خراماں ہے سایہ بھی خراماں ہے

بیہوشی و ہشیاری، مجبوری و آزادی
جو کچھ بھی محبت میں احساں ہی احساں ہے

اللہ تجھے رکھے محفوظ حوادث سے
اے کفر ترے دم تک آرائش ایماں ہے

یہ تربت عاشق ہے ٹھکرا کے نہ چل غافل
اس خاک کا ہر ذرہ خورشید بداماں ہے

فطرت نے محبت کی اس طرح بنا ڈالی
جو قید نظر آئی اک بار اٹھا ڈالی

ہر ذرے کے پیکر میں اک روح وفا ڈالی
اپنی ہی سی کل دنیا عاشق نے بنا ڈالی

اس جلوۂ رنگیں کی دیکھے تو کوئی شوخی
بتخانے کے پردے میں کعبہ کی بنا ڈالی

برباد ستم ہو کر پامال کرم بن کر
میں نے بھی نقاب اپنے چہرے سے اٹھا ڈالی

ہستی جسے کہتے ہیں اک سادہ حقیقت تھی
رنگیں نگاہوں نے رنگیں بنا ڈالی

عشق میں مقصود اصلی کو مقدم کیجئے
شرح و تفصیلات پر یعنی نظر کم کیجئے

ہر طرف بے فائدہ کیوں سعی پیہم کیجئے
تشنگی سے اپنے سدا بحر اعظم کیجئے

عشق کی عظمت، نہ ہر گز جیتے جی کم کیجئے
جان دیدیجئے مگر آنکھیں نہ پر نم کیجئے

اپنی ہستی پر نہ طاری کیجئے کوئی اثر
دور سے نظارۂ حسن دو عالم کیجئے

آنسوؤں میں کھینچ لیجئے جلوۂ حسن ازل
لہر پیدا کیجئے اور غرق شبنم کیجئے

بیخودی میں چھیڑ دیجئے، نغمہ ہائے ساز دل
پھر انہیں موجوں پر خود ہی رقص پیہم کیجئے

احساس عاشقی نے بیگانہ کر دیا ہے
یوں بھی کسی نے اکثر دیوانہ کر دیا ہے

اب کیا امید رکھوں اے حسن یار تجھ سے
تو نے مسکرا کر دیوانہ کر دیا ہے

تجھ سے خدا ہی سمجھے تو نے کسی کو لے دل
مجھ سے بھی کچھ زیادہ دیوانہ کر دیا ہے

پھر اس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں
یاد ش بخیر جس نے دیوانہ کر دیا ہے

مجھ کو جنوں سے اپنے شکوہ جو ہے تو یہ ہے
میری محبتوں کو افسانہ کر دیا ہے

اے حسن روز افزوں یا عمرت درار بادا
دونوں جہاں سے مجھ کو بیگانہ کر دیا ہے

جب دل میں آگیا ہے اک جنبش خانے
دیوانہ کہدیا، دیوانہ کر دیا ہے

مجھ سے ہی پوچھتے ہیں، یہ شوخیاں تو دیکھ
میرے جگر کو کس نے دیوانہ کر دیا ہے

ہم سے رندوں کا زمانے سے جدا میخانہ ہے
آسماں خم ہے فضائے آسماں پیمانہ ہے

اک نمود مضطرب اک جوش بیتابانہ ہے
عشق دیوانہ ہی کیا حسن بھی دیوانہ ہے

حیرت آبادِ فنا بھی کیا تجلی خانہ ہے
ہر تصورِ شمع محفل، ہر نگہ پروانہ ہے

اللہ اللہ بیخودی شوق کی صورت گری
ہر قدم پر اس طرف کعبہ ادھر میخانہ ہے

کھینچ کر اک آہ کس نے رکھ دیا جام شراب
دیدنی، آج اضطراب ساقی پیمانہ ہے

ہوشیار او جانِ دل سے کھینچنے والے ہوشیار
آج چشم شوق کا انداز بے باکانہ ہے

اس کے دل سے پوچھو راز جلوۂ بے رنگ حسن
کعبہ بھی جس کی نظر میں صورت میخانہ ہے

فیض ساقی نے مجھے لبریز ہستی کر دیا
ہر نظر جام و سبو ہے، ہر نفس میخانہ ہے

اس تبسم کے تصدق اس تجاہل کے نثار
خود ہی مجھ سے پوچھتے کون یہ دیوانہ ہے

یہ بہار آئی ہوئی، ایسی گھٹا چھائی ہوئی
ہجو مے کرتا ہے زاہد، کیا کوئی دیوانہ ہے

میں ہوں رند لم یزل اک ساقی بے نام کا
شش جہت میرے لیے ٹوٹا اک میخانہ ہے

کوئی قید ہوشیاری ہے نہ شرط بے خودی
تم سمجھ لو جس کو دیوانہ وہی دیوانہ ہے

جس کا جتنا ظرف ہے اس سے سوا ملتا نہیں
جلوۂ ساقی بقدر ہمت مردانہ ہے

ہر قدم پہ ناصح مشفق کی دلسوزی نہ پوچھ
آدمی اچھا ہے لیکن اک ذرا دیوانہ ہے

پی کے اک جام شراب شوق آنکھیں کھل گئیں
دیکھتا ہوں جس طرف میخانہ ہی میخانہ ہے

عشق وحدت آشنا و شوق صورت آفریں
اک نظر اپنی ہے کعبہ اک نظر میخانہ ہے

آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں! فرما دیجیے
سب یہ کہے ہیں جگر دیوانہ ہے دیوانہ ہے

ہر گھڑی پیش نظر اک تازہ طوفاں چاہیے
حشر کیا شے ہے! مذاق حشر ساماں چاہیے

ذوق برہم چاہیے، شوق گریزاں چاہیے
تجھ کو اب تیرے سوا سب کچھ پریشاں چاہیے

بہ کرم بھی اے نگاہِ فتنہ ساماں چاہیے
دل کی خاطر ایک دل سازِ دشمن چاہیے

اک جہاں نو بنو طوفاں بہ طوفاں چاہیے
اب بجائے ہر نگہ، تصور جاناں چاہیے

عشق، بے قید تصور شوق بے قید نظر
مجھ کو جو کچھ چاہیے بے حد و پایاں چاہیے

لذت باقی کو اے ذوق، فنا رہنے بھی دے
کچھ تو بہر انتہائے جان و جاناں چاہیے

ایک دو جلووں میں چھپتی ہے کہیں رندوں کی پیاس
ہر نگاہ مست ساقی، ساغرستاں چاہیے

عفو کیسا؟ جلوۂ رحمت بھی نکلے گا نہیں
ذوق عصیاں چاہیے عرفان عصیاں چاہیے

آرزو و شوق تو ہیں انجمن در انجمن
اب ترا جلوہ گلستاں در گلستاں چاہیے

حسن کی کافر نگاہیں عشق کا معصوم دل
اب تجھے کیا، اے حیاتِ فتنہ ساماں چاہیے

سیرگاہِ عشق میں کانٹے ہی کانٹے ہوں تو ہوں
دیکھنے والی نظر گلشن بداماں چاہیے

آرزوئے دل سلامت درد پیہم برقرار
آنکھ لگ ہی جائے گی گہوارہ جنباں چاہیے

حسن بے تاب تجلی خود ہے، لیکن اے جگر
ایک ہلکا سا حجاب چشم حیراں چاہیے

یہ جذب شہادت کا حاصل نظر آتا ہے
جو پردہ اٹھاتا ہوں قاتل نظر آتا ہے

عالم مجھے نادیدہ بسمل نظر آتا ہے
بسمل ہے وہی جیسے قاتل نظر آتا ہے

تصدیق حقیقت بھی محتاج حقیقت ہے
باطل ہے نظر جب تک باطل نظر آتا ہے

اس جانِ تمنا کا کس طرح پتہ پوچھیں
ہم خود ہی نہیں رہتے جب دل نظر آتا ہے

اب اس رخ رنگیں کے جلووں کو تو کیا کہیے
اپنا بھی نظر آنا مشکل نظر آتا ہے

ہر سمت سے محفل میں کیوں ٹوٹ پڑیں نظریں
کیا صورت بسمل میں قاتل نظر آتا ہے

ہستی کے عدم پر بھی متشکک ہے ترے مستوں کو　　تصویر کا یہ رخ بھی باطل نظر آتا ہے

پروردۂ طوفاں کو کشتی کی نہیں حاجت
موجوں کے تلاطم میں ساحل نظر آتا ہے

فکر منزل ہے نہ ہوش جادۂ منزل مجھے　　جا رہا ہوں جس طرف لے جا رہا ہے دل مجھے
اب زباں بھی دے ادائے شکر کے قابل مجھے　　درد بخشا ہے اگر تو نے بجائے دل مجھے
یوں تڑپ کے دل نے تڑپایا سر محفل مجھے　　اس کو قاتل کہنے والے کہہ اٹھے قاتل مجھے
اب کدھر جاؤں، بتا اے جذبۂ کامل مجھے　　ہر طرف سے آج آتی ہے صدائے دل مجھے
روک سکتی ہو تو بڑھ کر روک لے منزل مجھے　　لے اڑی ہے اک موج بیقرار دل مجھے
جان دی کہ حشر تک میں ہوں مری تنہائیاں　　ہاں مبارک فرصت نظارۂ قاتل مجھے
ہر اشارے پر ہے پھر بھی گردن تسلیم خم　　جانتا ہوں صاف دھوکے دے رہا ہے دل مجھے
جا بھی اے ناصح، کہاں کا سود کیسا زیاں　　عشق نے سمجھا دیا ہے عشق کا حاصل مجھے
میں ازل سے صبح محشر تک فروزاں ہی رہا　　حسن سمجھا تھا چراغ کشتۂ محفل مجھے
خون دل رگ رگ میں جم کر رہ گیا اس وہم سے　　بڑھ کے سینے سے نہ لپٹا لے مرا قاتل مجھے
کیسا قطرہ کیسا دریا کس کا طوفاں کیسی موج　　تو جو چاہے تو ڈبو دے خشکیٔ ساحل مجھے
پھونک دے اے غیرت سوز محبت پھونک دے　　اب سمجھتی ہیں وہ نظریں رحم کے قابل مجھے
توڑ کر بیٹھا ہوں راہ شوق میں پائے طلب　　دیکھنا ہے جذبۂ بے تابی منزل مجھے
اے ہجوم ناامیدی! شاد باش و زندہ باش　　تو نے سب سے کر دیا بیگانہ و غافل مجھے
زرد چہرہ ہی سہی احساس ناکامی سہی　　اس نے سمجھا تو بہر صورت کسی قابل مجھے
یہ بھی کیا منظر ہے بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم　　تک رہا ہوں، دور سے منزل کو میں منزل مجھے

اک مے بے نام جو اس دل کے پیمانے میں ہے
وہ کسی شیشے میں ہے، ساقی نہ میخانے میں ہے

پوچھنا کیا، کتنی وسعت میرے پیمانے میں ہے
رب الٹ دے

یوں تو ساقی ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی جو ان آنکھوں کے پیمانے میں ہے

ایک ایسا راز بھی دل کے نہاں خانے میں ہے
لطف جس کا کچھ سمجھنے میں، سمجھانے میں ہے

یاد آیا کہ جب تھا ہر نفس اک زندگی
زندگی اب ہر نفس کے ساتھ مر جانے میں ہے

ایک کیف ناتمام درد کی لذت ہی کیا
درد کی لذت سراپا درد بن جانے میں ہے

غرق کر دے تجھ کو زاہد، تیری دنیا خراب
کم سے کم اتنی تو ہر میکش کے پیمانے میں ہے

پھر نقاب اس نے الٹ کر روح تازہ پھونک دی
اب نہ کعبے میں ہے سناٹا، نہ بتخانے میں ہے

منتشر کر دے اسے بھی حسن بے پایاں کے ساتھ
زندگی شیرازۂ دل کے بکھر جانے میں ہے

پی بھی جا زاہد خدا کا نام لے کر پی بھی جا
بادۂ کوثر کی بھی ایک موج پیمانے میں ہے

شیشہ مست و بادہ مست، حسن مست عشق مست
آج پینے کا مزا پی کر بہک جانے میں ہے

حسن کی اک اک ادا پر جان و دل صدقے مگر
لطف کچھ دامن بچا کر ہی گزر جانے میں ہے

عشق نے توڑی سر پہ قیامت، زور قیامت کیا کہیئے
سننے والا کوئی نہیں روداد محبت کیا کہیئے

دل ہے کسی کا راز حقیقت راز حقیقت کیا کہیئے
حیرت جلوہ، مہر بہ لب ہے جلوۂ حیرت کیا کہیئے

جب سے اس نے پھیر لیں نظریں رنگ نیا ہی آہ نہ پوچھ
سینہ خالی آنکھیں ویراں دل کی حالت کیا کہیئے

ایک تجلی ایک تبسم ایک نگاہ بندہ نواز
اس سے زیادہ اے غمِ جاناں دل کی قیمت کیا کہیے
شیشۂ دل وہ سنگِ نازک ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا
اس پہ کسی کے تیرِ ستم کی مشقِ ریاضت کیا کہیے

ذرہ ذرہ دیدہ و دل ہے گوشہ گوشہ بستی ہے
عشق ہے جب تک سلسلہ جنباں دل کی تمناّ ہنستی ہے
جینے تک ہیں ہوش کے جلوے آگے ہوش کی مستی ہے
موت سے ڈرنا کیا معنی موت بھی جزوِ مستی ہے
معنی صورت، صورت معنی، فکر و نظر کے دھوکے ہیں
فکر و نظر تک رہ جانا، فکر و نظر کی پستی ہے
پیشمکِ حسن و عشق مبارک دیدہ و دل ہیں خرم و شاد
حشر تک اب یہ بحث سلامت کس کی کہاں تک ہستی ہے

نالۂ بیقرار کون کرے | حسن کو شرمسار کون کرے
ہوش کی مستیاں ارے توبہ | ہوش کو ہوشیار کون کرے
عشق سے اعتماد کے قابل | حسن کا اعتبار کون کرے
ہمیں بن جائیں کیوں نہ صورتِ یار | دل کو پابندِ یار کون کرے
جان و دل پر نہیں رہا قابو | جان و دل اب نثار کون کرے
سوئے صحرا نکل چلے وحشی | انتظارِ بہار کون کرے

لازم ہے کچھ خاطر دلدار کے لئے
بیہوش کے لئے ہیں نہ ہشیار کے لئے
ہم سے نہ پوچھو شورش درماندگی کا راز
ان کی حریم خاص ہیں جلووں کا ذکر کیا
دل تک خیال غیر بھی لانا روا نہیں
آساں نہیں معاملہ جلوہ و نظر
جہنم بھی فردوس بداماں ہوں گے
اک دریدہ کشاکش سے پریشاں ہوں گے
انہیں معلوم وہ کس وضع کے انساں ہوں گے
وہ جدھر ناز سے بے پردہ خراماں ہوں گے
جمع سب حسن کے اجزائے پریشاں ہوں گے
میری حیرت کی قسم آپ اٹھائیں تو نقاب
میں چھپاتا ترے اسرار محبت ظالم
حسن تک دیکھ لیں سب حسن کے جلوؤں کی بہار
نغمۂ بربط غم کیف اثر شورش جاں
لطف آزادی زنداں بلا کیا کہئے
مجھ کو گلشن کی قسم چھیڑ نہ اے باد سحر
حسن بے قید ہی عشق بھی محدود نہیں
شعلہ سامانی غم پر نہ کرو ناز جگر

دنیا سمیٹ لوں نگہ یار کے لئے
جلوے ہیں خاص چشم گہربار کے لئے
جیتے ہیں اک نگاہ طرفدار کے لئے
وہ خود ہیں اپنے طلب دیدار کے لئے
مخصوص ہے یہ جام لب یار کے لئے
چشم کلیم چاہیئے دیدار کے لئے
دیکھ لینا وہ ہمیں سوختہ ساماں ہوں گے
خود کو جتنا وہ چھپائیں گے نمایاں ہوں گے
جن پہ تو ہے ستم خاص کے احساں ہوں گے
ذرے سب جام بکف مست غزلخواں ہوں گے
ہم تو ہم ہیں کبھی کسی روز مسلماں ہوں گے
میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشاں ہوں گے
کیا خبر تھی مری رگ رگ سے نمایاں ہوں گے
مجھ تک تو آئے میرا حال پریشاں ہوں گے
انہیں پردہ دل سے کسی دن نمایاں ہوں گے
اب جو چھوٹے تو اسیر غم زنداں ہوں گے
کھل گئیں غنچوں کی آنکھیں تو پریشاں ہوں گے
مجھ کو پائیں گے جہاں تک وہ نمایاں ہوں گے
تم سے کتنے ہی جگر شعلہ بداماں ہوں گے

کوئی نہ گھر ہے اپنا کوئی نہ آستاں ہے
ہر شاخ ہے نشیمن ہر پھول آشیاں ہے

تو سامنے ہے پھر بھی بتلا کہ تو کہاں ہے
کس طرح تجھ کو دیکھوں نظارہ درمیاں ہے

میں اپنی ان رعنائیوں کے صدقے
جو شکل ہے حسیں ہے دوشیزہ ہے جواں ہے

میں عشق ہوں مکمل میں شوق ہوں مسلسل
گویا تمام عالم میری ہی داستاں ہے

سب نقد حسن لٹ کے بیٹھا ہے عشق رسوا
کوئی نہ راز ہے اب کوئی نہ راز داں ہے

رنگین ہیں فضائیں جاری ہیں اشک خونیں
افسانہ حسن کا ہے اور عشق کی زباں ہے

پارہ ہائے جگر

زبان شوق سے شکوۂ وصال ہو نہ سکا
وہ حال تھا کہ کچھ احساس حال ہو نہ سکا

نگاہ شوق نے بدلے ہزار منظر
مرے لئے کوئی شایان حال نہ ہو سکا

ستم کشوں نے سمجھا کمال حیرت میں
چھپے ہوئے تھے وہ خود پردۂ محبت میں

اگر نہیں تھا پردہ کوئی حقیقت میں
یہ کون بول رہا ہے طلسم صورت میں

جب تو نے تجلّی وحدت سے بزم کثرت میں
نظر کا بن گیا پردہ نظر کی صورت میں

آنکھوں کے سامنے اپنا منزل رہی نہ راہیں
جلووں نے تیرے ملکر سب لوٹ لیں نگاہیں

سینے میں حسن معنی تھا جو لپٹا لیا تڑپ کر
فریاد بن کے اٹھیں آج اس طرف نگاہیں

اک بزم ناز بخشی کیا ہے تجھے دکھا دوں
مینا بدوش آنکھیں ساغر بکف نگاہیں

دوست تجھے الفت نہ کریں غیرت عداوت نہ کریں
میں کہیں کا نہ رہوں وہ جو عنایت نہ کریں
وقت آئے تو ہمیں جان بھی کر دیں گے فدا
کیا یہ ممکن ہے ترے نام کی عزت نہ کریں

یہ بھی اگر اک جلوۂ جانانہ نہ ہو:
میری محرومی عجب افسانہ ہو:

یہ حاصل سرمایۂ عرفاں طلبی ہے
یعنی ہوس دید خود اک بے ادبی ہے
بجھتی ہی نہیں اب کسی ساغر سے مری پیاس
شاید مرا مقصد ہی مری تشنہ لبی ہے

حسن میں جب تک کہ شان خود آرائی نہ تھی
عشق میں مستی تھی لیکن خوئے رسوائی نہ تھی

یہ کس نے منتشر کر دیں جنوں سامانیاں میری
زمیں سے آسماں تک ایک ہیں ویرانیاں میری

راس آئی مجھ کو حیرانی میری
اب وہ کرتے ہیں نگہبانی میری

ہو گیا سیراب باغ آرزو
اللہ اللہ شبنم افشانی میری

ہ و ہ و ہ و ہ و

تخیلاتِ جگر

یعنی

کلامِ دورِ دوم

الف

دل کیا ہے نقشِ حسنِ حقیقت طراز کا
آئینہ کیا ہے عکس ہے آئینہ ساز کا

حالت نہ پوچھ عشق کی شانِ نماز کا
کونین ایک ذرہ ہے خاکِ نیاز کا

آخر کھلا یہ رازِ طلسمِ مجاز کا
ایک شعبدہ تھا غفلتِ بیگانہ ساز کا

دھوکا قدم قدم پہ نظر کا بزمِ ناز کا
کیا سخت مرحلہ ہے طلسمِ مجاز کا

اللہ رے اثر نگہِ مستِ ناز کا
ہر پردہ ارتعاش میں دل کے ساز کا

چھایا یہ رنگ ہستیِ وحدت طراز کا
مفتی نے دیدیا مجھے فتویٰ جواز کا

عالم نہ پوچھ کشمکشِ ضبطِ راز کا
ہر سانس ہے پیامِ غمِ جاں گداز کا

کس لطف سے کٹیں شبِ غم کی مصیبتیں
ممنوں ہوں محبتِ افسانہ ساز کا

تو محوِ بیخودی ہی رہا ورنہ بے خبر
پنہاں تھا نازِ حسن میں عالم نیاز کا

پیراہنِ جنوں سے تنِ عشق ڈھک لیا
یہ ایک طریقِ خاص ہے اخفائے راز کا

ناگاہ سامنے نظر آیا جمالِ دوست
میں شکوہ سنج تھا غمِ ہستی گداز کا

مجھ سے گناہ گار پہ یہ بارشِ کرم
منہ دیکھتا ہوں رحمتِ عاجز نواز کا

صوفی نے حسن کو شاہدِ مطلق سمجھ لیا
اک پرتوِ لطیف تھا حسنِ مجاز کا

تنہا فراق میں کیوں گریہ کیجئے
اے دل! یہ وقت خاص ہے راز و نیاز کا

تصویرِ یار سامنے، سر میں ہوائے شوق
ایسے میں کس کو ہوش نشیب و فراز کا

مجھ کو وصال و ہجر سے کیا واسطہ جگرؔ
عاشق ہوں تبسمؔ دلوانہ ساز کا

فاش اہلِ بزم پہ کل رازِ پنہاں کر دیا
آئیں وہ جیتک ہمیں نے سب کو حیراں کر دیا

حسن کے جلووں کو رگ رگ میں خراماں کر دیا
دل کی ایک جنبش نے کیا کار نمایاں کر دیا

جان و دل صدقے تو تصدقِ دین ایماں کر دیا
ہم نے جو کچھ تھا نثارِ جانِ جاناں کر دیا

ہائے یہ کیا قہر تو نے چشمِ گریاں کر دیا
اور بھی کچھ آتشِ دل کو فروزاں کر دیا

بس یہی تھی میرے ان کے درمیاں کیا کیا حجاب
موت نے سب مشکلوں کو آخر آساں کر دیا

حسن نے تا شام ہنس کر جو بنا بات چیں
عشق نے تا صبح رو کر شبستاں کر دیا

زخمہ حسنِ تبسم کی فسوں کاری نہ پوچھ
ہر نگاہِ شوق کو تارِ رگِ جاں کر دیا

لے چلا تھا سوئے صحرا کھینچ کر جوشِ جنوں
پاسِ ناموسِ وفا نے پابہ زنداں کر دیا

اب اسی وسعتِ جنوں پہ آستیں ہے خندہ زن
دھجیوں کو بادِ ہاجس نے گریباں کر دیا

عشق نے لذت جو دی تھی آہ تو نے عندلیب
اس کو بھی صرفِ نوائے پریشاں کر دیا

بیخودی حد سے زیادہ بڑھ چلی جب عشق میں — بے حسی کو پردہ دارِ رازِ پنہاں کر دیا
عشق نے دردِ زلیخا بھر دیا کونین میں — حسن نے ساری فضا کو یوسفستاں کر دیا
شمع جب فانوس میں تھی آنکھ تھی محوِ جمال — جب ہوئی عریاں نگاہوں کو پریشاں کر دیا

بتکدے کو وہ میسر ہے نہ کعبے کو نصیب
اس نے جس جلوے کو وقفِ سینۂ چاکاں کر دیا

زمین و آسماں ہوتا، مکاں و لامکاں ہوتا — غرض دل کو کسی صورت محیطِ دو جہاں ہوتا
فنائے عشق کیا ہے کارواں در کارواں ہوتا — یہاں تک منتشر ہوتا کہ بے نام و نشاں ہوتا
نظر صیاد کی کیا، برق بھی ہو تو لرز اٹھے — ابھی آیا نہیں تنکوں کو جانِ آشیاں ہوتا
ترے جلووں میں گم ہو کر جہاں اندر جہاں ہوتا — مبادک عمرِ رفتہ کو حیاتِ جاوداں ہوتا
تماشا دیدنی ہے دیکھ لیں اہلِ نظر اگر — مرے ہمراہ منزل کا بھی گردِ کارواں ہوتا
لہو کا قطرہ قطرہ بن گیا تو شمع وحدت کی — بجا ہے اب مرا پروانہ، نقش بجاں ہوتا
نہ ہے صورت، نہ ہے معنی نہ ہے جلوہ نہ ہے پردہ — بیک لحظہ بیک ساعت عیاں ہوتا نہاں ہوتا
کسی کے سامنے وہ میری عرضِ شوق کا عالم — مرے ذراتِ ہستی کا مسلسل داستاں ہوتا
کبھی دریائے بیتابی کا سینے میں سمٹ آنا — کبھی ہر اشک کے قطرے کا بحرِ بیکراں ہوتا

سنا ہے، ہر طرف لٹتے ہیں جلوے حسنِ صورت کے
کبھی تم بھی جگر! آوارۂ کوئے بتاں ہوتا

جادو، قلمِ کاتبِ تقدیر میں کیا تھا — میں اول ساعت ہی سے مائل بہ فنا تھا
میں اس کی نظر اور وہ مجھے دیکھ رہا تھا — اے حیرتِ خاموش، یہ منظر بھی کیا تھا
جب تک حدِ ہستی کا تعین نہ ہوا تھا — نام اس ستم ایجاد کا کیا جانئے کیا تھا

پہنچا ہوں اسی راہ سے تا منزل عرفاں
کہتے ہیں جسے ہوش وہی ہوش دیا تھا

یہ فصل گل، سماں یہ شب ماہتاب کا
لا ساقیا، شراب! مزا ہے شراب کا

چھوڑا نہ راز کوئی، جہانِ خراب کا
سب کہہ گیا میں خواب میں افسانہ خواب کا

بگڑا ہوا ہے رنگ جہاں خراب کا
بھر لوں نظر میں حسن کسی کے شباب کا

اپنی نظر اور برق وحشی کو بھی دیکھئے
مجھ سے ہی پوچھئے نہ مزاج اضطراب کا

نکلی تڑپ کے پردۂ خاکی سے روح پاک
ٹوٹا طلسم جلوۂ حسن حجاب کا

آہ یہ عالم کثرت تری رعنائی کا
ایک مرکز نہ رہا چشم تماشائی کا

کیا ٹھکانا ہے اس آوارۂ رسوائی کا
غیر فانی ہے وہ پرتو تری رعنائی کا

عشق کیا چیز ہے ایک عشرت آغوش خیال
حسن کیا؟ خواب ہے ایک چشم تماشائی کا

منحصر جلوت و خلوت پہ نہیں وصل حبیب
خاص اک وقت ہوا کرتا ہے یکجائی کا

رہ گئیں پردۂ ظاہر میں الجھ کر نظریں
حسن دیکھا نہ کسی نے مری رسوائی کا

نظر میں ہیچ ہے گلشن تمام دنیا کا
نہ پوچھ! حوصلہ مرغانِ رشتہ برپا کا

اثر ہے جس میں کہ ہر موج کار فرما کا
وہ ایک قطرہ حاصل تمام دریا کا

نجات روح کو ملتی نہیں ہے تن سے آہ
بنا ہوا ہے یہ مجنوں نما حجاب لیلا کا

ہر ایک ذرے سے نکلے تڑپ کے برق جمال
بنے تو کوئی طلب گار حسن معنی کا

خدا ہی رحم کرے، اس تشنہ کامی پر
سراب پر جسے کامل یقیں ہو دریا کا

رواں اگرچہ ہیں اس میں بھی سب وہی موجیں
مگر ہے قطرے پہ فرض، احترام دریا کا

وہ ہجر کے پردے میں جس وقت کہ واصل تھا
اس درجہ لطافت تھی احساس بھی مشکل تھا

کل دیکھ کے یہ منظر، قابو میں نہ پھر دل تھا
بیتاب تھیں خود موجیں، لب تشنہ جو ساحل تھا

کیا سیر تھی میں جب تک آوارہ ساحل تھا
دریا کی طرح غم تھا، کشتی کی طرح دل تھا

کل اتنی حقیقت تھی منظور تشکوں انا الحق کی
ناچیز سا اک قطرہ دریا کے مقابل تھا

کونین کا غم دل نے سب لے لیا اپنے سر
آغاز کا دیوانہ، انجام سے غافل تھا

جب غور کیا دم بھر، سب نقش چمک اٹھے
جب آنکھ ذرا کھولی آئینہ مقابل تھا

دل کے لئے الفت کی قیدیں ہی مناسب تھیں
دیوانہ، یہ ایسی ہی زنجیر کے قابل تھا

خود اپنی تجلی میں جب عشق تھا مستغرق
ہر ثابت و سیارہ مدہوش تھا غافل تھا

کیا دن تھے جگر، وہ دن جب صحبت اصغر میں
مسرور طبیعت تھی، معمور مرا دل تھا

سینے سے دل اٹھتے ہی رفعت نشاں ہوا
یہ ذرہ جب بلند ہوا، آسماں ہوا

دل بلبلائے نالہ و آہ فغاں ہوا
اے شانِ عشق حسن ترا رائیگاں ہوا

صیاد! دونوں گھر ہیں ایک گل کے نام کے
تیرا قفس ہو کہ مرا آشیاں ہوا

غفلت کے ساتھ ہے یہ قید جسم بھی
پھر میں کہاں، اگر مجھے عرفانِ جاں ہوا

صحرائے جستجو سے نہ آگے بڑھے قدم
گم اس کی وسعتوں میں ہر اک کارواں ہوا

صیاد سے چھپا نہ سکی کوئی شاخ نخل
پہنچی وہیں نگاہ، جہاں آشیاں ہوا

چھوٹا نہ رشتہ طلب و دوست ہاتھ سے　　میں خاک ہو کے گردِ پسِ کارواں ہوا

تبدیلیِ مقام سے بدلی فضائے عشق　　جو درد تھا ابھی وہی آرامِ جاں ہوا

عالم مرا تمام ثنا خواں ہوا جگر
میں آپ اپنے شعر کا جب قدرداں ہوا

یہ مزا تھا خلد میں بھی نہ مجھے قرار ہوتا　　جو وہاں بھی آنکھ کھلتی یہی انتظار ہوتا

میں جنونِ عشق میں یوں ہمہ تن فگار ہوتا　　کہ میرے لہو سے پیدا اثرِ بہار ہوتا

مرے رشک بے نہایت کو نہ پوچھ میرے دل سے　　تجھے تجھ سے بھی چھپاتا، اگر اختیار ہوتا

مری بیقراریاں ہی تو ہیں اسکی وجہ تسکیں　　جو مجھے قرار ہوتا، تو وہ بیقرار ہوتا

جسے چشمِ شوق میری کسی طرح دیکھ پاتی　　کبھی حشر تک وہ جلوہ نہ پھر آشکار ہوتا

یہ دل اور یہ بیانِ غمِ عشق بے محابا　　اگر آپ طرح دیتے مجھے ناگوار ہوتا

کبھی یہ ملال اس کا نہ دکھے کس طرح دل　　کبھی یہ خیال، وہ بھی یونہی بیقرار ہوتا

مرا حال ہی جگر! کیا وہ مریضِ عشق ہوں میں
کہ وہ زہر بھی جو دیتا مجھے سازگار ہوتا

عشق جب مصروفِ اصلاحاتِ روح و دین تھا　　دفترِ عالم مرے اک گوشۂ دامن میں تھا

آشنا قیدِ مکاں سے کب رہی برقِ جمال　　ذرے ذرے میں ہی وہ وادیِ ایمن میں تھا

ہم نے تکمیلِ جنوں بھی جلوۂ رازِ غم میں کی　　دور کیوں جانئے، کہ صحرا بھی اسی گلشن میں تھا

مجھ کو سب معلوم ہے افسانۂ برق و کلیم　　میرے دل کا ذرہ ذرہ وادیِ ایمن میں تھا

رخصت اے بیگانگی بس کھل گیا تیرا فریب　　اپنا میں دشمن رہا جبتک غمِ دشمن میں تھا

ورنہ ممکن ہی نہ تھا، نظارۂ برق و جمال　　ذوقِ موسیٰ ابھی حدودِ وادیِ ایمن میں تھا

تھا جنون عشق خود ہی کار فرما اے جگر
تو عبث دیوانہ، فکر وسعت دامن میں تھا

دہر کی نیرنگیوں کا خوب عرفاں ہو گیا
لا شراب کہنہ ساقی، دل پریشاں ہو گیا

محوِ رنگا رنگی صحرائے امکاں ہو گیا
اپنے جلووں میں مقید آپ انساں ہو گیا

برق چمکی تھی کہ بہ پا جوش طوفاں ہو گیا
المدد وائے شوقی نظارہ پریشاں ہو گیا

ہر تڑپ کیسا تھا اک جلوہ نمایاں ہو گیا
آج ثابت یار کا، قرب رگ جاں ہو گیا

ذوق سجدہ ہر بن مو سے نمایاں ہو گیا
میں کیا شے ہوں کہ آپ اپنا عنواں ہو گیا

روح قالب سے نکل کر اصل میں گم ہو گئی
لے سے ہوتے ہی جدا نغمہ پریشاں ہو گیا

انتہائے جستجو میں دیکھیے ہوتا ہے کیا!
ابتدا یہ ہے کہ ہر ذرہ بیاباں ہو گیا

روح جب تڑپی نگاہ شوق عاشق بن گئی
دل جب اچھلا جلوہ گاہ حسن جاناں ہو گیا

ایک مرکز پر سمٹ آیا جہان آرزو
کثرت موہوم سے جب دل پریشاں ہو گیا

کس کو دیکھا پردۂ خاکی میں اپنی جلوہ گر
ڈالتے ہی اک نظر، مغرور انساں ہو گیا

کم نہ تھا یہ عالم ہستی کسی صورت مگر
وسعتیں دل کی بڑھیں اتنی کہ زنداں ہو گیا

دل کے پردے تو بن گئے سب نقشہائے رنگ رنگ
اک ذرہ موجد کل بزم امکاں ہو گیا

غم نے جنبش قلب کو دی جاگ اٹھی روح شوق
ساز چھیڑا درد نے مطرب غزلخواں ہو گیا

چشم پرنم زلف آشفتہ نگاہیں بیقرار
اس پشیمانی کے صدقے میں پشیماں ہو گیا

زعم تھا ذوق نگاہ وجذب دل پر ناگہاں
محو اک جلوے میں سب وجدان وعرفاں ہو گیا

چھوٹ سکتا تھا کہیں اس جسم سے داماں روح
پھر کبھی ملنے کا شاید عہد وپیماں ہو گیا

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ بیاباں جب ہوا عالم بیاباں ہو گیا

ورنہ کیا تھا، صرف ترتیب عناصر کے سوا
خاص کچھ بیتابیوں کا نام انساں ہوگیا

یوں بسر کی زندگی میں نے اسیری میں جگر
ہر طریقہ داخلِ آدابِ زنداں ہوگیا

ب

تری نگاہ ناز بایں شانِ اضطراب
ہم جانِ دردِ عشق و ہم ایمانِ اضطراب

اب تک تو تیرے فیض سے اے عشقِ معتبر
داغِ سکوں سے پاک دامانِ اضطراب

تو خود اگر نہیں تو بتا اے نگاہِ شوق
پھر کون ہے ؟ یہ سلسلہ جنبانِ اضطراب

ہر چند نجدِ عشق سے اٹھے ہزار قیس
نکلا مگر، نہ ایک بھی شایانِ اضطراب

پھر ہے وہیں چلا تھا جہاں سے دلِ غریب
آغاز ہی پہ رہ گیا پایانِ اضطراب

بے وجہ یہ سکون محبت نہیں جگر
اٹھنے کو ہے مگر کوئی طوفانِ اضطراب

ہو چکا تکملۂ صورت و معنائے بہار
تو بھی اب سامنے آ، او چمن آرائے بہار

میری نظروں میں ہے، وہ منظرِ زیبائے بہار
سب بہاریں ہیں جہاں گرد کفِ پائے بہار

تیرا گلشن ہی نہ بن جائے قفس اے بلبل
دیکھ محدود نہ کر، وسعتِ دنیائے بہار

عکسِ افسردگیِ شوق سراپائے خزاں
پر تو حسنِ نظر، صورتِ زیبائے بہار

باہر آنا ہی نہ تھا پردۂ بے رنگی سے
خود خزاں ساز بنی برقِ تجلائے بہار

تیرے دیوانے ہیں آزادِ تعین، ورنہ
یہ خزاں کو بھی جو دیکھیں تو نظر آئے بہار

ن

دل مرا توڑ کر کہا، اس نے زبان راز میں
سازمیں ـ نغمے وہ کہاں! ہیں شکست ساز میں

ہو کے فنائے ذاتِ حق دل مرا سوز و ساز میں
مرکز اصل بن گیا، دائرۂ مجاز میں

دونوں جہاں تھے غرق محو جس کی نگاہ میں
ایسا بھی ایک بت ملا بتکدۂ مجاز میں

خاک بھی اس غریب کی آہ کہ پھر نہ اٹھ سکی
تم نے جسے مٹا دیا پردۂ امتیاز میں

درد کا دل بڑھائے کون؟ پردہ اٹھائے کون
موت کی نیند آگئی غم کی حریم ناز میں

پھیلے پڑے ہیں جس قدر حسن کے جلوۂ لطیف
جی میں ہے سب سمیٹ لوں دامنِ امتیاز میں

وحدت خاص عشق میں ذکر ہی غیرت کا کیا
اپنے ہی جلوے دیکھئے اپنی ہی بزم ناز میں

یوں ہی مری نگاہ میں نقش و نگار کائنات
عالم خواب جس طرح دیدۂ نیم باز میں

حسن کمال عشق کا کوئی کمال رہ نہ جائے
ناز کا ایک سبق بھی لے درس گہ نیاز میں

مشرق غم سے لیکر طلوع ایک وہ آفتاب حسن
ڈوب سکے نہ جو کبھی، مغرب امتیاز میں

دونوں جہاں ہیں دو قدم اول و آخر ہوس
ان کو اٹھا تو ہے ابھی، خاص حریم ناز میں

غیر جو تلخ کام ہے، اس کے نصیب کی کمی
مجھ کو تو اک مزا ملا ہر غم جانگداز میں

توڑ کے سب قیود چل دل مدعا طلب
با لب خشک آہ سرد اس کی حریم ناز میں

جلد سکون و عیش سے ہاتھ اٹھا کہ بے خبر
تیری بقا کا راز ہے خلش جانگداز میں

اصل سے ہو کے بے خبر ڈھونڈ نہ اے دل حزیں
عیش و دوام عافیت غم کدہ مجاز میں

یہ جو تمام نغمہ ہے دعوتِ عام نغمہ ہے
موج خرام نغمہ ہے نغمہ نہیں ہے ساز میں

میری نیاز عشق کا ہو بھی رہے گا فیصلہ
آپ کمی نہ کیجئے اپنے جنونِ ناز میں

کام نہ آئیں عقل کی عقدہ کشائیاں جگرؔ
اور اضافہ ہو گیا سلسلہ ہائے راز میں

ندرت پسند کتنے عشاق خوش نظر ہیں — سینے تمام ویراں آنکھیں تمام تر ہیں
رنگینیٔ الم ہیں دیکھا ہے جن کو اکثر — اے دل! وہی تو جلوے سرمایۂ نظر ہیں
آساں نہیں گزرنا صحرائے بیخودی سے — ہشیار اہل تمکیں، رستے پُرخطر ہیں
اپنا نشاں بتائیں کیا رہروانِ غربت — برباد جستجو ہیں، پامال رہ گزر ہیں
درماندگی کے نالے بیچارگی کی آہیں — وہ شام کی ہیں رونق یہ زینت سحر ہیں
کیوں آسماں سے مل کر اپنا وقار کھوئیں — کیا کم ہے یہ کہ تیری ہم خاک رہ گزر ہیں

بزم مشاعرہ ہے یا گلشن تخیل
بلبل چہک رہا ہے یا حضرت جگرؔ ہیں

و

سمجھائے کون بلبل غفلت شعار کو — محدود کر لیا ہے چمن تک بہار کو
عصیاں کو بھی نہ ہو سکی تکمیل تجھ سے آہ — کیا منہ دکھاؤں رحمت پروردگار کو
اے دل! جو راہ عشق میں رکھا ہے تو نے پاؤں — کرنا نہ تنگ دائرہ اختیار کو
پھر دیکھنا بہار، بیابانِ عشق کی — گلشن بنا سکوں گا جب اس خارزار کو

بھڑکا رہا ہوں آتش عصیاں ہر ایک سمت
پھیلا رہا ہوں رحمت پروردگار کو

بیخودی کا نہ ہوا ملک کسی بیگانے کو — فطرت عشق سنبھالے رہی دیوانے کو

جب سے معلوم کیا دل کے نہاں خانے کو
آنکھ اٹھانے کی فرصت نہیں دیوانے کو

عشق معصوم صفت حسن ثقاہت دشمن
مختصر کون کرے شوق کے افسانے کو

پی کے اک جام وہ جلوے نظر آئے مجھ کو
دیکھتا ہوں کبھی مے کو کبھی میخانے کو

بجلیاں طور تصور پہ گرانے والے
پھونک دے پھونک دے ہستی کے سیہ خانے کو

میکشو! مژدہ کہ باقی نہ رہی قید مکاں
آج اک موج بہا لے گئی میخانے کو

غیر از دوست نہ تھا ہستیٔ عاشق کا وجود
کم نگاہی نے دیا طول اس افسانے کو

قیس و فرہاد ہوں یا سرمد و منصور جگر
ہم نے بے پایہ نہ دیکھا کسی دیوانے کو

نگراں کوئی بجز دیدۂ مسحور نہ ہو
جلوہ اس طرح دکھا فرق نہ ہو طور نہ ہو

خود جبینا بارہ جو اک جلوۂ مستور نہ ہو
آئینہ خانۂ عالم میں کہیں نور نہ ہو

راز غم فاش نہ ہو عشق جو مجبور نہ ہو
دیکھنا! کوئی پس پردۂ منصور نہ ہو

آج ہر زخم نظر آتا ہے پیمانہ بدست
اس میں کچھ شعبدۂ نرگس مخمور نہ ہو

کھول کر آنکھ ذرا دیکھ تو اے غافل
تیری ہستی ہی حجاب رخ پرنور نہ ہو

خاک ہے سوز غم عشق کی تاثیر کلیم
دل کا ہر ذرہ اگر برق سر طور نہ ہو

جتنے وہ پاس ہیں اتنا بھی نہ ہو پاس کوئی
جتنے وہ دور ہیں اتنا بھی کوئی دور نہ ہو

عین ایمان ہے انا الحق کا ترانہ لیکن
ہے یہ ہی کفر، اگر دیدۂ منصور نہ ہو

اس تقید پہ، تو یہ عالم ہے آزادی کا
کیا قیامت کرے انساں جو مجبور نہ ہو

ایک اک سانس ہے اس کے لئے پیغام مسرت
آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو

کوچۂ عشق سے باہر وہ نکل جائے جگر
جیتے جی جسے خاک میں ملنا منظور نہ ہو

ابھی کچھ روز ہی گزرے نہ تھے تخلیقِ انساں کو
ابھارا خود کسی کو مصلحت نے ذوقِ عصیاں کو

ملک اور سجدہ کرتا، ایک مشتِ خاکِ انساں کو
کمالاتِ نبوت نے کیا کافر مسلماں کو

کسی صورت نہ ہونے دوں عیاں اسرارِ جاناں کو
جو چاکِ سینہ فرصت دے تو میں سی لوں گریباں کو

خدا رکھے سلامت اس دلِ برباد ویراں کو
بیاباں میں لئے بیٹھا ہے اک جانِ گلستاں کو

خزاں آتے ہی ٹوٹیں جلوہ ظاہر کی سب قیدیں
شکستِ رنگ نے پرواز بخشی طائرِ جاں کو

عزادار ہستا ہوں، نہ پوچھو میری یہ بازی
گراں بارِ مصیبت ہوں نہ دیکھو میرے ساماں کو

یہاں پہ روز کر لیتے ہیں سیرِ دو جہاں وحشی
خدا رکھے سلامت، سایۂ دیوارِ زنداں کو

نہ پوچھی بات بھی اس شوخ کی نگاہوں نے
لئے بیٹھا رہا زاہد متاعِ دین ایماں کو

ابھی اے جوشِ وحشت کون یہ ہنستا ہوا گزرا
ترے دامن کے ٹکڑے یاد کرتے ہیں گریباں کو

عطا کر وہ مذاقِ عشق اے بیگانہ عالم
کہ تیری آنکھ سے دیکھوں ترے حسنِ نمایاں کو

کمالِ ذوقِ لذتِ اسیری تو کہاں ممکن
بقدرِ ظرف حصہ مل گیا ہر اہلِ زنداں کو

نہ تھا کوئی حجاب اک لغزشِ مستانہ کے آگے
مآل اندیشیوں ہی نے کیا گمراہ انساں کو

مزاجِ حسن و تکلیفِ تجلی اے معاذ اللہ
بس اب رسوا نہ کر اے بیخودی شوقِ پشیماں کو

نہیں آپے میں کوئی کس کو ہوا احساسِ نظارہ
خبر ہے نگاہوں کو تو واجد ہے رگِ جاں کو

نکاتِ عشق حل کرتی ہے ہر جنبش نگاہوں کو
زبانِ آگہی سمجھو، سکوتِ اہلِ عرفاں کو

دکھا کر اک جھلک سامانِ راحت جس نے لوٹا تھا
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں پھر اسی غارت گرِ جاں کو

تغافل بھی کسی کا وجہ تسکیں اے جگر کیا ہو
سمجھتا ہے یہ دل کمبخت پرسشہائے پنہاں کو

ی

قدرت کی آن والے رحمت کی شان والے
تجھ پہ جہاں تصدق اے پاک جان والے

دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری
بوسیدہ کپڑوں والے، ٹوٹے مکان والے

ایسے تھے آپ امی کھولی زبان جس دم
دم بھر میں بے زباں تھے ساری زبان والے

روضہ پہ اے صبا تو جا کر یہ عرض کرے
مجبور کب تک آخر ہندوستان والے

اک جنبش نگاہ کے، سب منتظر کھڑے ہیں
پر درد قلب والے پر سوز جان والے

ہنسی بکھرنے لگی عشق کے فسانے کی
نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانے کی

چلی کچھ ایسی مخالف ہوا زمانے کی
پناہ برق نے لی مرے آشیانے کی

یہ شرح ہے دل عشاق کے فسانے کی
کہ گردشیں ابھی محور پہ ہیں زمانے کی

اب آگے دیکھیں کرے کیا ہوا زمانے کی
قفس میں طرح تو ڈالی ہے آشیانے کی

جنہیں سمجھتے ہو نیرنگیاں زمانے کی
جدا جدا ہیں یہ شرحیں مرے فسانے کی

یہ بزم دل، خس و خاشاک پہ نہیں موقوف
اجڑ کے بھی وہی رونق ہے آشیانے کی

خزاں فسردگی شوق نا تمام مری
بہار ہستی ناقص مرے فسانے کی

تعینات کے ہیں وصل و ہجر دو پہلو
حیات و موت ہیں دو گردشیں زمانے کی

زبان غیر کجا، انکشاف راز کجا
کھلی نہ مجھ پہ حقیقت مرے فسانے کی

ہر پردۂ ہستی میں جب تو متشکل ہے
حیراں ہوں میں جلوہ پھر کونسا باطل ہے

صحرا ہے نہ بستی ہے دریا ہے نہ ساحل ہے — جو کچھ نظر آتا ہے اک شعبدۂ دل ہے
کیا چیز ہے کل عالم؟ کیا چیز مراحل ہے — حیرت کا ایک آئینہ حیرت کے مقابل ہے
حیراں ہوں کہ آخر کیوں بیچ میں حائل ہے — مرا تیرا رشتہ تو بے واسطۂ دل ہے
خود شورش ہستی ہے تمہید فنا یعنی — ہنگامۂ محفل ہی برہم زنِ محفل ہے
جس میں کہ ترے جلوے خود تیرتے پھرتے ہیں — اس خوں کا ہر قطرہ، کونین کا حاصل ہے

وسعت نے نگاہوں کی تاریک کیا منظر
ایک ایک قدم ورنہ خود عشق میں منزل ہے

جدھر کو جھوم کے مست شراب دیکھیں گے — تمام زاہد ربانی خراب دیکھیں گے
بغور عالم ہستی پہ جب کریں گے نگاہ — ہر ایک موج کو موج سراب دیکھیں گے
بھرے ہیں جن کی ہر اک رگ میں سرمدی نغمے — وہ خاک محفل چنگ و رباب دیکھیں گے
ادب معاملہ داں، شوق مصلحت دشمن — خبر نہیں کہ کسے کامیاب دیکھیں گے

جگر کی بادہ کشی ان دنوں معاذ اللہ
جب آپ دیکھیں گے غرق شراب دیکھیں گے

چشم نظر پرست ہیں، جس کا جہاں نام ہے — حسن تمام یار کا جلوہ ناتمام ہے
کس کے فروغ حسن کا آج یہ فیض عام ہے — شام نثار صبح ہے صبح نثار شام ہے
خلوتیاں راز کا خاص یہ اک پیام ہے — کیف وصال دوست بھی منزل ناتمام ہے
حسن کی بارگاہ میں رکھیے سنبھال کر قدم — یہ وہ مقام ہے جہاں خواہش دل حرام ہے
گرمی سوز عشق کو جلا تو بوالہوس — صبح کو بھی نہ بجھ سکے یہ وہ چراغ شام ہے
شوق کی انتہا ہو، یا فریب عاشقی — شور انا الحبیب کا خاصہ مقام ہے

یک بلا کی بیخودی ایک غضب کی بے حسی
دورِ حیات کہتے ہیں جس کو وہ دورِ جام ہے

بندگی جنوں اور بیخودی ادب سرشت
حسن کی اصطلاح میں عشق اسی کا نام ہے

ایک ادائے پُرسکوت لاکھ نوائے پُرخروش
وہ روش خاص تھی یہ روش عام ہے

شیفتہ صفات کو کوئی سکون ہو تو ہو
عاشقِ ذات کو کہاں ایک جگہ قیام ہے

اب تو خدا کے واسطے زیست کا دو جگر ثبوت
خوابِ گراں وہی ہے اور وقت قریبِ شام ہے

سوز میں بھی وہی اک نغمہ ہے جو ساز میں ہے
فرق نزدیک کی اور دور کی آواز میں ہے

یہ سبب ہے کہ تڑپ سینۂ ہر ساز میں ہے
مری آواز بھی شامل تری آواز میں ہے

جو نہ صورت میں نہ معنی میں نہ آواز میں ہے
دل کی ہستی بھی اسی سلسلۂ راز میں ہے

ہمہ تن محو دل اک نغمۂ بے ساز میں ہے
اب نہ مطرب میں کوئی فرق نہ آواز میں ہے

عاشقوں کے دلِ مجروح سے کوئی پوچھے
وہ جو اک لطف نگاہِ غلط انداز میں ہے

گوشِ مشتاق کی کیا بات ہے اللہ اللہ
سن رہا ہوں میں وہ نغمہ جو ابھی ساز میں ہے

حسنِ انجام یہ کس طرح تصدق کر دوں
وہ جو اک لطف ہر اک لغزشِ آغاز میں ہے

حرم و دیر نظر آتے ہیں سب سر بہ سجود
جلوہ گر کون ہے تیرے شوقِ جبین ساز میں ہے

کیونکر نہ روشن تجھ سے ہوں کون و مکانِ عاشقی
تو شمعِ بزمِ آرزو، تو نورِ جانِ عاشقی

اللہ رے سوزِ دل خونِ کشتگانِ عاشقی
پنہاں ہے اب تک خاک میں برقِ نہانِ عاشقی

یکسر ازل سے ہی چلے، شوریدگانِ عاشقی
نشتر بجاں آرزو وہ آتش بجانِ عاشقی

کیا قصۂ جورِ فلک، کیا داستانِ عاشقی
سب جانتی ہے وہ نظر دردِ نہانِ عاشقی

ناکام ہی ابتک رہے بدنام ہی ابتک رہے
ہم بیکسان بیکسی، ہم عاشقان عاشقی

گو لب پہ آہ سرد ہے چہرہ بھی غم سے زرد ہے
پھر بھی یہی اک درد ہے آرام جان عاشقی

اٹھنے کو ہے انکی نظر ہونیکو ہے وہ آنکھ تر
ہاں تیز کردے بیخبر، ساز نہان عاشقی

برہم ادھر بزم جہاں تاراج باغ و آشیاں
طاری وہی اب تک یہاں خواب گران عاشقی

ان کی نگاہ لطف ہے اور کشف راز دلبری
میری نگاہ شوق ہے اور داستان عاشقی

آؤ جہاں برہم کریں پیدا نیا عالم کریں
تم جان جان حسن ہو ہم جان جان عاشقی

یہ قطرہ ہے حسرتؔ[1] جگر، نشتر سے بھی ہے تیز تر
سیراب غم کرے کہیں پیر مغان عاشقی

وہ بزم تماشا بھی کیا بزم تماشا ہے
جو جلوہ ہے پردہ ہے جو پردہ ہے جلوہ ہے

یہ حسن طلب ہی کا اک جلوۂ رعنا ہے
کس نے اسے دیکھا کس نے اسے پایا ہے

دنیا یہ اسی کی ہے، عالم یہ اسی کا ہے
جو آپ ہی مجنوں ہے جو آپ ہی لیلا ہے

آغاز محبت کا انجام بس اتنا ہے
جب دل میں تمنا تھی اب دل ہی تمنا ہے

بیکار ہے، اے مجنوں! یہ پیکر آب و گل
اس چیز کا طالب بن جو اصل میں لیلا ہے

کیا حسن کا افسانہ محدود ہے لفظوں میں
آنکھیں ہی کہیں اسکو آنکھوں نے جو دیکھا ہے

کہنے کے لئے کہہ لیں سب کچھ اسے اہل دل
خود ورنہ، محبت بھی اک طرح کا پردا ہے

اس دور میں مجنوں ہی کوئی نہ رہا ورنہ
اب تک وہی محمل ہے ابتک وہی لیلا ہے

بھر دو انہیں جلووں سے یا آگ لگا دو تم
آنکھیں بھی تمہاری ہیں، سینہ بھی تمہارا ہے

تاثیر محبت کی اللہ رے مجبوری
ہر بعد ہے اک قربت ہر قرب میں اک دوری

یوں محو فنا ہو جا اے دل! رہ الفت میں
ہر سانس سے پیدا ہو اک نغمۂ منصوری

[1] جناب مولانا حسرتؔ موہانی - ۱۲ جگر

کل ہستئ عالم پہ طاری ہیں صفات انکے ‌ ‌ سب کہنے کی باتیں ہیں مختاری و مجبوری
خود اپنے لئے بلبل، تجویز قفس کر لے ‌ ‌ اس پر بھی جو کھل جائے صیاد کی مجبوری

تو نے ہی جگرؔ اس کو مٹی میں ملایا ہے
ورنہ یہ دل تھا اک آئینۂ نوری

آدمی نشۂ غفلت میں بھلا دیتا ہے ‌ ‌ ورنہ جو سانس ہے تعلیم فنا دیتا ہے
تجھ سے دور کسی وقت نہیں ہوں غافل ‌ ‌ دل میں بیٹھا ہوا کوئی یہ صدا دیتا ہے
بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی! لیکن ‌ ‌ اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزا دیتا ہے
پھر شرابی تری آنکھوں کے نہ چونکے تا حشر ‌ ‌ کوئی اس طرح مے ہوش ربا دیتا ہے
جھلملاتے ہوئے تاروں کا یہ اللہ رے فیض ‌ ‌ سامنے سے کوئی پردہ سا ہٹا دیتا ہے
تجھ سے وحشی ترے غافل نہیں رہنے پاتے ‌ ‌ روز اگر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

ہائے کیا چیز، گل داغ محبت ہے جگرؔ
خشک ہونے پہ بھی جو بوئے وفا دیتا ہے

رند وہ ہوں کہ غزل بھی مری رندانہ ہے ‌ ‌ معنی و لفظ نہیں، بادہ پیمانہ ہے
اپنی ہستی کے جو انوار سے بیگانہ ہے ‌ ‌ وہ فقط چند حجابات کا دیوانہ ہے
ہجر جاناں میں غضب شورش مستانہ ہے ‌ ‌ روح قالب میں نہیں قید میں دیوانہ ہے
سلسلہ روز ازل سے ہے برابر جاری ‌ ‌ نہیں معلوم کہاں تک مرا افسانہ ہے
حیرت عشق بھی کیا چیز ہے اللہ اللہ ‌ ‌ نہ یگانہ ہے یہاں کوئی نہ بیگانہ ہے
چھیڑ اے مطرب غم، تانہ غزل کوئی مگر ‌ ‌ یہ نہ معلوم ہو مجھ کو، مرا افسانہ ہے
کل جہاں گرم تھا ہنگامۂ تاثیر و نظر ‌ ‌ آج دیکھا تو بس ایک دشت ہے ویرانہ ہے

بت پرستوں پہ عبث طعن ہیں اے شیخ حرم — اپنے بت دیکھ کہ تو آپ ہی بتخانہ ہے
دوش دہر کا ہر نقش پکارے گا مجھے — یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے
واہ کیا مست غزل تو نے پڑھی آج جگر — ایک ایک لفظ چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

دل حزیں کی تمنا، دل حزیں میں رہی — یہ جس زمیں کی تھی دنیا اسی زمیں میں رہی
حجاب بن نہ گئی ہوں حقیقتیں باہم — کہ بے سبب تو کشاکش کفر و دیں میں رہی
سر نیاز نہ جب تک کسی کے در پہ جھکا — برابر ایک خلش سی مری جبیں میں رہی
ہوس نے بھر دیئے اسد رہ خواہشات کے بت — ذرا سی بھی نہ جگہ کعبۂ یقیں میں رہی
بقید ظرف مئے بندگی کا جوش رہا — کہ راز بن کے دل صورت آفریں میں رہی
نگاہ حضرت اصغر[۱] کی ہر ودیعت خاص — قرار بن کے جگر کے دل حزیں میں رہی

کیا بلا عشاق تماشا ساز ہے — اس کا انجام اک آغاز ہے
موت پر حیرانی و حیرت ہی کیا — زندگی خود اک طلسم راز ہے
روح ہے ایک نغمۂ ساز الست — جسم خاکی پردۂ آواز ہے
ان کو اپنی شان رحمت پر غرور — مجھ کو اپنی بے بسی پر ناز ہے
لفظ و معنی جس کو چھو سکتے نہیں — وہ مرا افسانہ آغاز ہے
لب تک اے صیاد آسکتی نہیں — دل میں جتنی حسرت پرواز ہے
یوں نہ دیکھے کوئی تو کچھ بھی نہیں — ورنہ ہر ذرہ طلسم راز ہے
ہوشیار اے طائر جاں ہوشیار — اس گلستاں کی ہوا ناساز ہے
سر ہستی دو عالم کچھ نہ پوچھ — ابتدا سے انتہا تک راز ہے

[۱] حضرت مولانا اصغر گونڈوی نور اللہ مرقدہ ۔ ۱۳ جگمہ

اضطراب دل بھی کیا شے ہے کہ اب — بے پروبالی ہی پر پرواز ہے
زندگی کیا ہے؟ نمود عاشقی — عشق کیا ہے؟ حسن کا آغاز ہے

زندگی جس سے عبادت ہے جگرؔ
وہ کسی کی اک نگاہ ناز ہے

مسرور ہوں، کیف دردِ جگری سے — کچھ کام اثر سے ہے نہ بے اثری سے
کہتے ہیں جسے اہل نظر، ہوش کی دنیا — کچھ کچھ ہے خبرداری مری بےخبری سے
وہ بن گئے سب سینۂ گردوں کے ستارے — بھڑکے تھے جو شعلے مری داغ جگری سے
پھولوں کا نہ وہ رنگ نہ بلبل کے انداز — عالم ہے مبدل مری حرماں نظری سے
ہر چیز پہ پڑتی ہیں تحیر کی نگاہیں — چھوٹا ہوں، جواب سلسلہ بےخبری سے
جب آہ مری، یارب اثر دیکھ چکی سب — تب جا کے ہوا ربط کہیں بے اثری سے
سمجھا گیا، اک جلوۂ بےتاب کسی کا — جو راز محجوب تھا، فہم بشری سے
دل خون ہوا جاتا ہے، لب پر ہے تبسم — ہم جاں فدا کرتے ہیں کس بےجگری سے

للہ جگرؔ! اب تو ذرا ہوش میں آجا
تنگ آگئے احباب تری بےخبری سے

سنا ہے حشر میں ایک حسنِ عالمگیر دیکھیں گے — خدا جانے تجھے یا اپنی ہی تصویر دیکھیں گے
دل برباد ہی میں حسن کی تنویر دیکھیں گے — ابھی برگ حرماں دیدہ پر اک تصویر دیکھیں گے
جدا ہرگز نہ حسن و عشق کی تصویر دیکھیں گے — وہ جب دیکھیں گے مری خاک دامنگیر دیکھیں گے
اگر فرصت ملی، عرفانِ تاثیرِ محبت سے — تجھے بھی ایک دن اے آہ بےتاثیر دیکھیں گے
رہائی ہو نہیں سکتی کبھی قیدِ تعلق سے — جو اک زنجیر ٹوٹی دوسری زنجیر دیکھیں گے

بغور اس ہستیِ خاکی پہ بھی ہم اک نظر کر لیں
قیامت تک نہ پھر ایسی کوئی تصویر دیکھیں گے

اب اس صورت سے کیا آئیں ترے آئینہ خانے میں
تری تصویر ہی بن کر تری تصویر دیکھیں گے

کس قدر جامع ہے ترا عالم تصویر بھی
حسن کی تشریح بھی ہے عشق کی تفسیر بھی

روح کیا، رنگینیوں سے جسم بھی ہے فیضیاب
کم نہیں تصویر سے آئینۂ تصویر بھی

تو نے نالے عشق میں جتنے کئے اے بے خبر
ہو گئی اتنی ہی ضائع عشق کی تاثیر بھی

اس کی عالی ہمتی کا کیا ٹھکانہ اے جگرؔ
ننگ ہو جس کے لئے فریاد بھی تاثیر بھی

یہ دور منتعار خزاں و بہار کے
دو سلسلے ہیں اک نگہ فتنہ کار کے

دارفتگانِ عشق ہوں ہم رنگ کس طرح
عالم جدا جدا ہیں نگہ ہائے یار کے

ہونے دیا تعلق اصلی نہ منقطع
مجبوریاں بھی ساتھ چلیں اختیار کے

دیوانہ جنوں کی وہ ہے ایک سیرگاہ
تھمتے نہیں ہیں پاؤں جہاں ہوشیار کے

اگر قفس میں اب یہ کھلا ہے معاملہ
ہم اہل تھے خزاں کے نہ رنگ بہار کے

رگ رگ میں دوڑ گئی موج سرخوشی
قربان تیری لغزش مستانہ وار کے

پہنچا دیا مقام قناعت تک اے جگرؔ
صدقے میں اپنے اس غم ہمت شکار کے

در فردوس نظر آنے لگا باز مجھے
دیکھئے دیجئے اک اور بھی آواز مجھے

دیکھنا شوخیِ نیرنگ محبت کا سلوک
حسن انجام بھی ہے حسرت آغاز مجھے

ایک گوشہ ہی قفس کا مجھے بس ہے صیاد
بال و پر دیں نہ اگر ہمت پرواز مجھے

لے میرے نزدیک صحیح ہے۔ جگرؔ

دید کیسی؟ گرانتا ہے کہ گاہے گاہے — پردۂ دل سے سنا دیتے ہیں آواز مجھے

ساقی ہے شراب ہے سبو ہے — اول وہ بڑھے جو باوضو ہے

مقصود وہ مقام ہو ہے — میں ہوں نہ جہاں نہ یار تو ہے

اپنے کو میں آپ پوجتا ہوں — آئینہ حسن روبرو ہے

کوئی نہ یہاں عدم نہ ہستی — اول آخر، جو کچھ ہے، تو ہے

وہ میری طرف بڑھا دے گلچیں
جن پھولوں میں رنگ ہے نہ بو ہے

خاص اک شان ہے یہ آپ کے دیوانوں کی — دھجیاں خود بخود اڑتی ہیں گریبانوں کی

سخت دشوار حفاظت تھی گریبانوں کی — آبرو موت نے رکھ لی ترے دیوانوں کی

رحم کر اب تو جنوں جان پہ دیوانوں کی — دھجیاں پاؤں تلک آ پہنچیں گریبانوں کی

گرد بھی مل نہیں سکتی ترے دیوانوں کی — خاک چھانا کرے اب قیس بیابانوں کی

ہم نے دیکھی تھی ادا اگلی ترے دیوانوں کی — دھجیاں کچھ لیے بیٹھے تھے گریبانوں کی

ابتدا عشق کی ہے فطرت انساں کی نمود — انتہائے عشق کی تکمیل ہے انسانوں کی

جب سے غش کھا کے گرے حضرت موسیٰ سر طور — گھٹ گئی شان ہی کچھ عشق کے افسانوں کی

دل میں باقی نہیں وہ جوش جنوں ہی ورنہ — دامنوں کی نہ کمی ہے نہ گریبانوں کی

اس نے جو آگ لگا دی وہ فروزاں ہی رہی
بجھ گئی آگ لگائی ہوئی ارمانوں کی

جگر پارے

مٹایا جس قدر ہستی کو تصویریں ہوئیں پیدا
ہوئے ہم جس قدر آزاد، زنجیریں ہوئیں پیدا

پاس ادب سے چھپ نہ سکا راز حسن عشق
جس جا تمہارا نام سنا سر جھکا دیا

جس میں آباد تھی دنیائے محبت
ہائے اس اشک کا آنکھوں سے جدا ہونا

امید عفو کو بھی میں نے اب دل سے مٹا ڈالا
یہ تھا ایک بدنما دھبہ مرے دامان عصیاں کو

اس جلوۂ ترنم کی ہم کو خبر ہی کیا
اک ناتواں سا رقص تار نظر ہی کیا

مرا احساس غم اے کاش اتنا تیز ہو جاتا
جو چھو جاتی ہوا دل درد سے لبریز ہو جاتا

نہ رکھا دل کو احساس گناہ نے مشتعل ورنہ
یہ ہی ظلمت کدہ اک دن تجلی خیز ہو جاتا

یہ ساری لذتیں ہیں مرے شوق نامکمل تک
قیامت تھی یہ پیمانہ اگر لبریز ہو جاتا

نشۂ صہبائے غفلت جب ذرا کچھ کم ہوا
مجھ کو ہر ذرہ مری ہستی کا ساز غم ہوا

تیرے اسرار حقیقت کا وہی محرم ہوا
رہ کے عالم میں بھی جو بیگانۂ عالم ہوا

ربط باطن اس کو کہتے ہیں کہ روز اولیں
روح مضطر ہی رہی جب تک نہ پیدا غم ہوا

توڑ کر سینہ و دل یار کا پیکاں نکلا
جان نکلی مرے اللہ کہ ارماں نکلا

تھی حریم ناز کے پردوں میں بھی جنبش تمام
ایک رنگ خاص سے جب مضطرب تھا دل مرا

مڑ کے پھر میں نے نہ دیکھا میں ہوں ایسا رہ نورد
دیکھتا ہی رہ گئی حسرت سے منزل مرا

بے دلی پہ کیوں ہراساں ہوں کہ ہے مجھ کو خبر
خود نگاہ ناز ہی اک دن بنے گی دل مرا

عشق کی دسترس ہو گیا جلوہ بے پناہ تک — دیکھ نہ سکی نگاہ بھی کر نہ سکے اک آہ بھی

بیان اہل دل ہے کب اسیر قیل و قال میں — نظر ملی ہو گیا تبادلہ خیال میں
تھی سکون یاس میں بھی موجزن اک برق حسن — میں یہ سمجھا تھا کہ اب کوئی شریک دل نہیں

کس کو رہا ہے، پاس عشق، کس کو رہے گا پاس حسن
حسن میں گم حواس عشق، عشق میں گم حواس حسن
دیدۂ شوق سے ہوئیں آج وہ گل فشانیاں
ڈوب گئی بہار میں سادگی لباس حسن

بیکساں راہ الفت کو سنبھلتے کیا ہو — عرش ہل جائے اگر دل سے یہ فریاد کریں
غفلتوں میں قید کب فطرت کے کاروبار ہیں — روح کہتی ہے کہ سوئیں آپ، ہم بیدار ہیں
جمع ہیں اضداد تو قائم ہے شان امتیاز
کلفتیں ہی مٹ گئیں تو راحتیں بیکار ہیں

قطعہ

مست جام شراب ہوتا ہوں — ہمہ تن آفتاب ہوتا ہوں
کل دکھایا تھا آپ نے جلوہ — آج میں بے نقاب ہوتا ہوں

قطعہ

ہو گئے مرگ و زیست سے آزاد — حسن انجام اس کو کہتے ہیں
بعد مرنے کے بھی قرار نہیں — مرگ ناکام اس کو کہتے ہیں

برق گرتی ہے کہیں چلتی ہے شمشیر کہیں ۔ وہ کہیں خود عشوہ فرما ان کی تصویر کہیں

جذبۂ دل رنگ بن کر مائل پرواز

لے کے اڑ جائیں مصور کو نہ تصویریں کہیں

جان ان پر نثار کرتا ہوں ۔ پیار کی طرح پیار کرتا ہوں

لذتِ گریۂ فراق نہ پوچھ ۔ ہر تبسم نثار کرتا ہوں

عشق کی بے نیازیاں بن کر

حسن کو بے قرار کرتا ہوں

جو آنسو آنکھ سے ٹپکے وہ نظروں سے نہاں کیوں ہو ؟

الٰہی حاصل درد محبت رائیگاں کیوں ہو ؟

یہی منشائے جاناں ہے تو افشا راز حال کیوں ہو ؟

کمال ضبط بھی اے دل ، اک انداز بیاں کیوں ہو ؟

عقل باریک ہوئی جاتی ہے

روح تاریک ہوئی جاتی ہے

یہ کس سے کلام ہو رہا ہے ۔ ہر سانس پیام ہو رہا ہے

ہشیار کو کب خبر ہے اس کو ۔ غفلت سے جو کام ہو رہا ہے

ہر نقش جبین عاشقی کا

سجود انام ہو رہا ہے

چھپ کے وہ نہیں سکتی ، عاشقی وہ مستی ہے ۔ دل سے بادل اٹھتے ہیں آنکھ سے برستی ہے

ہوش کا وہ بندہ ، یہ سجدہ ریز مستی ہے ۔ آدمی کی فطرت میں یعنی بت پرستی ہے

بے خبر! یہی تو ہے دو جہاں کا سرمایہ
یہ جو تیرے سینے میں مضطرب سی ہستی ہے

ناگوار ہے یہ شانِ جہد آرا دی مجھے
میں تو مر جاؤں جو کہہ دے کوئی فریادی مجھے

کیا کیا خیال و وہم نگاہوں پہ چھا گئے
جی دھک سے ہو گیا، یہ سنا جب وہ آ گئے

شوق محوِ آرائش، عشق غرق وحدت ہے
ایک نظر میں مستی ہے، ایک نظر میں حیرت ہے

کیا مزاج دل کہتے، دل کی اب یہ صورت ہے
حال ہے نہ بے حالی کچھ عجیب حالت ہے

کسی طرف سے شب غم صدا نہیں آتی
پکارتا ہوں قضا کو، قضا نہیں آتی

ترے فراق کے غم نے بچا لیا سب سے
مرے قریب اب کوئی بلا نہیں آتی

ہر قدم پہ گر گر کر، آدمی سنبھلتا ہے
یعنی خضر بھی کوئی ساتھ ساتھ چلتا ہے

گزر سکے، تو گزر جا، بطرزِ بے خبری
یہ کل جہاں ہے فریبِ تجلیِ نظری

میں بتاؤں تجھ کو یہ راز کیا؟ تو اسیر دامِ قیود ہے
میں جہاں ہوں نغمہ سرا وہاں نہ وجود ہے نہ نمود ہے

ہوشیار اے دیدۂ گستاخ عاشق ہوشیار
اس کے استغنائے وقتی پہ نہ جانا چاہیئے

بزمِ ساقی میں نہیں کچھ کام عقل و ہوش کا
مست جانا چاہیئے، مدہوش آنا چاہیئے

محبت کی پیچ پیچ راہوں نے مارا
تری آڑی ترچھی نگاہوں نے مارا

وہ غرقِ معرفت ہے یہ محو ما و من میں ہے
عین قربت پر بھی کتنا بعد روح و تن میں ہے

ہم سے پوچھو وہ کہاں ہے اور کس مسکن میں ہے
درد کی مینا ہوں میں، قلب کی دھڑکنوں میں ہے

کہاں تک عذابِ محبت اٹھائیں
بس اب وہ ہمیں یا ہم انہیں بھول جائیں

نغماتِ جگر

یعنی

انتخاب داغِ جگر

یا

کلامِ دورِ اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا — جس رنگ میں دیکھا تجھے یکتا نظر آیا
جب اس رخِ پُرنور کا جلوہ نظر آیا — کعبہ میں نظر آیا نہ کلیسا میں نظر آیا
یہ حسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں — آنکھوں کو خدا جانے مری کیا نظر آیا
جب دیکھ نہ سکتے تھے تو دریا بھی تھا قطرہ — جب آنکھ کھلی، قطرہ بھی دریا نظر آیا
قربان تری شانِ عنایت کے دل و جاں — اس کم نگہی پہ مجھے کیا کیا نظر آیا
ہر رنگ ترے رنگ میں ڈوبا ہوا نکلا — ہر نقش، ترا نقشِ کفِ پا نظر آیا
آنکھوں نے دکھا دی جو ترے غم کی حقیقت — عالم مجھے سارا تہ و بالا نظر آیا

ہر جلوے کو دیکھا، ترے جلووں سے منور
ہر بزم میں تو انجمن آرا نظر آیا

پیوست دل میں جب ترا تیرِ نظر ہوا
کس کس ادا سے شکوۂ دردِ جگر ہوا

کچھ داغِ دل سے تھی مجھے امیدِ عشق میں
سو رفتہ رفتہ وہ بھی چراغِ سحر ہوا

تھم تھم کے ان کے کان میں پہنچی صدائے دل
اڑ اڑ کے رنگ چہرہ مرا نامہ بر ہوا

سینے میں پھر بھڑکنے لگی آتشِ فراق
دامن سے پھر معاملۂ چشمِ تر ہوا

رگ رگ نے صدقہ کر دیا سرمایۂ شکیب
اللہ کس کا خانۂ دل میں گذر ہوا

فریاد کیسی! کس کی شکایت! کہاں کی حشر
دنیا ادھر کو ٹوٹ پڑی وہ جدھر ہوا

وارفتگیٔ شوق کا، اللہ رے کمال
جو بے خبر ہوا، وہ بڑا باخبر ہوا

حسرت اس ایک طائرِ بیکس پہ اے جگر
جو فصلِ گل کے آتے ہی بے بال و پر ہوا

تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں
میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا

دل کو نہ چھیڑ اے غمِ فرقت کہ اب یہ دل
تیرے بھی التفات کے قابل نہیں رہا

اٹھتے ہیں تیری راہ میں جب مرے قدم
احساسِ کرب و دوریٔ منزل نہیں رہا

تجھ کو تسلیم حسیں ساری جماعت نے کیا
دیکھ کیا کام مرے دردِ محبت نے کیا

اللہ اللہ یہ تاثیرِ فغانِ شبِ ہجر
خیر مقدم مرے نالوں کا قیامت نے کیا

ستم کا عدو مستحق ہو گیا
مرا دل سراپا قلق ہو گیا

سنانے چلے تھے انہیں حالِ دل
نظر ملتے ہی رنگ فق ہو گیا

جو کچھ بچ رہا تھا مرا خونِ دل
وہی آسماں پر شفق ہو گیا

چھپائے ہوئے تھے ترا راز عشق
مگر اب تو سینہ بھی شق ہو گیا

مری موت سن کر، کیا اس نے ضبط
مگر رنگ چہرے کا فق ہو گیا

گھڑی بھر میں نا آشنا ہو گیا
نہ جانے مرے دل کو کیا ہو گیا

دھڑکنے لگا دل نظر جھک گئی
کبھی ان سے جب سامنا ہو گیا

مرے سر پہ احسان عشق کا
مرا دنگ ہی دوسرا ہو گیا

نمایاں ہیں چہرے سے آثار عشق
جگر آج سے باخدا ہو گیا

تری یاد کی اف یہ سرمستیاں
کوئی جیسے پی کر شراب آگیا

مرا ان کا بننا بگڑنا ہی کب!
نگاہیں ملیں، اور حجاب آگیا

اداؤں میں شوخی جھلکنے لگی
قیامت کو لے کر شباب آگیا

ادھر جوشِ مستی، ادھر چشم شوق
مصیبت میں بند نقاب آگیا

جگر! یہ قیامت کی بے ہوشیاں
اٹھو سر پہ اب آفتاب آگیا

بغور دیکھو لو انداز میرے مٹنے کے
یہ سانحہ نہ کبھی پھر نظر سے گذرے گا

قریب سرحد حرماں جگو ٹھہر جائے
سنا ہے قافلۂ غم ادھر سے گذرے گا

تصویر امیدوں کی آئینہ ملالوں کا
انساں جسے کہتے ہیں محشر ہے خیالوں کا

کیا خاک جواب ان کو دوں ان سوالوں کا
لب خشک ہیں زخموں منہ بند ہے چھالوں کا

ہاں ٹھیس نہ لگ جائے اے دردِ غم فرقت
دل آئینہ خانہ ہے، آئینہ جمالوں گا

دل پہ طاری ہے جسی ضعف کا عالم ہوا — گھٹ گئی اتنی ہی طاقت درد جتنا کم ہوا
آہ رو لینے سے بھی کب بوجھ دل کا کم ہوا
جب کسی کی یاد آئی پھر وہی عالم ہوا

حشر کے دن وہ گنہگار نہ بخشا جائے — جس نے دیکھا تری آنکھوں کا پشیماں ہونا
پردہ رکھنا تھا جو منظور تو عاشق کے لئے — دامن یار کو لازم تھا گریباں ہونا
سن کے افسانۂ غم باغ میں کملا گئے پھول — شاق گذرا مجھے بلبل کا غزلخواں ہونا
جس کو نعمت یہ ملے کیوں وہ رہے آزردہ
سو خوشی ایک ترے غم میں پریشاں ہونا

پریشاں ہو کے زلفوں کا وہ اس رخ پر بکھر جانا — وہ سوتے سوتے چونک اٹھنا وہ لپٹے لپٹے ڈر جانا
نقش وفا کا رنگ مٹایا نہ جائے گا — مل بھی گیا جو زہر تو کھایا نہ جائے گا
سر سے جنون عشق کا سایہ نہ جائے گا — تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا
دل نے اگر چھپا بھی لیا داغ آرزو — آنکھوں سے تو یہ راز چھپایا نہ جائے گا
مجھ ناتوانِ عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا — دامن پکڑ لیا، تو چھڑایا نہ جائے گا
ان کو بلا کے اور پشیماں ہوئے جگر
یہ کیا خبر تھی ہوش میں آیا نہ جائے گا

جان ہے بیقرار سی جسم ہے پائمال سا — اب نہ وہ داغ وہ جگر، صرف ہو اک خیال سا
چاہیئے عشق میں مجھے آپ ہی کا جمال سا — داغ ہر ایک بدر سا زخم ہر ایک ہلال سا
جس نے بنا دیا مجھے، وحشی و خستہ حال سا — ہائے وہ شکل چاند سی ہائے وہ قد نہال کا
دل پہ مرے گرائی تھیں تم نے ہی بجلیاں مگر — آؤ نظر کے سامنے مجھ کو ہے احتمال سا

ہائے رے وہ عتاب میں ان کی ادائیں اُن کی شکل
آنکھیں بھی سرخ سرخ سی چہرہ بھی لال لال سا

اٹھتے ہی پائے یار کے باغ کا باغ اجڑ گیا
پھول بھی تباہ سے سبزہ بھی پائمال سے

حسن کی سحر کاریاں عشق کے دل سے پوچھیے
وصل کبھی ہے ہجر سا ہجر کبھی وصال سا

گمشدگان عشق کی، شان بھی کیا عجیب ہے
آنکھ میں اک سرور سا چہرے پہ اک جلال سا

یاد ہے آج تک مجھے پہلے پہل کی رسم و راہ
کچھ انہیں اجتناب سا، کچھ مجھے احتمال سا

ہم اسیران جنوں سے کوئی پوچھے آکر
جیتے جی قید تعلق سے رہا ہو جانا

نالۂ دل جو سلامت ہے تو کیا مشکل ہے
رونق اس کوچے میں ایک حشر بپا ہو جانا

خاک مجنوں سے یہ آتی ہیں صدائیں اب تک
زندگی ہے غم دلبر میں فنا ہو جانا

نگہ شوق نے سب کھول دیئے بند نقاب
سہل سمجھے تھے وہ پابند حیا ہو جانا

ہائے وہ ضبط محبت کی جفائیں سر بزم
دل میں گھٹ گھٹ کے وہ آہوں کا فنا ہو جانا

رشک آتا ہے شہیدان وفا پر مجھ کو
ان کی قسمت میں تھا جلد شفا ہو جانا

حسرت سے دیکھتا ہوں ہر اک شاخ گل کی سمت
یہ ضعف اور ہائے یہ عالم بہار کا

جس پہ برس گئی کبھی برق جمال یار
ہر ذرہ آفتاب ہے، اس کے مزار کا

آج کیا حال ہے یارب سر محفل میرا
کہ نکالے لئے جاتا ہے کوئی دل میرا

سوز غم دیکھ، نہ برباد ہو حاصل میرا
دل کی تصویر ہے، ہر آئینہ دل میرا

صبح تک ہجر میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے
شام ہی سے میرے قابو میں نہیں دل میرا

مل گئی عشق میں ایذا طلبی سے راحت
غم ہے اب جان مری درد ہے اب دل میرا

پایا جاتا ہے تری شوخی رفتار کا رنگ
کاش پہلو میں دھڑکتا ہی رہا دل میرا

ہائے اس مرد کی قسمت جو ہوا دل کا شریک — ہائے اس دل کا مقدر جو بنا دل میرا

کچھ کھٹکتا تو ہے پہلو میں مرے رہ رہ کر

اب خدا جانے تری یاد ہے، یا دل میرا

لاکھوں میں، انتخاب کے قابل بنا دیا — جس دل کو تم نے دیکھ لیا، دل بنا دیا

ہر چند کر دیا مجھے برباد عشق نے — لیکن انہیں تو شیفتۂ دل بنا دیا

پہلے کہاں یہ ناز تھے، یہ عشوہ و ادا — دل کو دعائیں دو، انہیں قاتل بنا دیا

آنکھوں کا تھا قصور، نہ دل کا قصور تھا — آیا جو میرے سامنے میرا غرور تھا

تاریک مثل آہ جو آنکھوں کا نور تھا — کیا صبح ہی سے شام بلا کا ظہور تھا

وہ تھے نہ مجھ سے اور نہ میں ان سے دور تھا — آتا نہ تھا نظر تو نظر کا قصور تھا

ہر وقت اک خمار تھا، ہر دم اک سرور تھا — بوتل بغل میں تھی کہ دل ناصبور تھا

کوئی تو دردمند دل ناصبور تھا — مانا کہ تم نہ تھے، کوئی تم سا ضرور تھا

لگتے ہی ٹھیس ٹوٹ گیا ساز آرزو — ملتے ہی آنکھ شیشۂ دل چور چور تھا

ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش — شامل کسی کا خون تمنا ضرور تھا

ساقی کی چشم مست کا کیا کیجئے بیان — اتنا سرور تھا کہ مجھے بھی سرور تھا

پلٹی جو راستے ہی سے اے آہ نامراد — یہ تو بتا کہ باب اثر کتنی دور تھا

جس دل کو تم نے لطف سے اپنا بنا لیا — اس دل میں اک چھپا ہوا نشتر ضرور تھا

اس چشم مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا — سب کو بقدر حوصلۂ دل سرور تھا

دیکھا تھا کل جگرؔ کو سر راہ میکدہ — اس درجہ پی گیا تھا کہ نشے میں چور تھا

اللہ ری وارفتگی شوق کا عالم :: میرا بھی اب پتا سر منزل نہیں ملتا

کیا قیس کی پرشوق نگاہوں نے کیا سحر
رگ رگ میں دل تھا دل میں نہاں سوز و ساز تھا
وہ تھے بہار تھی، دل حسرت طراز تھا
تاثیر جذب عشق کو لیلےٰ سے پوچھئے
پہلے جو ختم ہو گئی یہ داستان غم
کیا کہہ دیا کسی نے، کہ ملتے ہی چشم شوق
وہ ناز آفریں تھے انہیں اس پر غرور تھا
اس عشق میں پورا کبھی ارماں نہیں دیکھا
تازہ اثر ہے اے جذبۂ پنہاں نہیں دیکھا
اللہ ری مجبوری ادا اب محبت
بیکار گئی، سعی محبت بھی ہماری
اللہ ری مری تیز روی جوش جنوں میں
دل نہ تھا جان نہ تھی سو رنہ تھا ساز نہ تھا :‌:
دم بخود رہ گئی بلبل ہی چمن میں ورنہ
ہم تھے اور سامنے اک جلوۂ حیرت افزا

محمل بھی اب صاحب محمل نہیں ملتا
وہ دن بھی کیا تھے جب میں سراپا گداز تھا
پیہم ادھر سے ناز، ادھر سے نیاز تھا
جو ذرہ خاک عشق کا تھا دل گداز تھا
تو میں کہوں گا عرصۂ محشر دراز تھا
دونوں طرف سے دست تمنا دراز تھا
میں نیازمند، مجھے اس پہ ناز تھا
دامن پہ نظر کی تو گریباں نہیں دیکھا
مدت ہوئی شمشیر کو عریاں نہیں دیکھا
گلشن میں رہے اور گلستاں نہیں دیکھا
حاصل بجز اک دیدۂ حیراں نہیں دیکھا
مڑ کر جو نظر کی تو بیاباں نہیں دیکھا
میں ہی تھا مرے ہمراہ کوئی راز نہ تھا
کون سا پھول تھا جو گوش برآواز نہ تھا
پردہ تھا، اور کوئی پردہ برانداز نہ تھا

حسرت اس طائر مایوس کی حالت یہ کہ جو
قید سے چھوٹ کے بھی مائل پرواز نہ تھا

شریک نالۂ میرا بھی جو انداز فغاں ہوتا
چمن میں ہر لب خاموش بلبل کی زباں ہوتا
دم بسمل اگر تم چھیڑ دیتے دل کے زخموں کو
لہو کا قطرہ قطرہ دردِ دل کی داستاں ہوتا

بہت روکا تمہارے وعدۂ دیدار نے ورنہ
وہاں ہوتی نہ میری بے خودی بھی ہیں جہاں ہوتا

خلوت میں غم فرقت اس طرح بیاں ہوتا
وہ میری زباں سنتے میں ان کی زباں ہوتا

تھی سیر اگر ہیں بھی ساتھ ان کے وہاں ہوتا
آنسو بھی رواں ہوتے دریا بھی رواں ہوتا

یوں راز الفت سینہ میں نہاں ہوتا
ہم خود بھی عیاں کرتے، تو بھی نہ عیاں ہوتا

اے کاش نہ ہم اٹھتے دنیا سے ترے جیتے جی
جینا بھی یہاں ہوتا مرنا بھی یہاں ہوتا

آنکھوں میں اسطرح سے ترا شوق دید تھا
گویا مری نظروں میں دل ناامید تھا

اللہ ری نشتر غم فرقت کی تیز یاں
رگ میں شور و شیون قطع و برید تھا

کمال عشق بھی کیا کیا فریب ہوا
کہ اپنے پہ اکثر مجھے گمان یار ہوا

جنوں میں سینے کو بیٹھے ہیں جو کیے ٹکڑے
خبر نہیں کہ گریباں بھی تار تار ہوا

کہاں کے غمزہ و شوخی کہاں کے ناز و ادا
وہ تیر ادھر ہی تھا جو جگر کے پار ہوا

اب اس سے بڑھ کر طلسم خیال کیا ہوگا
کہ ذرہ ذرہ تو تصویر حسن یار ہوا

راز اس حسن کا ہندو نہ مسلماں سمجھا
کچھ جو سمجھا تو مرا دیدۂ حیراں سمجھا

زخم کو مرہم دل، درد کو درماں سمجھا
چارہ گر خوب علاج غم نہاں سمجھا

عشق کا راز وہی سوختہ ساماں سمجھا
جس نے دامن کبھی جانا نہ گریباں سمجھا

حشر میں بھی نہ اٹھا آنکھ سے غفلت کا حجاب
اس کو بھی سلسلۂ خواب پریشاں سمجھا

اس عشق کے ہاتھوں سے ہرگز نہ مفر دیکھا
اتنی ہی بڑھی حسرت جتنا ہی ادھر دیکھا

تھا کھیل سا پہلے عشق لیکن جو کھلیں آنکھیں
ڈوبا ہوا ہر رگ رگ میں، وہ تیر نظر دیکھا

سب ہو گئے اٹھ اٹھ کر اک بار نثار شمع
پروانوں نے کیا جانے کیا وقت سحر دیکھا

وہ اشک بھری آنکھیں اور درد بھرے نالے
اللہ نہ دکھلائے جو وقت سحر دیکھا

قربان تری آنکھوں کے صدقے تری نظروں کے
تھا حاصل صد ناوک جز زخم جگر دیکھا

جاتے رہے دم بھر میں، سارے ہی گلے شکوے
اس جان تغافل نے جب ایک نظر دیکھا

عہد غم فرقت میں دل اور جگر کیسے ؟
اک زخم ادھر پایا ایک داغ ادھر دیکھا

تھا باعث رسوائی ہر چند جنوں میرا
ان کو بھی نہ چین آیا جب تک نہ ادھر دیکھا

اس چشم غزالیں کو جیتا نہ دل پایا
اس روئے نگاریں کو فردوس نظر دیکھا

یوں دل کے تڑپنے کا کچھ تو ہے سبب آخر
یا درد نے کروٹ لی، یا تم نے ادھر دیکھا

کیا جانے کیا گزری، ہنگام جنوں لیکن
کچھ ہوش جو آیا تو چرچا ہوا گھر دیکھا

ماتھے پہ پسینا کیوں ؟ آنکھوں میں نمی کیسی
کچھ خیر تو ہے تم نے کیا حال جگر دیکھا

کانٹا تھا چشم یاس میں ایک ایک برگ گل
میرے لئے چمن بھی بیاباں نکل گیا ::

دست جنوں کا ضعف سے اٹھنا محال تھا
کیا جانے کس طرح سے گریباں نکل گیا

دل میں تو آگ ہے وہی اب تک لگی ہوئی
مانا کہ چشم شوق کا ارماں نکل گیا

جوش جنوں سے کچھ نہ چلی ضبط عشق کی
سو سو جگہ سے آج گریباں نکل گیا

مجھ کو وہ لذت ملی، احساس مشکل ہو گیا
رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی دل ہو گیا

اے نگاہ یاس! یہ کیا رنگ محفل ہو گیا
جس نے جس دل کی طرف دیکھا مرا دل ہو گیا

بے کھٹکے پہنچی بیخودی شوق بزم یار تک
گو مجھے ایک ایک قدم ایک ایک منزل ہو گیا

ابتدا وہ تھی کہ تھا جینا محبت میں محال
انتہا یہ ہے کہ اب مرنا بھی مشکل ہو گیا

جب تو کچھ ظرف ہے اے دل ترے پیمانے کا
راز میخانے سے باہر نہ ہو میخانے کا

عرصۂ حشر کہاں، یہ دل برباد کہاں
وہ بھی چھوٹا سا ہے ٹکڑا اسی ویرانے کا

اس کی تصویر کسی طرح کھنچ نہیں سکتی
شمع کے ساتھ جو تعلق ہے جو پروانے کا

جو عدے کی ادائیں نگہ ناز میں ہیں
چشم مخمور میں کل راز ہے میخانے کا

جذبۂ شوق نے دم لینے کا موقع نہ دیا
شمع منہ دیکھتی ہی رہ گئی پروانے کا

قدم کیا اٹھتے قیس کے بیچارہ حیراں تھا
کہ ہر ذرہ دیار نجد کا تصویر جاناں تھا

خزاں کا دور، وہ پژمردہ غنچے، گل وہ افسردہ
چمن لٹتا تھا یا رب یا کوئی خواب پریشاں تھا

انہیں کی اک نگاہ ناز کے سارے کرشمے تھے
نہ حسرت مری حسرت تھی نہ ارماں میرا ارماں تھا

وہ حلم، اور وہ تواضع، اور وہ طرز خود فراموشی
خدا بخشے جگر کو لاکھ انسانوں کا انساں تھا

فروغ حسن رخ نکو نے کیا یہ کیا یہ انقلاب پیدا
حجاب پہ ہے حجاب طاری نقاب پہ ہے نقاب پیدا

حیا جیں آئے تو رنگ ہستی، ادا ئیں ہو تو حجاب پیدا
وہ آنکھ خود ہی بنے گی ساقی نظر کرے گی شراب پیدا

نہیں تو وہ میرا قصۂ غم، نہیں تو وہ درد دل کے محرم
کرے گا ایک ایک امنگ حسرت، ہزار چشم پر آب پیدا

کہاں کا میخانہ، کس کا ساقی، کچھ اور بڑھنے دو بیخودی کو
یہی بنائے گی جام و ساغر، یہی کرے گی شراب پیدا

نظر کی ناکامیوں نے مجھ پر، یہ راز ظاہر کیا بالآخر
کہ بے حجابی میں بھی ہے تیری ہزار رنگ حجاب پیدا

تڑپ یہ دل کی کہ جسے بھی ہزار جاں سے نثار جس پہ
سکون ایسا، کہ جس کی ہر ہر ادا سے، لاکھ اضطراب پیدا

یہی ہے سب سے بڑھ کر محرم اسرار ہو جانا
میسر ہو اگر اپنا ہی دیدار ہو جانا

محبت میں کہاں ممکن ذلیل و خوار ہو جانا
کہ پہلی شرط ہے انساں کا خوددار ہو جانا

کھلے گا چارہ گر پہ راز غم کیا درد کے ہوتے
کہ آتا ہے اسے خود عشق کی رفتار ہو جانا

ہوا کا اس طرف انکی نقاب رخ الٹ دینا
ادھر اک لہو کی بوند کا سرشار ہو جانا

اثر لینا تھا ہم کو ہر ادائے حسن سے ان کی
مگر لازم نہ تھا سو اسیر یار ہو جانا

گریں یا ہر قدم پہ بجلیاں راہ محبت میں
بڑی مشکل سے آیا طالب دیدار ہو جانا

ادھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اٹھ جانا
ادھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بیکار ہو جانا

وصال و ہجر کے جھگڑوں نے فرصت ہی نہ دی ورنہ
ہماری عاشقی تھا روح کا بیدار ہو جانا

زباں گو چپ ہوئی دل میں ہے تلاطم وہی برپا
نہ آیا آج تک محو خیال یار ہو جانا

جگر وہ خاک ہی تو سرمۂ چشم دو عالم ہے
میسر ہو جسے صرف جمال یار ہو جانا

کہاں ممکن تھا اس چشم عنایت کا ادھر ہونا
مگر کام آگیا میری فغاں کا بے اثر ہونا

گرے گرتے ایک طوفان قیامت زا ہوا
وہ جو ایک آنسو مژگاں پہ تھا میری ٹھہرا ہوا

اب تو آنکھیں کھول او افتادۂ کوئے حبیب
جھانکتا ہے کوئی دروازے سے شرماتا ہوا

دیدۂ حق بیں میں ہے کیا فرق کیسا امتیاز
ایک ہی جلوہ کہیں مجنوں کہیں لیلا ہوا

ذرے ذرے میں تھی ساری ایک موجِ انقلاب
منظرِ فطرت کو میں دیکھا کیا سہما ہوا

اللہ اللہ! یہ کمال جذبۂ پنہانِ عشق
بہہ گیا آنکھوں سے آنسو حسن کا دریا ہوا

بڑھتے بڑھتے آفتابِ روزِ محشر بن گیا
دل کی خاکستر میں ایک شعلہ تھا جو بھڑکا ہوا

لے چلا ہوں میں بھی نذرِ حسنِ جاناں کو جگر
ساتھ دل کے ایک سازِ آرزو ٹوٹا ہوا

ب

صیاد مجھ سے دور رہی خوش باغباں ہے اب
جس شاخ پر نظر کروں آشیاں ہے اب

نازک لبوں پہ شکوۂ دردِ نہاں ہے اب
ان کا دہن ہے اور ہماری زباں ہے اب

چشمِ طلب میں اور کوئی آشیاں ہے اب
میرے لئے قفس مجھے سارا جہاں ہے اب

دل کی کیا تاب کہ پہنچے صفِ مژگاں کے قریب
جلوے خود لوٹ رہے ہیں رخِ تاباں کے قریب

خون ہو ہو کے بہے جاتے ہیں سب قلب و جگر
کوئی نشتر نہ ہو پوشیدہ رگِ جاں کے قریب

داغِ فرقت کے دہکتے ہوئے انگارے ہیں
ہاتھ نہ لانا مرے سینۂ سوزاں کے قریب

تابِ دیدارِ رخِ یار کہاں سے لاؤں
گر پڑی جا کے نظر گوشۂ داماں کے قریب

کر تو دیں تم نے محبت کی کرم فرمائی
پھر یہ کیا چیز کھٹکتی ہے رگِ جاں کے قریب

شوق نے توڑ ہی ڈالے تھے محبت کے قیود
ہوش آیا پہنچ کر درِ جاناں کے قریب

ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت
اب نہیں کوئی مریضِ شبِ ہجراں کے قریب

عشق میں سیر گل و لالہ ہے تمہید جنوں　　چاہیئے ایک بیاباں بھی گلستاں کے قریب

ہیں جگر لاکھ ہوں آوارہ و سرگشتہ مگر

دل ہر اک حال میں ہے حضرتِ احساںؔ کے قریب

پ

صبر کے ساتھ مرا دل بھی لئے جائیں آپ　　اس قدر رحم میرے حال پہ فرمائیں آپ

دیکھیے میری تمناؤں کا احساس رہے　　باغ فردوس میں تنہا نہ چلے جائیں آپ

میری رگ رگ میں سما کر بھی یہ پردہ مجھ سے　　ظلم ہے ظلم آئینے سے شرمائیں آپ

کر دیا درد محبت نے مرا کام تمام　　اب کسی طرح کی تکلیف نہ فرمائیں آپ

نالے کرتے ہوئے رہ رہ کے یہ آتا ہے خیال　　کہ مری طرح نہ دل تھام کے رہ جائیں آپ

ج

لب پہ نالہ ہے مرے اور نہ فریاد ہے آج　　کچھ عجب طرح سے بے چین تری یاد ہے آج

کیا قیامت نگہ یاس کی بیداد ہے آج　　کہ نشیمن بھی مجھے خانۂ صیاد ہے آج

بر سر رحم وہ شوخ ستم ایجاد ہے آج　　نالہ بھی نالہ ہے فریاد بھی فریاد ہے آج

حسرت قید بھی اب دل سے نکل جائے گی　　مژدہ اے شوق کہ خالی کف صیاد ہے آج

ایک اک حرف غم دل کا سنانا ہے انہیں

کل اگر بھول نہ جاؤں جو مجھے یاد ہے آج

اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگ بیتابانہ آج　　اڑ نہ جائے شمع کو لے کر کہیں پروانہ آج

۱؎ جناب مرزا احسان احمد صاحب ۔ بی ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی (علیگ)، ایڈوکیٹ اعظم گڈھ

کام آخر کر گئی وہ نرگس مستانہ آج
بھر گیا بے منت ساقی مرا پیمانہ آج

چھلک گیا ایک ایک میکش اس نگاہِ مست سے
تم ادھر دیکھا کئے اور لٹ گیا میخانہ آج

د

نظر بھی سامنے رہی قدم قدم پہ مری
پھرا ہے صحن چمن میں جہاں جہاں صیاد

سناؤں آہ کسے سرگزشت سیر چمن
نہ ہم خیال فلک ہے، نہ ہم زباں صیاد

ر

ذرے سے نمایاں شانِ قدرت دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں طلسم حسن فطرت دیکھکر

یہ ہجوم غم، یہ اندوہ و مصیبت دیکھ کر
اپنی حالت دیکھتا ہوں ان کی صورت دیکھکر

بیکسی سارے بدن میں زرد چہرہ دل اداس
چپ کھڑے ہیں دور میری خاک تربت دیکھکر

عمر بھر کا ساتھ رنج و غم نہیں دے سکتا ہے، کون
شمع بھی نہ رخصت ہوئی میری مصیبت دیکھکر

گوشے گوشے میں ہے پنہاں جلوۂ برق جمال
پاؤں دکھتا میرے گھرا ہے شام فرقت دیکھکر

چارہ سازوں سے مریض غم کو فرصت مل گئی
ہو چکے مایوس آثار طبیعت دیکھ کر

لالہ و گل کو دیکھتے گیا یہ بہار دیکھ کر
رہ گئے بیخودی میں ہم صورت یار دیکھکر

ہائے وہ جوشِ ربط و ضبط ہائے یہ بے تعلقی
اشک بھر آئے آنکھ میں کوچۂ یار دیکھکر

یاد کسی کی آہ، کیا کہہ گئی آکے کان میں
زور جنوں سوا ہوا جوش بہار دیکھکر

شوق نے چٹکیاں سی لیں حسرتِ دل مچل گئی
میری طرف بڑھا ہوا دامنِ یار دیکھکر

ان سے بھی ہو سکا نہ ضبط ان کو رحم آ گیا
پائے برہنہ دیکھ کر جسم فگار دیکھکر

تھی یہ ہوس، کہ دیکھتے خال و خط بہار و حسن
آنکھیں ہی چوندھیا گئیں جلوۂ یار دیکھکر

س

وہ چمن میرا چمن ہے وہ قفس میرا قفس
جس کے گوشے گوشے میں ہیں صدہا چمن صدہا قفس

ہائے کس بلبل نے اے صیاد پھر دیکھا قفس
بال و پر بکھرے پڑے ہیں آشیاں سے تا قفس

عشق میں کیا لالہ و گل کیا چمن کیسا قفس
میں ہی خود اپنا گلستاں ہوں میں خود اپنا قفس

سو بہاروں کی ہے جاں اک میری چشم خونچکاں
سارے گلشن کی حقیقت، اک مرا تنہا قفس

خاک ہو اپنی رسائی جلوہ گاہِ یار تک
حسن کا عالم گلستاں عشق کی دنیا قفس

عشق میں آزاد ہو کر کیا کروں سیرِ بہار
اس گلستاں کا نظر آتا ہے ہر تنکا قفس

اضطرابِ دل کے ہاتھوں سب برابر ہیں مجھے
کیا بیاباں کیا گلستاں کیا نشیمن کیا قفس

دکھ دیے ہیں سامنے لا کر کمالِ عشق نے
ایک طرف صدہا گلستاں ایک طرف صدہا قفس

تم جدھر نکلے ادھر اک چھا گئی تازہ بہار
ہم جہاں بیٹھے وہیں اک کر لیا پیدا قفس

کیا چمن کا حال مجھ سے پوچھتا ہے ہمنشیں
میرا کل حاصل اسیری میری کل دنیا قفس

باغباں مجھ سے خوش صیاد مجھ پر مہرباں
اب چمن میرا چمن ہے اب قفس میرا قفس

دو ہی دن میں ہو گیا اے دل یہ کیسا انقلاب
گل تھا کل عالم گلستاں آجکل دنیا قفس

میں وہ غیرتمند بلبل تھا، دکھایا پھر نہ منہ
لینے گل آ کے ڈھونڈا کی قفس سے تا قفس

ض

وہ مست مانندِ رندا آنکھیں، وہ سرخ مثلِ گلاب عارض
جو ہیں مجسم شراب آنکھیں، تو ہے سراپا شباب عارض
دلوں کو بے چین کر رہی ہے بنی ہوئی برق، ان کی شوخی
نظر کو تیرہ بنا رہا ہے لیئے ہوئے آفتاب عارض
برس رہا ہے یہ رنگ مستی، کہ ہوش باقی نہیں کسی کو
نگاہیں ان کی جھکی ہوئی ہیں پلا رہا ہے شراب عارض

م

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
لپٹے پڑے ہیں لذتِ دردِ نہاں سے ہم

اس درجہ بیقرار تھے دردِ نہاں سے ہم
کچھ دور آگئے بڑھ گئے عمرِ رواں سے ہم

کب تک رہیں گے دور تیرے آستاں سے ہم
اب پہنچے شرط باندھ کے عمرِ رواں سے ہم

اے چارہ ساز! حالتِ دردِ نہاں نہ پوچھ
اک راز ہے جو کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم

تقدیر نے اسے بھی نظر سے چھپا دیا
روتے لپٹ کر گردِ رہِ کارواں سے ہم

سوجاتیں ہوں تو لذتِ آزاد پر نثار
باز آئے چارہ سازیِ دردِ نہاں سے ہم

بیٹھے ہی بیٹھے آگیا جانے کیا خیال
پھر روں لپٹ کے روئے دلِ ناتواں سے ہم

پوچھیں گے سرگذشتِ مصیبت کی ابتدا
اب کے اگر ملے، دلِ حسرت نشاں سے ہم

بے تابیوں نے کام دیا دستِ ناز کا
آخر لپٹ کے سو گئے دردِ نہاں سے ہم

اللہ ری حسن و عشق کی سحر آفرینیاں
خوش ہو رہے ہیں گھر کا گھروندا بنا کے ہم

کس کس پہ جان دیجئے، کس کس کو چاہیئے
گم ہو گئے ہیں بزم تمنا میں آ کے ہم

اننے حجابوں پہ تو عالم ہے حسن کا
کیا حال ہے جو دیکھ لیں پردہ اٹھا کے ہم

بے دلی کا زور ہے ساقی کے ہجر میں
جی چاہتا ہے پھینک دیں ساغر اٹھا کے ہم

تاثیر جذب عشق کا اللہ رے کمال
آئینہ بن گئے تری اک اک ادا کے ہم

ن

سرور کم نہ کبھی ہو گا، اب قیامت تک
خم حجاز کی پی کر شراب آتے ہیں

کوئی یہ جا کے دریا کی بیرہ خبر کر دے
خراب حال، بحالت خراب آتے ہیں

کہو یہ حضرت موسیٰ سے اب سنبھل جائیں
حضور آتے ہیں اور بے نقاب آتے ہیں

وہ رند ہوں کہ صبوحی کے واسطے ہر روز
فرشتے لے کے خم آفتاب آتے ہیں

اے کاش وہ حسرت ذرہ طور کو ملتی
جس آنکھ سے ہم حسن بتاں دیکھ رہے ہیں

ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفت شمع
بارے تری محفل کا سماں دیکھ رہے ہیں

پھر آپ نے چھیڑی وہی گیسو کی شکایت
ہر چند کے زور خفقاں دیکھ رہے ہیں

تا چند کریں ضبط مرے آبلہ پا
سوکھی ہوئی کانٹوں کی زباں دیکھ رہے ہیں

غم سے چھوٹوں تو ادھر دیکھوں میں
دل کو رو لوں، تو جگر کو دیکھوں میں

نگہ یاس اثر دیکھ رہے ہیں   دامن یار بھی تو دیکھوں میں
آشیاں کے جو اٹھالوں تنکے   اپنے ٹوٹے پر دیکھوں میں
داغ ہی داغ نظر آتے ہیں   کس طرح قلب و جگر دیکھوں میں
دم گھٹا جاتا ہے اے دشت جنوں   چاک داماں سحر دیکھوں میں
نہ وہ محفل ہے نہ وہ پروانے   خاک اے شمع سحر دیکھوں میں
نزع میں ڈھونڈ رہی ہیں آنکھیں   کاش انہیں اک نظر دیکھوں میں
دل دیوانہ یہ قسمت میری   کہ تجھے خاک بسر دیکھوں میں
چھوٹ جاؤں جو غم ہستی سے   بھول کر بھی نہ ادھر دیکھوں میں

عرش تک سے ہو کے مایوس جو دعائیں آئیں   :: میں سمجھا کہ میرے گھر میں بلائیں آئیں
میں نے جب شرم سے محشر میں جھکالی گردن   بخشوانے کو مجھے میری خطائیں آئیں
کیجئے اور کوئی ظلم، اگر ضد ہے یہی   لیجئے اور مرے لب پہ دعائیں آئیں
مدتوں یاد دلایا گیا، فسانۂ غم   دل اگر خاک ہوا، دل کی صدائیں آئیں
کسی بیکس کا پڑا صبر کسی پہ شاید   آج اس سمت سے ناساز ہوائیں آئیں
افسانہ پوچھو، شب غم شام سے لیکر تا صبح   گیا بھیانک مرے کانوں میں صدائیں آئیں
میں نے جب مرحلۂ عشق کیا ختم جگر
مرحبا کی مرے کانوں میں صدائیں آئیں

اس کوچے میں ہوں صورت یک نقش وفا میں   دنیا نے مٹایا مجھے لیکن نہ مٹا میں
بن بن کے نہ مٹا دو مرا نقشہ ہستی   مٹ مٹ کے بنا ہوں ہمہ تن نقش وفا میں
اے اہل حقیقت مجھے آنکھوں پہ بٹھاؤ
مٹ کر کے چلا آتا ہوں میدان وفا میں

سراپا آرزو ہوں درد ہوں داغ تمنا ہوں
مجھے دنیا سے کیا مطلب کہ میں آپ اپنی دنیا ہوں

کبھی کیف مجسم ہوں، کبھی شوق سراپا ہوں
خدا جانے کہ کس کا درد ہوں کس کی تمنا ہوں

مجھے جنبش میں کیا لائے گی موج صرصر عالم
حریم قدس کہتے ہیں جسے میں اس کا پردہ ہوں

مجھی میں حسن کا عالم مجھی میں عشق کی دنیا
نثار اپنے پہ ہو جاؤں اگر سو بار پیدا ہوں

لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں
پھر بھی کہتے ہیں کہ تو لائق بیداد نہیں

ضبط غم کا متحمل دل مہجور نہیں
اب یہ جی سے بھی گزر جائے تو کچھ دور نہیں

طلب خلد نہیں، آرزو، حور نہیں
تم جو مل جاؤ، تو پھر مجھے منظور نہیں

اللہ اللہ ری یہ رنگ حقیقت کی بہار
کون سا خون کا قطرہ ہے جو منصور نہیں

سخت مشکل سے پڑا، آج گریباں پہ ہاتھ
میں سمجھتا تھا کہ یہ فاصلہ کچھ دور نہیں

دل کے ہوتے ہوئے جاتے ہو کہاں اے موسیٰ
اس میں کچھ جلوے ہیں ایسے کہ سر طور نہیں

کیا گیا خیال دل بے قرار میں
خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں

محشر میں عرض شوق کی امید کیا کروں
دل ہی تو ہے رہا نہ رہا اختیار میں

دست جنون عشق کی گلکاریاں نہ پوچھ
ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں

صورت دکھا کے پھر مجھے بیتاب کر دیا
اک لطف آ چلا تھا غم انتظار میں

رگ رگ میں دل ہے دل میں تڑپ درد عشق کی
محشر بنا ہوا ہوں تمنائے یار میں

ستم ظریف کے دل سے چھیڑ ہو نیز نگاہ یار
کیا لطف جب ہمیں نہ رہے اختیار میں

چھوڑا نہ تپ عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں | دل سے جو لگی بھی جا کے جگر میں
اب شمع بھی بجھتی ہے مرا دم بھی لبوں پر | کیا دیر ہے یارب! شب فرقت کی سحر میں

پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت
ایسی ہی لگی جو صیاد کے گھر میں

یہ کہہ کے تسلی دل ناشاد کرتے ہیں | کیا ایسا بھی کبھی ہوتا ہے وہ خود یاد کرتے ہیں

بنا کر اپنے ہاتھوں سے آشیاں برباد کرتے ہیں
جو تیرا کام تھا وہ بھی ہم اسے صیاد کرتے ہیں

اچھا ہے پاس اگر کوئی غمخوار بھی نہیں | اب میرا حال تو لائق اظہار بھی نہیں
حسرت سے اب نگہ طرف یار بھی نہیں | یعنی کہ ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
داماں وجیب ہو گئے نذر جنون تمام | باقی کفن کے واسطے اک تار بھی نہیں
صیاد میرے دم سے ہیں سارے یہ چہچے | جب میں نہیں تو رونق گلزار بھی نہیں
کچھ یہ کہ عرض شوق کی طاقت نہیں مجھے | اور کچھ یہ ہے کہ مصلحت یار بھی نہیں
وہ دل کہ جس پہ صرف تمنا بھی بار تھا | اب صرف شکوہ سنجی اغیار بھی نہیں

دل میں ہجوم شوق کا عالم نہ پوچھئے
گنجائش خیال رخ یار بھی نہیں

خوف صیاد سے عالم ہے یہ بیتابی کا | کہ ابھی ہوں تو ابھی صحن گلستاں میں نہیں
بچ رہا ہو جو کوئی ہوش جنوں کے ہاتھوں | تار ایسا کوئی اب جیب و گریباں میں نہیں
عنایت کی جس پہ نظر دیکھتے ہیں | ہم اس کا دل اس کا جگر دیکھتے ہیں
وہی راہ چلتے ہیں عشاق ان کے | کہ جس راہ کو پر خطر دیکھتے ہیں

خدنگ کے ستم، آشیاں میں ہم اپنے
سمٹے ہوئے بال و پر دیکھتے ہیں

ڈوب کر دل میں وہ نظریں تیر و پیکاں ہو گئیں — رہ گئیں جو دل کے پار نشتر جاں ہو گئیں
جن کی شانیں جتنی سب نمایاں ہو گئیں — جو ترے رخ سے کھچیں رنگ گلستاں ہو گئیں
اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں — ہائے وہ مخمور آنکھیں جب پشیماں ہو گئیں
دھجیاں باقی ہیں جتنی اب مرے کس کام کی — جو گریباں ہونے والی تھیں گریباں ہو گئیں
ہو چلی تھیں عرض غم پر وہ نگاہیں تیز تیز — پھر نہ جانے کیا خیال آیا پشیماں ہو گئیں
عرصہ گاہِ عشق میں آزادیاں کس کو نصیب — خود مری آہیں مجھے دیوار زنداں ہو گئیں
اب کہاں دل کی تمناؤں کی بزم آرائیاں — آنکھ جھپکی تھی کہ سب خواب پریشاں ہو گئیں
ان جنوں سامانیوں پر کیا رہائی کی امید — حسرتیں بھی دفن زیر خاک زنداں ہو گئیں

عشق کی بے تابیاں کب چھوڑ سکتی ہیں مجھے
فرق اتنا ہے کہ اب آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں

دل کی تسکیں کے لئے دو پھول دامن میں نہیں — اس طرح ہوں آج گلشن میں کہ گلشن میں نہیں
چین اسیران قفس کو باغ گلشن میں نہیں — دوڑتی بجلیاں سیلاب خرمن میں نہیں
وہ گلوں پر تازگی رونق وہ گلشن میں نہیں — خاک سی اڑتی ہے کیا جب نشیمن میں نہیں
چھوٹنا قید قفس سے کیا قیامت ہو گیا — اب برائے نام بھی راحت نشیمن میں نہیں
اس طرف صیاد کی نظریں ادھر نالے مرے — یاد وہ گلشن میں نہیں آیا میں گلشن میں نہیں
دید کے قابل ہے یہ رنگ سبک روی میرا — ڈھونڈتی ہے برق جس کو میں نشیمن میں نہیں
کیوں خزاں میں سر جھکائے مضمحل بیٹھا ہوں — میری نظروں میں تو ہیں دو پھول گلشن میں نہیں

رکی گئی کنج قفس میں خود میری زباں
شاید اک تنکا بھی باقی اب نشیمن میں نہیں

جوش وہ رنگینیوں کا انکے پیکاں میں نہیں
کیا کوئی قطرہ لہو کا اب رگ جاں میں نہیں

کوئی دیوانہ ہی اس عہد پریشاں میں نہیں
ورنہ جو صحرا میں قیدی ہیں وہ زنداں میں نہیں

فیض سوز عشق سے لے دل سراپا داغ ہوں
جو بہار اب مجھ میں ہے سارے گلستاں میں نہیں

نالہ پروردہ ہوئے سوزِ دل، داغ جگر
یہ بہاریں ہیں قفس کی جو گلستاں میں نہیں

بھر نہ دی ہو روح جس میں وحشت دل نے مری
ایک ذرہ بھی کوئی ایسا بیاباں میں نہیں

جواب ان کا کہاں سارے جہاں میں
دبی ہیں بجلیاں جو آشیاں میں

لبوں تک جاں بھی کھنچ آئی یارب
توقف کیا ہے مرگ ناگہاں میں

جگہ پر اپنی چھوڑ آیا ہوں صیاد
لہو کے چند قطرے آشیاں میں

اشارہ ہے کسی کی ایک نظر کا
وگرنہ کیا ہے جان ناتواں میں

نہ بادے بے خودئ عشق انت،
قفس میں ہوں کہ ہوں آشیاں میں

حقیقت کھول کر ایک دن رہیں گے
وہ آنسو جو ہیں چشم رازداں میں

بڑھی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر
چھپا جاتا ہوں گرد کارواں میں

یہ رنگ اتحاد، اللہ اکبر
شیشۂ دل ہے، ہر اشک رواں میں

جہاں گئے بھی جو اٹھ کر ہوش کھو دیں
وہ نغمے ہیں مرے ساز فغاں میں

رہی لرزاں ہمیشہ ان سے بجلی
جو تنکے بچ رہے تھے آشیاں میں

کئے جا نالے اے بلبل کئے جا
قفس بھی جل رہے گا آشیاں میں

نہ پوچھو دہر میں کب سے ہیں اسی طرح خانہ خراب ہوں
جو نہ مٹ سکا وہ طلسم ہوں جو نہ اٹھ سکا وہ حجاب ہوں
مجھے غیر سمجھیں، نہ اہل دل ہمہ تن اگرچہ حجاب ہوں
جو نہاں ہے میری نظر سے بھی میں اسی کے رخ کا نقاب ہوں
نہ تعلقات کی حد کوئی، نہ توقعات کی حد کوئی
نہ صدائے بلبل خوش بیاں نہ سرور بزم پری رخاں
جو بھرا ہے نغمۂ درد سے، وہ میں ایک تار رباب ہوں

و

کسی نے پھر نہ سنا درد و افسانے کو
مرے نہ ہونے سے راحت ہوئی زمانے کو
اب اس میں جاں مری جائے یا رہے صیاد
بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو
چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریب ہستی کا
لحد تک آئی اجل بھی مرے منانے کو
فلک ذرا مری اس بے بسی کی داد تو دے
قفس میں بیٹھ کر روتا ہوں آشیانے کو
وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو
قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے جگر
لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو

جب کبھی چھیڑا جنوں نے دیدۂ خونبار کو
بھر دیا پھولوں سے ہم نے دامن کہسار کو
ٹھیس لگ جائے نہ ان کی حسرت دیدار کو
اے ہجوم غم سنبھلنے دے ذرا بیمار کو
فکر ہے زاہد کو حور و کوثر و تسنیم کی
اور نہ ہم جنت سمجھتے ہیں ترے دیدار کو
دیکھنے والے نگاہ مست ساقی کے کبھی
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغر سرشار کو

ہر قدم پہ ہر روش پہ ہر ادا پہ ہر جگہ پر — دیکھنا پڑتا ہے انداز نگاہ یار کو

لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات
دھن لگی ہے کوچۂ قاتل کی میرے یار کو

واقف غم الفت سے نہ دل ہو نہ جگر ہو — یوں تجھ سے ملو تم کہ مجھے بھی نہ خبر ہو
یہ سر ہو اور اس شوخ ستم گار کا در ہو — اس طرح بسر ہو تو بہت خوب بسر ہو
اس قہر و غضب پہ تو فدا دیدہ و دل ہیں — کیا حال ہو میرا جو عنایت کی نظر ہو
سر رکھ ہی دیا سنگ در یار پہ میں نے — اب حشر بھی اٹھے تو مجھے پھر نہ خبر ہو
حالت دل مایوس کی دیکھی نہیں جاتی — اللہ کرے جلد شب غم کی سحر ہو

رہ رہ کے تڑپ جاتی ہے سینے میں کوئی چیز
ایسا نہ ہو بیتاب تمہاری ہی قطعہ ہو

ذوق کیف سے دل اتنا بے قرار نہ ہو — میں ڈر رہا ہوں کہ مضطر نگاہ یار نہ ہو
شریک عشق پردہ دار نہ ہو — نظر کے سامنے کچھ بھی سوائے یار نہ ہو
نگاہ یار کا ممکن نہیں کہ وار نہ ہو — خود اپنا عیب ہے سینہ اگر فگار نہ ہو
دکھاؤں داغ محبت جو ہو قصور معاف — سناؤں قصۂ فرقت جو ناگوار نہ ہو
کہاں کے سرو و صنوبر کہاں کے لالہ و گل — نگاہ ہی میں جو کیف بہار نہ ہو
انہیں تو دیکھ کے آئینہ وہم کرتا ہے — کہ یہ کسی چشم انتظار نہ ہو
عجب زمانہ ہے کرتا نہیں اسے تسلیم — کسی سبب سے بظاہر جو بے قرار نہ ہو
بس اک نگاہ محبت سے دیکھ لینا ہے — مگر جو خاطر نازک پہ کوئی بار نہ ہو
نصیب دل کو ہو یوں محو آرزو ہونا — کہ خود بھی چاہیں اگر وہ تو ہوشیار نہ ہو

بھرے ہوئے ہیں نگاہوں میں حسن کے جلوے   یہ کیا مجال، جہاں میں ہوں اور بہار نہ ہو

خیالِ وصل سے کر تو رہا ہوں کچھ باتیں   قریب ہی کہیں تسکینِ نگاہِ یار نہ ہو

میں سن کے حضرتِ اصغرؔ کے جگرؔ اشعار   وہ مست ہوں کہ کوئی پی کے بادہ خوار نہ ہو

ی

نہ چھیڑ ان کے تصور میں اے بہار مجھے   کہ بوئے گل بھی ہے اسوقت ناگوار مجھے

تڑپ کے روح نکل جائے گی ابھی صیاد   سنا قفس میں نہ کیفیتِ بہار مجھے

نگاہِ یاس! ذرا تو ہی کام کر اپنا   کہاں وہ چھوڑ کے جاتے ہیں بے قرار مجھے

کسی کا وعدۂ دیدار، میرا جذبۂ شوق   بنا نہ دے کہیں تصویرِ انتظار مجھے

ہجومِ یاس میں کوشش نہ کوئی کام آئی   تسلیوں نے کیا اور بے قرار مجھے

کہیں مرا دلِ گم گشتہ ہو نہ خاک بسر   کہ دور تک نظر آتا ہے اک غبار مجھے

جنوں کی خیر ہو یارب کہ ضعف کے ہاتھوں   رہا نہ جیب و گریباں پہ اختیار مجھے

رخ پہ جھونکوں سے جو زلفِ دوتا پھرتی ہے   کیسی بل کھائی ہوئی بادِ صبا پھرتی ہے

پاس جانا دلِ بیتاب سنبھل کر شبِ وصل   نیچی نظروں میں چھری بن کے حیا پھرتی ہے

کچھ ہمیں جانتے ہیں لطف ترے کوچے کے   ورنہ پھرنے کو تو مخلوق بھی پھرتی ہے

مدد اے جذبۂ دل! حوصلہ اے دردِ فراق   مجھ سے مل کر نگہ ہوش ربا پھرتی ہے

بھول سکتا ہوں کہیں ان کی محبت کے مزے
میری آنکھوں میں وہ ایک ایک ادا پھرتی ہے

دل کہ مٹا کے داغِ تمنا دیا مجھے   اے عشق تری خیر ہو یہ کیا دیا مجھے

محشر میں بات بھی نہ زباں سے نکل سکی
کیا جھک کے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

میں اور آرزوئے وصال پری رخاں
اس عشق سادہ لوح نے بہکا دیا مجھے

ہر بار یاس ہجر میں دل کی ہوئی شریک
ہر مرتبہ امید نے دھوکا دیا مجھے

اللہ رے تیغ عشق کی برہم مزاجیاں
میرے ہی خون شوق میں نہلا دیا مجھے

خوش ہوں کہ حسن یار نے خود اپنے ہاتھ سے
اک دل فریب داغ تمنا دیا مجھے

دنیا سے کھو چکا تھا مرا جوش انتظار
آواز پائے یار نے چونکا دیا مجھے

دعویٰ کیا تھا ضبط محبت کا اے جگر
ظالم نے بات بات پہ تڑپا دیا مجھے

ہم اور ان کے سامنے عرض نیاز عشق
لیکن ہجوم شوق سے مجبور ہو گئے

آئی ہے موت منزل مقصود دیکھ کر
اتنے ہوئے قریب کہ دور ہو گئے

کچھ بات بن پڑی نہ دل داد خواہ سے
کیا جانے کیا وہ کہہ گئی نیچی نگاہ سے

کوئی نہ بچ سکا تری قاتل نگاہ سے
ذرے بھی صدقے ہو گئے اڑ اڑ کے راہ سے

یہ جانتا ہوں، جانتے ہو، میرا حال دل
یہ دیکھتا ہوں دیکھتے ہو کس نگاہ سے

اس درجہ محو لذت رنج و محن ہوئے
ناوک بھی اس نگاہ کے جزو بدن ہوئے

ہر وقت تازہ چاہئیں غم کی نشانیاں
جو داغ بھی پڑے تھے وہ داغ کہن ہوئے

غربت کا رشک بھی نہ گوارا ہوا جگر
کہتے ہیں میرے بعد غریب الوطن ہوئے

کیا خبر تھی خلش ناز نہ جینے دے گی
یہ تری پیار کی آواز نہ جینے دے گی

پھر کی لاکھ نگاہوں کی ضرورت کیا ہے ۔۔۔ لطف کی اک نگہ ناز نہ جینے دے گی

چین آتا ہی نہیں مجھ کو قفس میں یارب ۔۔۔ کیا مری حسرت پرواز نہ جینے دے گی

مسلک عشق مرا مجھ کو نہ مرنے دے گا ۔۔۔ تیری شوخی، ستم ناز نہ جینے دے گی

کیا چیز تھی کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی ۔۔۔ اف کرکے وہیں بیٹھ گیا درد جگر بھی

ہوتی ہی نہیں کم شب فرقت کی سیاہی ۔۔۔ رخصت ہوئی کیا شام کے ہمراہ سحر بھی

یہ مجرم الفت ہے وہ مجرم دیدار ۔۔۔ دل لے کے چلے ہو تو لئے جاؤ نظر بھی

کیا دیکھینگے ہم جلوۂ محبوب کہ ہم سے ۔۔۔ دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی

مایوس شب ہجر نہ ہو اے دل بیتاب ۔۔۔ اللہ دکھائے گا تو دیکھینگے سحر بھی

جلووں کو ترے دیکھ کے جی چاہ رہا ہے ۔۔۔ آنکھوں میں اتر آئے مرا کیف نظر بھی

واعظ نہ ڈرا مجھ کو قیامت کی سحر سے ۔۔۔ دیکھی ہے ان آنکھوں نے قیامت کی سحر بھی

اس دل کے تصدق جو محبت سے بھرا ہو ۔۔۔ اس درد کے صدقے جو ادھر بھی ہو ادھر بھی

ہے فیصلہ عشق ہی منظور تو اٹھئے

اغیار بھی موجود نہیں حاضر ہے جگر بھی

مگر چشم آرزو کی حالت یہی رہے گی ۔۔۔ پردے میں بھی کسی کی بے پردگی رہے گی

تم خاک میں ملا دو دل و جگر کو لیکن ۔۔۔ ارمان یہی رہیں گے حسرت یہی رہے گی

جا اے فلک! نہ خوش ہو یہ یاد کرلے مجھ کو

تیرے مزاج میں بھی آشفتگی رہے گی

اداسی طبیعت پہ چھائے گی ۔۔۔ انہیں جب میری یاد آجائے گی

شب غم کرشمے دکھا جائے گی ۔۔۔ نمی آنسوؤں کی رلا جائے گی

میرے بعد ڈھونڈو گے میری وفا　　مرے ساتھ میری وفا جائے گی

مجھے اس کے در پہ ہے مرنا ضرور
مری یہ ادا اس کو بھا جائے گی

چٹکی ہے کس انداز سے کس کرب و بلا سے　　دل ٹوٹ گیا نالۂ بلبل کی صدا سے
انساں کو لازم ہے رہے دور ریا سے　　یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کو خدا سے
جی بھر کے ہو کس منہ سے ہوش ادا سے　　مستی کو ہے بیعت مری رندانہ ادا سے
اٹھے نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا سے　　آواز یہ آتی ہے مزار شہدا سے
پھر حسن کے جلووں نے ستایا مجھے رہ رہ　　ہشیار ہوا تھا جرس دل کی صدا سے
گزرا ہے دل و جاں سے اسی راہ پہ کوئی　　سجدوں کے نشاں پوچھو لو نقش کف پا سے

بے تابی دل تھی وہ میری آہ جنوں خیز
کانٹے بھی کھٹکتے ہیں مجھے آبلہ پا سے

صد شکر کہ جہاں درد کا قالب دیا مجھے　　جو کچھ دیا کسی نے مناسب دیا مجھے
دی جان بھی تو سوز الم سے جلی ہوئی　　دل بھی تو جاں کا طالب دیا مجھے

دینی تھی میرے دل کو جو شوریدگی عشق
پھر کیوں خیال حفظ مراتب دیا مجھے

اٹھا نہ دیدۂ بلبل سے پردۂ غفلت　　ہلاک ہو گئی گلشن رنگ و بو کے لئے
ہجوم عشق میں دل کے بھی ہو گئے ٹکڑے　　مکان تنگ تھا دنیائے آرزو کے لئے

خیال یار کہاں تک خموشیاں تیری
زباں دہن میں ہے بیتاب گفتگو کے لئے

آہ میری یہ فغاں اب نہ سنی جائے گی
اب نہ سنوں مشکوکداں اب نہ کہی جائے گی

پھر گئی ان کی نظر، پھر گئے دنیا سے وہ
دوستی جسم و جاں اب نہ سنی جائے گی

یاس بھرا درد دل اب نہ کہا جائے گا
درد بھری داستاں اب نہ سنی جائے گی

قصۂ غم کہہ کے ہیں، لیجئے خاموش ہوں
میرے دہن میں زباں اب نہ سنی جائے گی

بزم سے یا چشم تر اٹھ گئے کہتے ہوئے
ہم سے تری داستاں اب نہ سنی جائے گی

رحم انہیں آگیا میرے دل زار پر
یہ روش آسماں اب نہ سنی جائے گی

کہہ کے برا غیر کو، ان کو خفا کر دیا
بات جگر کی وہاں اب نہ سنی جائے گی

یہ نہیں تیری آرزو نہ کرے
دل اگر خالی ہائے ہو نہ کرے

گم ہوا ہوں خیال جاناں میں
بے خودی میری جستجو نہ کرے

ختم سرمایہ شکیب ہو
چھیڑ اب تیری آرزو نہ کرے

ناز کرتے ہیں پھول گلشن میں
کہیں رسوا یہ رنگ و بو نہ کرے

خاک ہے جذب عشق کی تاثیر
خامشی بھی جو گفتگو نہ کرے

ڈر ہے مجھ کو میری حیرانی
آئینہ ان کے روبرو نہ کرے

یاد بھی ان کی اے جگر افسوس
پرسش داغ آرزو نہ کرے

برسائی آنسوؤں کی جھڑی چشم یار نے
کیا اٹھ کے کہہ دیا مری خاک مزار نے

اے شوق مرگ! پھر وہی میں ہوں وہی قفس
آساں نہ کر دی مری مشکل بہار نے

سر میں پھر لہر جنوں کی صفت تیر چلی
اے فلک روک مرے پاؤں سے زنجیر چلی

صدقے ان ہاتھوں کے مجھ کو بھی خبر تک نہ ہوئی
اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی

اب مری لاش پہ کیوں سوگ لئے بیٹھے ہو
تم نے شمشیر چلائی تھی تو شمشیر چلی

برابر کی خلش، خونش، یہ افشانی مقابل کی
محبت نے بنا دی ایک حالت دیدۂ دل کی

مجھے اے شور محشر تو نے کیوں دیا اٹھا کر
بلا ئیں لے رہا ہے بیخودی میں اپنے قاتل کی

ضرورت تیرے سائے کی نہیں ہے اے فلک مجھکو
عنایت چاہتا ہوں گوشۂ دامان قاتل کی

نہ توڑ اے دست گلچیں باغ میں پھولوں کی کلیوں کو
کہ ان میں کچھ شباہت پائی جاتی ہے مرے دل کی

اجل اک مرتبہ پھر ہوش میں آجانے دو مجھ کو
ہوس رہ جائے گی دل میں نوازش ہائے قاتل کی

جگر میں نے چھپایا لاکھ اپنا درد غم لیکن
بیان کر دیں مری صورت نے سب کیفیتیں دل کی

کسی کے سامنے مشکل سے عرض حال ہوئی
سنبھل سنبھل کے طبیعت مری نڈھال ہوئی

نگاہ غیر کے صدقے جھکی نہ غیر کے سمت
مجھی پہ تیز ہوئی یہ مجھی پہ لال ہوئی

مجھے جو عرض تمنا پہ کچھ حجاب آیا
مرے سوال کی شرمندگی سوال ہوئی

عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے — بیکسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے
دل ہوا خاک تپِ غم سے مگر دل کی جگہ — اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے
وائے ایذا طلبی شدتِ غم کے ہاتھوں — طاقتِ گریہ بھی معدوم ہوئی جاتی ہے
ہم تو سمجھے تھے غمِ عشق فنا کر دے گی — اب یہ امید بھی موہوم ہوئی جاتی ہے
دل ہی دل ہے جو چھٹا جاتا ہے دامن سے ترے — وہی قسمت ہے جو محروم ہوئی جاتی ہے
دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں — کہ خبر تو مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

اے جگر بات یہ کیا ہے کہ مری نظروں میں
آج جو چیز ہے معدوم ہوئی جاتی ہے

نازک ترے مریضِ محبت کا حال ہے — دن کٹ گیا تو رات کا کٹنا محال ہے

آنکھوں سے جان جائیے فرقت کا ماجرا
اشکوں سے پوچھ لیجئے جو دل کا حال ہے

نظر ملتے ہی دل کو وقفِ تسلیم و رضا کر دے — جہاں سے ابتدا کی ہے وہیں پر انتہا کر دے
وفا پر دل کو صدقے جان کو نذرِ جفا کر دے — محبت میں یہ لازم ہے جو کچھ ہو فنا کر دے
چمن دور آشیاں برباد یہ ٹوٹے ہوئے بازو — مرا کیا حال ہو صیاد اگر مجھ کو رہا کر دے
چنے ہیں میں نے بھی کچھ پھول تیرے باغِ معنی سے — الٰہی تو اگر حسنِ قبول ان کو عطا کر دے

تری مجنوں ادائی سے جگر یہ خوف آتا ہے
کہیں ایسا نہ ہو ان کو بھی عالم آشنا کر دے

شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی — ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی
نگاہوں نے سب رازِ دل کہہ دیا — انہیں آج اپنی خبر ہو گئی

بری چیز ہے طرزِ بیگانگی
یہ ترکیب اگر کارگر ہو گئی

الٰہی برا ہو غمِ شوق کا
سنا ہے کہ ان کو خبر ہو گئی

کئے مجھ پہ احسان غم یار نے
ہمیشہ کو نیچی نظر ہو گئی

نمایاں ہوئی صبحِ پیری جگر
بس اب داستاں مختصر ہو گئی

کیا لطف پوچھتے ہو پر شوق زندگی کے
جی جی اٹھا ہوں مر کے مر مر گیا ہوں جی کے

بے حکمِ عشق مر کے بے اذنِ عشق جی کے
کرتے ہیں مفت ضائع اوقات زندگی کے

دیکھا تو اس جگہ پر لاکھوں ہیں زخم تازہ
حاصل ہوئی تھی فرقت جس زخمِ دل کو سی کے

فیضِ بہار سے ہے، عالم یہ تازگی کا
گویا برس رہے ہیں انوار زندگی کے

اک اک سے پوچھتے وہ میری حالتِ دل
قرباں اس ادا کے اس بے تکلفی کے

فلک کے جور زمانے کے غم اٹھائے ہوئے
ہمیں بہت نہ ستاؤ کہ ہیں ستائے ہوئے

نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے باہم
مرے جنازے پہ تا دیر سر جھکائے ہوئے

نگاہِ شوق نے محشر میں صاف تاڑ لیا
کہاں وہ چھپتے کہ آنکھوں میں تھے سمائے ہوئے

انہیں میں رازِ محبت کسی کا پنہاں تھا
جو خشک ہو گئے آنسو مژہ تک آئے ہوئے

حدودِ کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگے پاؤں ڈگمگائے ہوئے

چلے گا کام تمہارا نہ اب گواہوں سے
کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے

اثر کو بھی نہ رہا ربط، دل کی آہوں سے
خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے

کہیں تمہیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے ۔۔۔ بچے رہو مری حسرت بھری نگاہوں سے
مریض عشق کے چہرے پہ آ گئی رونق ۔۔۔ ابھی وہ کہہ گئے کیا جانے کیا نگاہوں سے
زمیں بھی نہ اٹھائے گی، میری خاک کا بار ۔۔۔ گرا دیا مجھے تم نے اگر نگاہوں سے

جگر بتائے کچھ حال زار خیر تو ہے
یہ کیوں برستی ہیں مایوسیاں نگاہوں سے

دل کی خبر نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے ۔۔۔ اللہ اب یہ حال تمہاری نظر کا ہے
اس سمت دیکھتی بھی نہیں رخ جدھر کا ہے ۔۔۔ سب سے جدا اصول تمہاری نظر کا ہے
سب رفتہ رفتہ داغ الم دے گئے مگر ۔۔۔ محفوظ ہے وہ زخم جو پہلی نظر کا ہے
میرے دل حزیں میں کہاں تاب اضطراب ۔۔۔ جو کچھ کمال ہے وہ تمہاری نظر کا ہے
کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب ۔۔۔ پردہ پڑا ہوا مرے آگے نظر کا ہے

یہ ہم ہجوم یاس سے آتا نہیں یقین
تم میرے سامنے ہو یا دھوکا نظر کا ہے

ہاں چلے دور میں ساقی مئے گلفام چلے ۔۔۔ دن چلے رات چلے صبح چلے شام چلے
خاک بیمار غم عشق کا اب کام چلے ۔۔۔ پاؤں دکھنے لگے جب اٹھ کے وہ دو گام چلے
جھک گئے سر تری دہلیز پہ سب آپ سے آپ ۔۔۔ کچھ کسی کی نہ چلی جب ترے احکام چلے
کعبہ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں ۔۔۔ باندھ کر شیخ کہاں، جا بہ احرام چلے
نقد کچھ پاس نہیں فکر ہے مے خواری کی ۔۔۔ قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے

پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں جگر
دیر چلنے میں نہیں، صبح چلے شام چلے

کیا قیامت تھا کسی کا شکوۂ بیداد بھی
لب تک آئی ٹکڑے ٹکڑے ہو ہو کر مری فریاد بھی

پہلے بنتی کچھ اس سے تسکین دل ناشاد بھی
اب کلیجہ کھائے جاتی ہے تمہاری یاد بھی

جسم ہے زنداں میں لیکن روح بزم یار میں
بیڑیاں بھی پاؤں میں ہیں اور ہوں آزاد بھی

آتے ہی کنج قفس میں چپ سی مجھ کو لگ گئی
ہے اٹھے کیا ہوش تیرے طاقت فریاد بھی

یوں نہ لے بلبل تڑپ کر جان دینی بھی تجھے
چاہیے تھا کچھ تو پاس خاطر صیاد بھی

دیکھیے کس کی فغاں میں پہلے آتا ہے اثر
میں بھی نالے کر رہا ہوں بلبل ناشاد بھی

یہ ہجوم یاس و حرماں یہ وفور رنج و غم
تجھ کو ڈر ہے، دور ہو جائے نہ تیری یاد بھی

مجھ سے ہی کچھ مطلب نہیں ان کو جگر
تیز ہوتا ہے مجھی پہ خنجر بیداد بھی

جان سے تنگ، ہمارا دل دیوانہ ہے
زندگی کل ہے کو ہے موت کا افسانہ ہے

گوشہ گوشے میں نہاں جلوۂ جاناں ہے
دل نہیں ہے مرے سینے میں یہ میخانہ ہے

وہی گل ہے، وہی بلبل وہی پروانہ ہے
شان ہے ایک مگر رنگ جداگانہ ہے

وہی صبا، وہی ساغر، وہی پیمانہ ہے
چشم ساقی ہے کہ میخانہ کا میخانہ ہے

کان ہنگامۂ محشر پہ لگے ہیں سب کے
کیا ترے رہگذر عالم کا افسانہ ہے

اللہ اللہ یہ وارفتگیٔ عشق مری
اس جگہ ہوں کہ جہاں حسن بھی دیوانہ ہے

تم دکھا دو جسے آنکھیں وہی مخمور ہے
ہم جہاں شیشہ ٹپک دیں وہی میخانہ ہے

حشر کہتے ہیں کسے؟ وعدۂ دیدار ہے کیا
وہ بھی میری نگہِ شوق کا افسانہ ہے

منزل عشق میں اللہ رے یہ عالم شوق
ہر قدم پہ مرا انداز جداگانہ ہے

ان سے پوچھے کوئی یہ ہوش کی باتیں میری
لوگ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے، دیوانہ ہے

داستانِ غم ان کو سنائی نہ گئی
بات بگڑی تھی کچھ ایسی کہ بنائی نہ گئی

سب کچھ ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن
اک تری یاد تھی ایسی جو بھلائی نہ گئی

عشق پر کچھ نہ چلا دیدۂ تر کا قابو
اس نے جو آگ دی وہ بجھائی نہ گئی

پڑ گیا حسنِ رخِ یار کا پرتو جس پر
خاک میں مل کے بھی اس دل کی صفائی نہ گئی

کیا اٹھائے گی صبا خاک مری اس در سے
یہ قیامت تو خود ان سے بھی اٹھائی نہ گئی

رات کیا دلکش ادائے جلوۂ جانانہ تھی
شمع جب رخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی

آج رگ رگ میں مری اک شورِ مستانہ تھی
کیا نگاہِ مستِ ساقی تشنۂ پیمانہ تھی

صبح تک یہ یادگارِ عشق بھی افسانہ تھی
شمع اب ہے زینت جس جا تربتِ پروانہ تھی

مشغلہ ہجر میں کچھ تو دلِ ناشاد رہے
نالہ تھمتا ہوا نہ کہتی ہوئی فریاد رہے

منتشر بعدِ فنا یوں مری روداد رہے
دل مرا خاک ہوا اور خاک مری برباد رہے

اک محبت کی نظر بھی دمِ بیداد رہے
کیجئے ظلم وہ مجھ پر جو مجھے یاد رہے

کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہِ ناز کا حال
ہوش ہی جب نہ ٹھکانے ہو تو کیا یاد رہے

آپ تو چھپ گئے پردے سے دکھا کر صورت
اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے

روح سے ربط نہ چھوٹا ترے کوچہ کا کبھی
تیرے دیوانے اسیری میں آزاد رہے

جان تو آ چکی ہونٹوں پہ مری اے صیاد
اب بھی محدودِ قفس تک مری فریاد رہے

یہ جو دھندلی سی ضیا خانۂ زنجیر میں ہے
داغ سا شاید کوئی روشن دلِ دلگیر میں ہے

ہر ادا حسن کی ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے
تجھ میں جو ہے وہی عالم تری تصویر میں ہے

مطمئن ہو کے کریں سیر چمن کیا وحشی
اک قدم باغ میں اک خانۂ زنجیر میں ہے

پہلے ہوں گے کبھی بیتابیٔ دل کے شکوے
اب تو راحت سی مجھے خانۂ زنجیر میں ہے

کیا پوچھتے ہو حالت بیمار محبت کی
کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی

ہر نقش ہے سینے پہ نقشہ غم فرقت کا
ہر اشک ہے آنکھوں میں تصویر محبت کی

آہی گیا رحم ان کو حال دل محزوں پہ
کر ہی گئی کام اپنا تاثیر محبت کی

اے جوش جنوں، تو نے چھالا نہ مرے دل کا
دھندلی سی نشانی ہے سوز غم فرقت کی

لاکھوں میں جگر اس نے پہچان لیا تم کو
چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھ محبت کی

جور گلچیں و جفائے باغباں دیکھا کئے
جو دکھایا تو نے وہ اے آسماں دیکھا کئے

آج کن آنکھوں سے جور خزاں دیکھا کئے
سب چمن لٹتا رہا اور باغباں دیکھا کئے

اب قفس ہوش آیا تو حیرت سے ہمیں
کس طرح آنکھوں سے لٹتے آشیاں دیکھا کئے

جی بھر آیا ناتوانی پر رہ شوق میں
دیر تک ہم نقش پائے رہرواں دیکھا کئے

جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید
دور دور تک مڑ مڑ کے سوئے آشیاں دیکھا کئے

تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق روح کو
ہم قفس میں رو کے خواب آشیاں دیکھا کئے

خاک سر لالہ و گل باغ میں جب تک رہے
دست گلچیں، یا نگاہِ باغباں دیکھا کئے

آیا نہ وہ اس نالۂ دل کا اثر مجھے
اب تم ملے تو کچھ نہیں اتنی خبر مجھے

دل دے کے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے — یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے
ہر سو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے — کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے
ملتی نہیں ہے لذتِ دردِ جگر مجھے — بھولی ہوئی نہ ہو نگہِ فتنہ گر مجھے
ڈالا ہے بیخودی نے عجب راہ پر مجھے — آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے
کرنا ہے آج حضرتِ ناصح سے سامنا — مل جائے دو گھڑی کو تمہاری نظر مجھے
مستانہ کر رہا ہوں رہِ عاشقی کو طے — لیجائے جذبِ شوق مرا اب جدھر مجھے
ڈرتا ہوں جلوۂ رخِ جاناں کو دیکھ کر — اپنا نہ بنا لے کہیں میری نظر مجھے
یکساں ہے حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ — ان کی انہیں ہے نہ میری خبر مجھے
مرنا ہے ان کے پاؤں پہ رکھ کر سرِ نیاز — کرنا ہے آج قصۂ غم مختصر مجھے
سینے سے دل عزیز ہے دل سے ہو تم عزیز — سب سے مگر عزیز ہے تیری نظر مجھے
میں دور ہوں تو روئے سخن مجھ سے کس لئے — تم پاس ہو تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے

کیا جانے قفس میں رہے کیا معاملہ
اب تک ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے

آنکھوں میں نور جسم میں بن کر وہ جاں رہے — یعنی ہمیں میں رہ کے وہ ہم سے نہاں رہے
ہم ہیں وہ دردمندِ محبت جہاں رہے — خاموش بھی رہے تو سراپا فغاں رہے
ہر چند وقفِ کشمکشِ دو جہاں رہے — تم بھی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے
باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے — صیاد ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے

ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ
مطلب یہ ہے کہیں نہ میرا آشیاں رہے

کس قیامت کی کشش اس جذبۂ کامل میں ہے
تیر ان کے ہاتھ میں پیکاں ہمارے دل میں ہے

اب تلاطم سا تہ و بالا سینۂ بسمل میں ہے
اب نہ جانے تو ہے خود یا درد تیرا دل میں ہے

جلوہ فرما کون اس اجڑی ہوئی منزل میں ہے
آفتاب حشر ہے جو داغ میرے دل میں ہے

عشق کا ہر رنگ پنہاں میرے آب و گل میں ہے
قیس میرے سینے میں فرہاد میرے دل میں ہے

اللہ اللہ یہ میری مشق تصور کا کمال
میں ہوں اس محفل میں اور محفل کی محفل دل میں ہے

عشق میں گم گشتگی و شوق رہ اس آئی مجھے
تھی جو میرے دل میں حسرت اب وہ انکے دل میں ہے

ہر تڑپ کے ساتھ آجاتی ہے مجھ میں تازہ روح
تشکر ہے اتنا اثر تو اضطراب دل میں ہے

شمع جب پروانے شہد رہا ہل دل ... محمود
ہائے کیا تصویر عالم تیری محفل میں ہے

ہکد

جوانی آتے ہی ان پر قیامت کی بہار آئی
نظر بیگانہ وار اٹھی، حیا مستانہ وار آئی

چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی
قفس ہی میری قسمت میں لکھا جب بہار آئی

مری نظروں میں جب سے تازگی حسن بہار آئی
خزاں بھی گلشن میں آئی تو میں سمجھا بہار آئی

وہ عاشق ہوں کہ میری لاش جب زیر مزار آئی
محبت نوحہ گر پہنچی، تمنا سوگوار آئی

کچھ ایسی جوش پر اب کی یہ چشم اشکبار آئی
قفس میں ٹوٹ کر سارے گلستاں کی بہار آئی

شمیم عطر بیز آئی نسیم خوشگوار آئی

تم آئے سامنے یا سنہ بہاروں کی بہار آئی

اب آخر آشیاں کے ذکر سے صیاد کیا حاصل

یہ کہہ دینا ہی کیا کم تھا کہ گلشن میں بہار آئی

چمن میں جیسی اک بلبل کے دم اٹکھڑی ہمدم

نہ پھر ایسی خزاں آئی نہ پھر ایسی بہار آئی

وہ دیوانہ ہوں میں جب سے بسایا ہے زنداں کو

نہ صحرا میں اگلے کانٹے نہ گلشن میں بہار آئی

قفس میں بھی نگاہوں سے جدا ہوتا نہیں دم بھر

وہ عالم ہائے میرا تھا کہ جب بہار آئی

غضب تھا آج گلشن میں یہ حسرت خیز نظارہ

ادھر بلبل کا دم ٹوٹا ادھر فصل بہار آئی

اثر اتنا تو ہونا چاہیئے جذب محبت میں

کہ جب تک قفس میں تھا قفس میں بہار آئی

قفس کا اور یکا یک اس طرح جنبش میں آجانا

مگر معلوم ہوتا ہے کہ گلشن میں بہار آئی

کہیں ساغر بکف گل ہیں کہیں خم وار بغل غنچے

چمن ہی میکدہ بن گیا جب سے بہار آئی

بنا کر جس نے بیخود آشیاں ہم سے چھڑایا تھا

سنا ہے پھر اسی شدت سے گلشن میں بہار آئی

مری اس بیخودی کا یاد نگل میں کیا ڈھکانہ ہے
اٹھی جب آشیاں سے آگ تب سمجھا بہار آئی

وہ گھر برباد ہی ہو جائے تو بہتر ہے جس گھر میں
نہ صبح وصل آئی اور نہ شام انتظار آئی

نگاہ یاس اور دب کر نگاہ ناز سے رہتی
گئی اور چند نشتر ان کے دل میں بھی اتار آئی

بہار رفتہ میری پھر نہ آئی لے جگر واپس
چمن میں ہر خزاں کے بعد لیکن اک بہار آئی

علاج کاوش غم خاک چارہ جو کرتے
ہزار زخم تھے کس کس جگہ رفو کرتے

شارہ خود جو نہ وہ پھر جستجو کرتے
مجال کیا تھی ہماری کہ آرزو کرتے

وہ ہم سے ملتے نہ ملتے یہ ان کی تھی مرضی
ہمارا کام یہ تھا کہ جستجو کرتے

بیاں ہو نہ سکی ابتدا محبت کی
تمام عمر ہوئی شرح آرزو کرتے

جلوہ جو ان کے رخ کا مری چشم تر میں ہے
شادابی کا عالم، نظر میں ہے

امید وصل دیدۂ حسرت اثر میں ہے
یعنی ہماری روح ہماری نظر میں ہے

ہر ذرہ وہ رقص میں ہے جو اس رہگذر میں ہے
کیا عالم حیات کسی کی نظر میں ہے

تاریک ہوئی جاتی ہے رہ رہ کے کل فضا
پھر بھی مریض ہجر امید سحر میں ہے

کیا آفتاب حشر سے جھکے گی اب یہ آنکھ
ہر ذرہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے

تنہائی فراق کا کیا کیجئے بیان
اک آہ تھی سو وہ بھی تلاش اثر میں ہے

اللہ رے باد طاقت پرواز کا اثر
دل میں بھی وہ تڑپ نہیں جو بال و پر میں ہے

اک داستان خموشی شمع سحر میں ہے   واہوں جو گوش ہوش تو عبرت کے واسطے
چہرہ پہ نور، جلوۂ جاناں نظر میں ہے   یوں آ رہے ہیں آج ہم ایک بزم ناز سے

کیوں کر بہار شعر سے ٹپکے اسے جگر
رنگِ کلام حضرت اصغر نظر میں ہے

٭

ازل کے دن جنہیں لے کر چلے تھے محفل سے
وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامن دل سے
مجھے اب خوف ہی کیا ہجر میں تنہائی دل سے
ہزاروں محفلیں لے کر اٹھا ہوں تیری محفل سے
یہ عالم ہے ہجوم شوق میں بیتابی دل سے
کہ منزل پہ پہنچ کر بھی اڑا جاتا ہوں منزل سے
فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شب فرقت
مگر نسبت کہاں ان کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے
نگاہیں قیس کی اٹھتی ہیں جوش کیف مستی میں
ذرا ہشیار رہنا ساربان لیلیٰ کی محمل سے
وہی سب بن گئیں نقش و نگار صفحۂ ہستی
اڑی جس قدر چھینٹیں مرے خونابہ دل سے
سمجھ کر پھونکنا اس کو ذرا اے داغ ناکامی
بہت سے گھر بھی ہیں آباد اس اجڑے ہوئے دل سے

محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھ کو
نکل آئیں ہزاروں منزلیں ایک ایک منزل سے

قیامت کیا؟ کہاں کا حشر؟ کیسا دیر؟ کیسا کعبہ؟
یہ سب ہنگامے برپا ہیں مرے ایک مضطر دل سے

بیاں کیا ہوں یہاں کی مشکلیں بس مختصر یہ ہے
وہی اچھے ہیں کچھ جو جسقدر ہیں دور منزل سے

ہجوم یاس ایسا کچھ نظر آتا ہے مجھ کو
وفور شوق میں آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے

محبت میں ضرورت ہی تلاش غیر کی کیا تھی؟
اگر ہم ڈھونڈتے نشتر بھی ٹہ جاتا رگ گل سے

بدن سے جان بھی ہو جائے گی رخصت جگر لیکن
نہ جائے گا خیال حضرت اصغر مرے دل سے

بس اک نظر کا دھوکا ہے، بس اک آنکھوں کا پردہ ہے
نہ مجنوں کوئی مجنوں ہے، نہ لیلے کوئی لیلے ہے

ہوسناکی خیال غیریت ہی کا نتیجہ ہے
جو یہ پردہ ابھی اٹھ جائے تو سب اپنا ہی اپنا ہے

سمجھ میں جو نہ آئے اور بے سمجھے نہ رہنے دے
اسی کا نام شاید عشق میں، نام تمنا ہے

یہی تو فرق ہے بس کافر و مومن میں اے غافل

مژدہ اے شوق شہادت، اوج پر تقدیر ہے
آج دست ناز میں نازک سی شمشیر ہے

کم نہیں ہوتیں دل ایذا طلب کی خواہشیں
آپ دیکھیں تو سہی ترکش میں کوئی تیر ہے

کس ادا پہ جان دوں، تو ہی بتا اے چشم یار
جس ادا کو دیکھتا ہوں، حسن کی تصویر ہے

قید خانے میں جو بیٹھا ہوں، یہ ہے تیری خوشی
تو اگر کہدے تو دو ٹکڑے ابھی زنجیر ہے

میرے پہلو میں نہیں ہے، دل خانہ خراب
میری بربادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے

وہ ادھر محو تماشہ ہیں ادھر مرعوب حسن
وصل کی شب دونوں جانب عالم تصویر ہے

دل برباد ہی میں عالم اک آباد بھی ہے
اس ویرانے میں مجنوں بھی فرہاد بھی ہے،

کیا خبر قلب ہوسناک کو ہنگام سماع
کیا انہیں نغموں میں پنہاں کوئی فریاد ہے

دل بہلنے کی شب غم یہی صورت ہوگی
آپ کی دی ہوئی تکلیف بھی راحت ہوگی

آپ کے دور میں بھی آپ کی سیرت ہوگی
بات میں بات نزاکت میں نزاکت ہوگی

آتش دوزخ ہجراں ہے قیامت لیکن
تم جو چاہو گے تو یہ بھی مجھے جنت ہوگی

جمع کرتی ہے آمادگی ذوق فنا
کام آئے گی اگر دل میں حرارت ہوگی

کہنے سننے کی غم عشق میں حاجت ہی نہیں ۔ آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہو گی

وہ شکل جاں فشاں کیا مظہر شانِ الٰہی ہے ۔ نظر میں رنگ ہے رخ پہ نورِ صبح گاہی ہے

اسی کو ایک دن بننا ہے خاص عارضِ رحمت ۔ ہمارے نامۂ اعمال کی جتنی سیاہی ہے

کسی صورت بھی ہم سے بے خبر وہ رہ نہیں سکتے ۔ جو ہم ایسا سمجھتے ہیں ہماری کم نگاہی ہے

خدا جانے محبت کونسی منزل کو کہتے ہیں

نہ جس کی ابتدا ہی ہے نہ جس کی انتہا ہی ہے

پارہ ہائے جگر

میں ہوا ہشیار جتنا مجھ سے وہ غافل ہوا ۔ دل سراپا غم بنا جب میں سراپا دل ہوا

جذبۂ دل صرف جفائے محمل ہوتا گیا ۔ اس قدر ذوق نظر میں مبتذل ہوتا گیا

تنگ اتنا دامنِ فکر و عمل ہوتا گیا ۔ زندگی بھر آج کل ہی آج کل ہوتا گیا

دمِ اخیر بھی ان کا یہ احترام ہوا ۔ اٹھے نہ ہاتھ تو آنکھوں سے سلام ہوا

یہ سوزِ نہاں نہیں ہے دل میں ۔ جلتا ہے چراغ بے کسی کا

حسرت کا لہو بھرا ہے جس میں ۔ وہ جام ہوں دورِ آخری کا

لکھے خط ان کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن ۔ تھرتھرائے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا

ہر ایک داغ فرقت کا دھونا پڑے گا ۔ تمہیں بھی میرے ساتھ رونا پڑے گا

بھلا کر خود کو غافل، رحم کا تو مستحق ہو گا ۔ کہ گل بوٹے بھی بن جائیں گے جب بادہ وری ہو گا

کہاں وہ دن گئے یا رب کہ تھی شکیبائی ۔ نظر میں پھرتی ہے صبر و قرار کی صورت

گئے جو دل سے تو دل کو خزاں بنا کے گئے ۔ جو آئے دل میں تو آئے بہار کی صورت

کیا کروں گا اب بہار گل بداماں دیکھ کر :: محو حیرت ہوں خود اپنا حسن پنہاں دیکھ کر

سحر تک شمع محفل، میں نے جل بجھنے کی ٹھانی ہے

ہمیں یہ دیکھنا ہے، خاک ہو جاتے ہیں کب تک

قید قفس میں یاد بہار آئی ہے مجھے :: نشتر بنے ہوئے ہیں پر و بال آج کل

حال وحشت میں ہوا یہ ترے دیوانوں کا ۔ جیب چھوٹی تو گریباں لئے بیٹھے ہیں

منہ نہ رہا کیا کوئی دیوانوں میں ۔ خاک اڑائی ہے بیابانوں میں

رہ گئی آہ، اب افسانوں میں ۔ مے نہ شیشوں میں نہ پیمانوں میں

اٹھ گیا کیا جگر نکتہ مرا ۔ شور برپا ہے غزلخوانوں میں

لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں فریاد نہیں :: پھر بھی فرماتے ہیں تو لائق بیداد نہیں

روح گھٹتی ہوئی نکلتی ہے تن لاغر سے :: اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں

رنگ جیسا ہے یہ تیرے جوش شباب میں :: یا چاندنی کا پھول کھلا ہے گلاب میں

سینہ عشق ہے اور ناوک ناز ۔ وار بیداد ہوئے جاتے ہیں

عشق سے روز سوا عہد وفا ۔ چارہ و ناچار ہوئے جاتے ہیں

ساقیا توبہ کئے لیتے ہیں ۔ نے گنہگار ہوئے جاتے ہیں

دے چکا جب دل تو کیسا خوف شہرت ہو تو ہو

اب یہ سر جائے تو جائے اور قیامت ہو تو ہو

دل کہاں پہلو میں دل تو کر چکے پہلے نذر

یہ جو کچھ بے چین سا ہے درد فرقت ہو تو ہو

لطف تشہیر مصور ہے تشہیر کے ہاتھ :: کھینچ دے درد بھی مرا میری تصویر کے ساتھ
حاصل دشت نوردی ہیں یہ اے وحشت جنوں :: آبلے ٹوٹ نہ جائیں کہیں زنجیر کے ہاتھ

ہے مآل کار فنا یہی کہ انہیں کا رنگ عیاں رہے
نہ نظر ہماری نظر رہے نہ زباں ہماری زباں رہے

مرے عشق سحر طراز نے بہت ان کے جلوے دکھا دیئے
مگر ایسے لاکھوں ہی حسن تھے جو نظر سے پھر بھی نہاں رہے

آنکھوں میں بندہ جادۂ جاناں کئے ہوئے :: جاتا ہوں ذرہ ذرہ کو حیراں کئے ہوئے

مشروط نگاہ ساقی کی تحریک پہ جس کا پینا ہے
بس اس کا ساغر، ساغر ہے، اس کا پینا پینا ہے

چشم امید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی :: ابھی دھندلا سا اجالا نظر آتا ہے مجھے
تصور میں یہ کس کے جلوۂ مستانہ آتا ہے :: کہ ہر آنسو لئے ہمراہ اک پیمانہ آتا ہے

دم اظہار سوز پنہانی :: شعلے میری زباں سے آئے
سوز غم ہجر کچھ نہ جانے :: دھندلا سا چراغ بیکسی کا ہے

سفاک جنون ہیں کبھی ہیں قاتل نظر بھی ہے
کیا چیز ہو گئے ہو تمہیں کچھ خبر بھی ہے

اس سے تو عنایت کی نظر نہیں کی جاتی
اور دل کی یہ حالت ہے کہ دیکھی نہیں جاتی

ہنسی کے نکات پوچھتا ہے :: غافل تجھے اپنی بھی خبر ہے
آنسوؤں کی کمی نہیں لیکن :: کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی

پردے الٹ دیئے تھے محبت کے جوش نے :: کھویا مگر مجھے مرے تمکین و ہوش نے
تاثیر سوز عشق سے بچنا محال ہے :: ایسی لگے یہ آگ دکھا کرے کوئی
پیری بھی تمام ہونے آئی :: دن ڈھل چکا شام ہونے آئی
مسرور وقت نزع جو بیمار ہو گئے :: کیا جانے کیا اشاروں میں اقرار ہو گئے
ترک خودی سے مائل پندار ہو گئے :: آزاد ہوتے ہوتے گرفتار ہو گئے
کیا جانئے کب تک مجھے فرقت میں نکل آئے :: دل کو ابھی روکا تھا کہ آنسو نکل آئے
دیکھی تری آنکھوں کی کیفیت رعنائی :: اب کس سے سنبھلتا ہے جام مئے مینائی

لمعات طور

نظمیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا :: لہروں سے کھیلتا ہوا لہرا کے پی گیا
بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا :: توبہ کو توڑ تاڑ کے تھرا کے پی گیا

زاہد: یہ تیری شوخیٔ رندانہ دیکھنا — رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا
سرمستیٔ ازل مجھے جب یاد آ گئی — دنیائے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گیا
آزردگیٔ خاطر ساقی کو دیکھ کر — مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا
اے رحمت تمام! مری ہر خطا معاف — میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا
پیتا بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال — در پردہ چشم یار کی شہ پا کے پی گیا

اس جان میکدہ کی قسم بارہا جگر
کل عالم بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

غم انتظار

نظر ہے وقف غم انتظار کیا کہنا — کھنچی ہے سامنے تصویر یار کیا کہنا
یہ چشم مست، یہ ابرو، یہ زلف یہ خد و خال — یہ لب، یہ لالہ رخ، یہ جبیں، یہ عذار کیا کہنا
شباب اور مکمل شباب ارے توبہ — بہار اور مجسم بہار کیا کہنا
تصادم نگہ شوق اے معاذ اللہ — تبسم نگاہ فتنہ کار کیا کہنا
فروغ حسن و نوائے سرود طرف چمن — شراب عشق و لب جوئے بار کیا کہنا
گل و بنفشہ و نسرین و نسترن کیا خوب — بہار و سایۂ ابر بہار، کیا کہنا
بیان درد زباں خموش و عرض و نیاز — جبین شوق و کف پائے یار کیا کہنا
گدازش دل غم آفریں، معاذ اللہ — نگارش غم حسرت نگار کیا کہنا
تمام شوق شکایت، تمام مہر و وفا — فسانۂ دل بے اختیار کیا کہنا

فسونِ نیم نگاہی و سحر و استغنا
سکوتِ حسن و لبِ نغمہ بار کیا کہنا

وفورِ بیخودی و ضبطِ غم تبارک اللہ
سرورِ بادۂ ناخوشگوار کیا کہنا

شراب ریزیٔ نشیلی نگہ ارے توبہ
پیالہ گیر کفِ رعشہ دار کیا کہنا

سبک روانیٔ اشک و خنک نسیمِ کرم
نشاطِ ورودِ دلِ بے قرار کیا کہنا

کرم نما ستمِ نازِ حسن، ارے توبہ
ستم نما کرمِ خاصِ یار کیا کہنا

نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف
شکستِ شیشۂ دل بار بار کیا کہنا

حریمِ حسن کے پردے اٹھے ہوئے ہیں جگر
یہی اگر ہے غمِ انتظار کیا کہنا

تصویر و تصور

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں
وہی قیامت ہے قدِ بالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
وہی لطافت وہی نزاکت وہی تبسم، وہی ترنم
میں نقشِ حرماں بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں
خرام رنگیں، نظام رنگیں، کلام رنگیں، پیام رنگیں
قدم قدم پر، روش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں

شباب رنگیں، جمال رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں

تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر
سنبھل سنبھل کر سمٹ سمٹ کر سب ایک مرکز پہ آ رہے ہیں

بہار رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا
تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں

طیور سرشار ساغر مل، ہلاک تنویر لالہ و گل
سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر عجب عجب گیت گا رہے ہیں

شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے نظر مستی ابل رہی ہے
چھلک رہی ہے اچھل رہی ہے پیئے ہوئے ہیں پلا رہے ہیں

خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں، وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں
خراب مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاک مستی بنا رہے ہیں

فضا سے نشہ برس رہا ہے، دماغ پھولوں میں بس رہا ہے
وہ کون ہے جو ترس رہا ہے؟ سبھی کو بیکش پلا رہے ہیں

زمیں نشہ، زماں نشہ، جہاں نشہ، مکاں نشہ
مکاں کیا؟ لامکاں نشہ، ڈبو رہے ہیں، پلا رہے ہیں

وہ روئے رنگیں، وہ موجہ یم، کہ جیسے دامان گل پہ شبنم
یہ گرمی حسن عالم، عرق عرق میں نہا رہے ہیں

یہ مست بلبل بہک رہے ہیں، قریب عارض چہک رہے ہیں

گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے وہ دست رنگیں بڑھا رہے ہیں
یہ موجِ دریا، یہ رنگ و صحرا یا یہ غنچہ و گل یہ ماہ و انجم
ذرا جو وہ مسکرا دیے ہیں، وہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں
فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے، کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
سکوت نغمہ بنا ہوا ہے، وہ جیسے کچھ گنگنا رہے ہیں
اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، لیکن یہ نقش و نگاروں پہ دل ہے
ہم ان کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں
یہ اشک جو بہہ رہے ہیں پیہم، اگرچہ سب ہیں حاصلِ غم
مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ ابھی کچھ مسکرا رہے ہیں
ذرا جو دم بھر کو آنکھ جھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی تجلی
طلسمِ صورت مٹا رہے ہیں، جمالِ معنی بنا رہے ہیں
خوشی سے لبریز شش جہت ہے زباں پہ شورِ تہنیت ہے
یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں

نرگسِ مستانہ

خطاب بہ اصغر نور اللہ مرقدہ

اپنا ہی سا اے نرگسِ مست نہ بنا دے	میں جب تجھے جانوں مجھے دیوانہ بنا دے
ہر قید سے ہر رسم سے بیگانہ بنا دے	دیوانہ بنا دے، مجھے دیوانہ بنا دے

اک برق ادا خرمنِ ہستی پہ گرا کر — نظروں کو مری طور کا افسانہ بنا دے

ہر دل ہے تری بزم میں لبریزِ مئے عشق — اک اور بھی پیمانے سے پیمانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ بھی، تو نشۂ مے بھی — ہیں نشۂ ہستی، مجھے مستانہ بنا دے

اللہ نے تجھ کو مے و میخانہ بنایا — تو ساری فضا کو مے و میخانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ ہے ہیں رند بلا نوش — میرے لئے میخانہ کو پیمانہ بنا دے

یا دیدہ و دل میں مرے تو آپ سما جا — یا پھر دل و دیدہ ہی کو ویرانہ بنا دے

قطرے میں وہ دریا ہے جو عالم کو ڈبو دے — ذرے میں وہ صحرا ہے کہ دیوانہ بنا دے

لیکن مجھے ہر قیدِ تعین سے بچا کر — جو چاہے وہ اے نرگسِ مستانہ بنا دے

عالم تو ہے دیوانہ جگر حسن کی خاطر
تو اپنے لئے حسن کو دیوانہ بنا دے

کب تک نگہِ یار نہ ہوگی متبسم — تو اپنا ہر انداز حریفانہ بنا دے

منکر تو نہ بن حسنِ اعجازِ نظر کا — کہنے کے لئے اپنے کو بیگانہ بنا دے

جب تک کرمِ خاص کا دیوانہ اٹھائے — تو اور بھی حال اپنا سفیہانہ بنا دے

بتخانے میں آ نکلے تو کعبہ کی بنا ڈال — کعبہ میں پہنچ جائے تو بتخانہ بنا دے

جو موج اٹھے دل سے ترے جوشِ طلب میں — سر رکھ کے وہیں سجدۂ شکرانہ بنا دے

جب مائلِ الطاف نظر آئے وہ خود بیں — تو ہر نگہِ شوق کو افسانہ بنا دے

کونین بھی مل جائے تو دامن کو نہ پھیلا — کونین کو بھولا ہوا افسانہ بنا دے

پھر عرض کر اس طرح جگر شوق و ادب سے
بے باک اگر جرأتِ رندانہ بنا دے

تجھ کو نگہ یار! قسم میرے جنوں کی — ناصح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے

میں ہوں ترے قدموں میں مجھے کچھ نہیں کہنا
اب جو بھی ترا لطفِ کریمانہ بنا دے

یادِ ایام

ذوق صورت سازو شوق جلوہ ساماں داشتم — یاد آیامے کہ منزل منزل جاناں داشتم
دست در دست نگار شوق و سیر کوہ طور — بود حاصل ہر تمنائے کہ پنہاں داشتم
از جمالِ حسنِ ساقی، صد بہاراں در نظر — وز فروغ بادہ بر خود صد گلستاں داشتم
در فضائے آسماں حسن چوں سیارگاں — اصغر و ہم شاد و ہم اختر غزلخواں داشتم
گہ بہ بزم طور ہیم دعوت ذوق نظر — گہ بہ تفتیش دولت حسن خراماں داشتم
آہ آں ساعت کہ از فیض جمال ہم نشیں — ہر نفس وہر نظر، جنت بداماں داشتم
حسرت آفت سرشت و آرزوئے بیقرار — آنچہ در دل داشتم یا جد و پایاں داشتم
محشر ستا بودم و از فیض درد مستقل — پیش چشم شوق ہر سو محشرستاں داشتم
کیست! کہ گوید بہ سرکار ازل بکیں پیام — چوں تو کافر ماجرا سرو خراماں داشتم

ہم چمن آوازہ ام ہم سر بہ صحرا دادہ ام
من جگر ہستم اہماں کا مروز دور افتادہ ام

یاد ہیں اب تک جگر وہ بیقراری کے مزے — دردِ پیہم کی لگاوٹ زخمِ کاری کے مزے
وہ جبین شوق اپنی کسی کے پائے ناز — سجدہ ریزی کی لطافت اشکباری کے مزے

حسن کی سرشاریاں خواب جوانی کی بہار — عشق کی بیتابیاں شب زندہ داری کے مزے

کہیے کیا کیفیت ناز و نیاز حسن و عشق — رازداری جاتی ہے رازداری کے مزے

وہ سکون بیخودی وہ جلوۂ حیرت فروش — وہ جنون شوق وہ بے اختیاری کے مزے

شوق کی روداد پر وہ حسن کی بے مہریاں — عشق کی فریاد پر وہ شرمساری کے مزے

آنکھوں آنکھوں میں تقاضہ کچھ نگاہ ناز کا — دل ہی دل میں اف وہ ذوق جاں نثاری کے مزے

انتہائے سادگی و شوخ سامانی کے لطف — ابتدائے عاشقی و خاکساری کے مزے

دل مجسم درد ہے دل ہی سے اک دن پوچھیے — شام سے لیکر سحر تک دم شماری کے مزے

ہر جمال نو کی پیہم اللہ اللہ شان خاص — ہر خیال تازہ کی نا استواری کے مزے

عشق کے مضبوط ترک عہد مطلب کی شکست — حسن کی نا مستقل غفلت شعاری کے مزے

وہ اک آہ آتشیں کا مضطرب سے سلوک — وہ نگاہ سرمگیں کی غمگساری کے مزے

اپنی ہر لغزش سے پیدا عشق کا لطف یقیں — اس کے ہر انداز پیہم بے اعتباری کے مزے

آہ وہ درد محبت کی گذشتہ لذتیں — خوشگواری کے مزے ناخوشگواری کے مزے

ہر نفس ہے اب تو اعلان شکست آرزو — اب کہاں بے پردگی میں پردہ داری کے مزے

قطرہ قطرہ موج صہبا، ذرہ ذرہ جام جم — اب کہاں سے لائیے اس میگساری کے مزے

شورش مستانہ کجا و جلوۂ ساقی کجا
آہ۔ آں منظر کجا و آں مئے باقی کجا

اے کہ وابستہ ترے دم سے ہے نظام آرزو — سن پیام آرزو، بعد از سلام آرزو

تو کہ جان حسن ہے اور حسن تیری جان ہے — ہاں مبارک ہو تجھے عیش و آرام آرزو

تیری ہر موج تبسم، تیری ہر موج نظر — اک برق طور تھی، بالائے بام آرزو

تیرا روئے آتشیں مسجودِ صبحِ دلبری — تیری زلفِ عنبریں معبودِ شامِ آرزو
چشم و دل پر وہ عنایت وہ کرم وہ رحمت — اللہ اللہ تو کرے یوں احترامِ آرزو
میں نہیں بھولا تجھے، تجھ کو بھی شاید یاد ہو — مجھ پہ چھایا ہوا کیف تمامِ آرزو

حرفے از دردِ دلِ بے مدعائے گفتن است
ماجرائے گفتن و صد ماجرائے گفتن است

مجذوب کی صدا

اسی تلاش و تجسس میں کھو گیا ہوں میں — اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں
بیانِ جرمِ محبت ہے، جانتا ہوں میں — خطا معاف، کہ مجبورِ التجا ہوں میں
فریب خوردۂ رنگینیٔ ادا ہوں میں — نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں
کمالِ بے بصری پر بھی کیا بلا ہوں میں — وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے یہ دیکھتا ہوں میں
تمام اصل و حقیقت کا آشنا ہوں میں — خدا نہیں، مگر مظہرِ خدا ہوں میں
کرشمہ سازیٔ ہنگامۂ جہاں معلوم — خود اپنے حسنِ صفائی پہ مبتلا ہوں میں
جہانِ عشق میں آوارگی نہ پوچھ مری — ازل سے گرمِ عرصۂ بلا ہوں میں
گواہ ہیں مری رسوائیاں محبت میں — تمام شوق ہوں اور شوق برملا ہوں میں
جنونِ عشق میں عریانیوں پہ مری نہ جا — بہت قریب، بڑا دیرآشنا ہوں میں
نمود و بود کا کل راز جس میں مضمر ہے — بساطِ عشق پہ وہ نقشِ ابتدا ہوں میں
فتادگی مرا شیوہ شکستگی مری شان — خود اپنی راہِ حقیقت کا رہنما ہوں میں

سمجھ میں خاک نہ آئیں گے معنی و مطلب
مجھے نہ سن کہ بہت دور کی صدا ہوں میں

گراں ہے میری لطافت پہ غبارِ وجود
اسے بقا مری سمجھو، اگر بقا ہوں میں

کدھر ہے؟ منظرِ ہستی کے دیکھنے والے
یہ ساز وہ نہیں جس ساز کی صدا ہوں میں

وہ جام اک مئے بے رنگ کا پلا ساقی
کہ بھول کر بھی نہ پھر محو ماسوا ہوں میں

بجا ہے حسن اگر مجھ پہ اعتماد کرے
دلِ ربودہ و آہِ شکستہ پا ہوں میں

نگاہِ شوق کو بھی رخصتِ کلام نہ دی
مزاجِ حسن سے کس درجہ آشنا ہوں میں

قدم ذرا جو ہٹے جادۂ وفا سے کہیں
ہر ایک ذرہ پکارا کہ دیکھتا ہوں میں

کھلا ہوا ہے مرے سامنے صحیفۂ عشق
سمجھ رہا ہوں مگر کیا سمجھ رہا ہوں میں

مٹائے لاکھ زمانہ مٹا نہیں سکتا
اگر یہ سچ ہے کہ تیری ہی اک ادا ہوں میں

ہر ایک شے نظر آتی ہے خود مری تصویر
جہاں سے منظرِ فطرت کو دیکھتا ہوں میں

فضائے دہر کی ہر موج جس سے رقص میں ہے
وہ ایک نغمۂ بے ساز و بے صدا ہوں میں

جہاں نہ پھونک دیں آتش نوائیاں میری
کہ سوزِ سینۂ اربابِ باصفا ہوں میں

تصورات کی آئینہ بندیاں بے سود
تعینات کی دنیا سے ماورا ہوں میں

مجھے تلاش کر اے بیخودیٔ شوق سجود
پہنچ کے منزلِ مقصد پہ کھو گیا ہوں میں

مجھے نہ چھیڑ بہت اے نسیمِ صبحِ کرم
تمام شوق و شکایت ماجرا ہوں میں

مٹا نہ صفحۂ ہستی سے میرا نقشِ وجود
کہ فخرِ عاشقی و نازشِ وفا ہوں میں

جگرؔ! یہ ہرزہ سرائی مری، یہ بے ربطی
یقیں ہوا کسی "مجذوب کی صدا" ہوں میں

نغمۂ اسلام

ہر طرف غل ہے وہ آیا جگرِ بادہ پرست   اثرِ نشۂ صہبا سے سراپا بدمست
شعرِ حافظ بزبان جام بکف شیشہ بدست   بے خبر از ہمہ عالم چہ بلند است وچہ پست

شورِ مستانہ کہاں اور سخنِ وعظ کہاں
آج یہ رند کہاں، انجمنِ وعظ کہاں

جمع مومن بھی ہیں دیندار بھی ہیں   معتدل رنگ کے بھی لوگ ہیں حمار بھی ہیں
واقفِ راز سراپا وہ اسرار بھی ہیں   دین کے طالب ہیں دنیا کے طلبگار بھی ہیں

کیا سمجھ کر یہ چلے آئے ہیں اپنے جی میں
ان سے پوچھو تو کوئی آپ ہیں کس گنتی میں

جانتا ہوں کہ ہوں دراصل میں ننگِ اسلام   کچھ نہ اندیشۂ آغاز نہ خوفِ انجام
میری آشفتہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام   وہی میخانہ و ساقی وہی بادہ وہی جام

مجھ کو اپنی روشِ خاص سے انکار نہیں
میرے مشرب میں ریاکاری دیندار نہیں

باہمہ رندی و سرمستی و عشرت طلبی   ہوں در احمدِ مرسل کا غلام
مرحبا سید مکی مدنی العربی   دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

کیوں نہ پھر رحمتِ باری کا طلبگار ہوں میں
ہاں مجھے فخر ہے اس پہ کہ گنہگار ہوں میں

وہ رسولِ عربی، فخرِ رسولانِ سلف ذاتِ اقدس سے ملا جس کی زمانے کو شرف
جس پہ نازل ہوا قرآن سا کامل مصحف جس کے تابع جن و انساں بھی ملائک بھی صف

اک وہی شمعِ نبوت جو ضیا بار ہوئی
ساری تاریک فضا مطلعِ انوار ہوئی

ہر زمانے میں پیمبر بھی نبی بھی آئے مصلح ملی و ملکی بھی، رشی بھی آئے
حق کے جویندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے واقفِ محرمِ اسرارِ خفی بھی آئے

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر
کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بن کر

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو
راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو

تم نے دیکھا ہے بہت دفترِ پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گذرا ہو تو لو نام اس کا

تم میں صدیقؓ سا گذرا ہو تو للہ دکھاؤ تم نے فاروقؓ سا دیکھا ہو تو للہ دکھاؤ
کوئی عثمانؓ سا آیا ہو تو للہ دکھاؤ کوئی حیدرؓ سا جو پایا ہو تو للہ دکھاؤ

ثانیِ احمدؐ بے میم تو کیا لاؤ گے
اس کی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے

غم نہ کر مسلم حیرت زدہ ہر بلب یا آشنا رنگ خزاں سے نہیں تیرا مذہب
یہ حوادث ہیں بقیہ تیری ترقی کے سبب تیرے حامی ہیں نبی، تیرا نگہباں ہے رب
فتنے اکثر بہت اس طرح کے اٹھوائے گئے ایسے دجال زمانے میں بہت آکے گئے

ہلال عید

ناتمام

نقش دور ابتدائی

آہ او عشرت فزائے روح انسانی ہلال
آہ، او قدرت نمائے شان یزدانی ہلال

آہ او فطرت بنائے بزم نورانی ہلال
آہ، او صورت کشائے ذوق وجدانی ہلال

تو نوید انبساط خاطر پژمردہ ہے
حسرت اس مایوس پر اس پر بھی جو افسردہ ہے

دیکھتا ہوں میں تجھے، تو دیکھتا ہے میرا حال
جان مضطر قلب آزردہ پریشان سر کے بال

تو دلیل اوج و رفعت میں سراپا پائمال
آہ یہ دن آہ یہ شب آہ یہ شام ملال

از دل افگار جنوں وجہ دل افگاری مپرس
آہ غمخوار غم! حال غم آزاری مپرس

حال میرا پوچھتا ہے، مجھ سے تو اے بیخبر
ہو چکی تاریک چشم یاس شام و سحر

آہ، وہ غم کی کہانی بڑھ گئی ہے کسقدر
جس کو میں سمجھے ہوئے تھا داستان مختصر

سال بھر پیچھے عیادت کو میری آیا ہے تو
لا دوائے اضطراب دردِ کہا لایا ہے تو

غیر تو خاموش ہے تو ہم سمجھتے ہیں یہ راز　　غیر تو چپ ہے تو ہم خود ہی بجاتے ہیں نیاز
اٹھ گئی تھی جب سے تیری جانب اک انگشت ناز　　ہے اسی دن سے طبیعت تیری اس درجہ گداز

تیرے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی پنہاں بھید ہے
تو قتیل غم نہیں ہے زندہ جاوید ہے

مجھ میں اور تجھ میں اک زمین و آسماں کا فرق ہے　　میں ہوں مضطر تو ہوائے دلکشی میں غرق ہے
تیرے آگے زرد چہرہ آفتاب شرق ہے　　اور میرے واسطے تیری جھلک ہی برق ہے

ہاں مگر ایک امتیاز عاشقی مجھ میں بھی ہے
جانتا ہوں میں کہ جو مجھ میں ہے وہ تجھ میں بھی ہے

فرق اتنا ہے کہ تو ہے کامیاب آرزو　　ذرہ حسرت ہوں میں تو آفتاب آرزو
اٹھ چکا ہے تیری نظروں سے حجاب زندگی　　اور اب تک گم ہوں میں زیر نقاب آرزو

لاکھ یہ بھاری ہے، تیری ایک ہستی خفیف
دیکھ لینے سے ترے کھل جاتی ہے چشم ضعیف

اک زمانہ تھا کہ تھی میری طبیعت بھی گداز　　اب تو ہوں اک ہستی موہوم کا خاموش راز
جتنے سجدے تھے جبیں میں کر چکا صرف نماز　　ہو چکی مہمانی غم اٹھ چکے اب دل کے راز

بدر تھا پہلے، مگر اب میں ہلالی ہو گیا
ہجر میں اتنا گھلا، نقش خیالی ہو گیا

آ، کہ رخصت تجھ سے ہوں تو تیری صورت دیکھ لوں　　آ، کہ دم بھر اور اپنا نقش حسرت دیکھ لوں
آ، کہ تیرے آئینے میں خط قسمت دیکھ لوں　　آ، کہ اپنے دیکھنے والے کی صورت دیکھ لوں

دیکھ کر صورت تری جان اپنی دیدوں گا تجھے
اب کے دیکھا ہے تجھے اب کے نہ دیکھوں گا تجھے

نامکمل

برخویش نگاہے کن

نورِ مطلق کی ضیا اس عرش کے تاروں میں دیکھ
اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گہواروں میں دیکھ
اعتبارِ حسن ہے یہ شورش و مستی تری
کچھ خبر بھی ہے تجھے کیا چیز ہے ہستی تری
ختم ہونے کے قریب آیا ہے افسانہ ترا
خود پیامِ مرگ ہے محدود ہو جانا ترا
قعرِ پستی سے ابھر اور اپنی خود آواز بن
نغمہ بنتا ہے اگر، تو نغمہ بے آواز بن

تو چھپاتا کیوں ہے؟ اپنے حسنِ عریانی کا راز
بوئے گل کی طرح پھیلا دے پریشانی کا راز

اک جدائی کے سبب ہنگامہ برپا ہو گیا
مل گیا دریا سے جب تو قطرہ دریا ہو گیا
تشنگی کو بحرِ ناپیدا کنارِ دل بنا
پھر انہیں موجوں کو تو کشتی بنا ساحل بنا
ہر نفس میں تیرے پوشیدہ ہے میخانہ ترا
نخلِ فضلائے دہر اک چھوٹا سا پیمانہ ترا
زندگی کا راز پنہاں انتشارِ غم میں ہے
اک پیامِ مستقل ہر نغمۂ مبہم میں ہے

غم سے وابستہ ہے ہر عنوانِ بابِ زندگی
ہے یہی بسم اللہ ام الکتابِ زندگی

تخمیس بر غزل اردو

غمِ عاشقی ہے، فغاں کو بکو ہے
ہر لحظہ، منظرِ ناز رو برو ہے

کہیں سبزہ و گل کہیں دشت ہو ہے　　تری آرزو ہے، تری جستجو ہے
خیال ایک جانب، نگہ چار سو ہے

محبت ہی ناظم، محبت ہی تاثر　　محبت دکھاتی ہے کیا کیا مناظر
محبت ہی باطن، محبت ہی ظاہر　　محبت ہی اول، محبت ہی آخر
محبت ہی میں ہوں محبت ہی تو ہے

ترا وصل اچھا، ترا ہجر پیارا　　جو منظور تجھ کو ہمیں سب گوارا
ترا شعلۂ عشق، آنکھوں کا تارا　　پھڑکتی ہوئی جان کا غم سہارا
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکین تو ہے

وہ عارض شگفتہ گل باغ جنت　　وہ پیشانی صاف صبح سعادت
وہ چشم سیاہ، سایۂ ابر رحمت　　وہ رنگ نزاکت وہ حسن لطافت
کلی متبسم ہے، پھولوں کی بو ہے

کہیں عشق ہی عشق ہے مست و رسوا　　کہیں حسن ہی حسن ہے بادہ پیما
غرض چھان ڈالی محبت کی دنیا　　ان آنکھوں نے دیکھا یہی اک تماشا
کہیں میں ہی میں ہوں کہیں تو ہی تو ہے

وہ کہتے ہیں سب دل کے انداز کہئے　　محبت کا انجام و آغاز کہئے
ہر اک راز بے پردہ دہرانہ کہئے　　کہاں تک غم عشق شیراز کہئے
کہ ہر آرزو محشر آرزو ہے

٭٭　٭٭　٭٭

تخمیس بر غزل فارسی

گہے لخت لخت جگر نمی فروشم | گہے حاصل چشم تر می فروشم
بہر گام لعل و گہر می فروشم | نہ تنہا دل و جان و سر می فروشم
دو عالم بہ تیغِ نظر می فروشم

ازل سے ہوں خوگردہ یاس و حرماں | مری طبع خود دار ہے ناپشیماں
مبادا کہ ہو مشکل سوچ آسان | من آں درد مندم کہ درد درماں
دعا می فروشم ، اثر می فروشم

جدا ہے زمانے سے میری طبیعت | گوارا نہیں ایک دم ، ایک حالت
وہی ہیں وہی تو ، وہی چشم رحمت | چہ ایذا پسندم کہ در عین قربت
بشام جدائی سحر می فروشم

سنے تھے بہت میں نے بھی یہ فسانے | نگاہوں میں پھرتے اگلے زمانے
دکھایا مجھے بھی یہ عشق دفنانے | بہر لحظہ گیرم از غیب جانے
بہر لمحہ جانِ دگر می فروشم

ترے ہاتھ سے ہوں شہادت کا خواہاں | نہ رکھ میری گردن پہ غیروں کا احساں
یہ جان تیرے صدقے یہ دل تیرے قرباں | نہ تیغ اشارت سرافرازِ گرداں
بگرد سر لائے تو سر می فروشم

بلندی ہی باقی رہی اب نہ پستی | فدا تجھ پہ ہیں اور میری مے پرستی

یہی ہے بس اب حاصل حسن ہستی　　خوشا ذوق و مستی کہ ہم ذوق ہستی

سرت گردم و بے خبر می فروشم

غزل می سرایم چہ حال و چہ قال است　　خیال است مستی و مستی خیال ست

بجان محبت کہ خونم حلال است　　جگر ایں چہ شور و جگر ایں چہ حال است

کہ سر دادم و باز سر می فروشم

مثنوی عرفان خودی

المعروف بہ

سرورِ حقیقت

میرا نہیں غیر کوئی محرم　　سب مجھ میں ہے کائنات عالم

غنچوں میں نہاں ہیں مرے اسرار　　پھولوں میں عیاں ہیں میرے انوار

ذروں میں چمک ہے میرے دم سے　　قطروں میں جھلک ہے میرے دم سے

ہر بام ہے کوہ طور میرا　　عالم پہ محیط ہے نور میرا

ہے جسم میں سب کے جان مجھ سے　　وابستہ ہے کل جہان مجھ سے

میں جسم بھی اور جان بھی ہوں　　میں دل بھی ہوں زباں بھی ہوں

یعنی یہ جہاں نہیں ہے میں ہوں　　یہ کون و مکان نہیں ہے میں ہوں

کعبے کی، مرے سبب سے بنیاد　　بت خانہ مرے قدم سے آباد

ناقوس کہیں، کہیں اذاں ہوں — نغمہ ہوں کہیں، کہیں فغاں ہوں

ہر قلب میں ہے مقام میرا — فیضان ہے سب پہ عام میرا

حسن اک نگاہِ ناز میری — عشق اک صفت نیاز میری

دریا میری چشم تر سے پیدا — صحرا مری خاک در سے پیدا

کیا ان کا بیاں کریں زبانیں — محدود نہیں ہیں میری شانیں

ہوش و خرد و ہوس سے باہر — ہیں ان کی دسترس سے باہر

اک بحر ہے میرے ظرف میں گم — کن میرے ہر ایک حرف میں گم

خود موت ہوں خود حیات ہوں میں — خود ذات ہوں خود صفات ہوں میں

سب اصل و مجاز میرے انداز — کونین کا راز میرے انداز

کھلنے پہ جو آئیں میرے اسرار — اوراق ہوں دو جہاں کے بیکار

اک بات میں سینکڑوں ترنم — اک چپ میں ہزار ہا تکلم

چہرے سے جو میں نقاب اٹھا دوں — پروانوں کو شمع سے چھڑا دوں

دامن کو اگر نچوڑ دوں میں — دریا کا غرور توڑ دوں میں

احساس کی آنکھ سے ہوں مستور — ادراک کی سرحدوں سے ہوں دور

کیونکہ ہوں مرے شمار عالم — ہر سانس میں ہیں ہزار عالم

لیکن بخدا، خدا نہیں ہوں — اس کفر میں مبتلا نہیں ہوں

یہ شان عبودیت ہے میری — خود ذات مری صفت ہے میری

پابند شریعت نبی ہوں — خاک در دولت غنی[1] ہوں

[1] مرشدِ دلجانی حضرت مولانا قاضی سید عبدالغنی منگلودی۔ ١٢ جگر

واسوخت در غزل

دل ہی کو صنم بنائیں گے ہم — آئیں گے کہیں نہ جائیں گے ہم
تجھ سے بھی سوا حسین بن کر — اپنا سا تجھے بنائیں گے ہم
وہ دن بھی قریب ہیں کہ ظالم — تو روئے گا مسکرائیں گے ہم
باطن میں ترے قریب رہ کر — ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم
زندہ ہی رہے گی ہستیٔ عشق — مرنے پہ بھی مر نہ جائیں گے ہم

چھٹتا ہے کہیں ترا تصور
ساتھ آئے ہیں ساتھ جائیں گے ہم

کوئی جو نہیں، نہ ہو ہمارا — اللہ سے لو لگائیں گے ہم
تعمیر کنشت دل کو ڈھا کر — اک کعبہ نو بنائیں گے ہم
روپوش تری نظر سے ہو کر — پھر یوں تجھے یاد آئیں گے ہم
باطن میں ہو جو بھی دل کی حالت — ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم
ہر بات میں کر کے بات پیدا — جب چاہیں گے روٹھ جائیں گے ہم
پہلے دے کر فریب وعدہ — امید کرم دلائیں گے ہم
پھر کر کے خراب شوق برسوں — صورت نہ تجھے دکھائیں گے ہم
جتنے بھی جنگل رلانے والے — کونے کونے رلائیں گے ہم
دیوانہ کی ہٹ سمجھ نہ اس کو — جو کہتے ہیں کر دکھائیں گے ہم
بیزار جگر کی شرم رکھ لے — کب تک ترے ناز اٹھائیں گے ہم

میرے لئے

اف وہ روئے تابناک و چشم تر میرے لئے
ہائے وہ زلف پریشاں تا کمر میرے لئے

ہر نفس میں ایک دنیائے محبت نو بہ نو
ہر نظر میں اک پیام تازہ میرے لئے

حیف وہ لغزیدہ قدم میری طرف
ہائے وہ دزدیدہ دزدیدہ نظر میرے لئے

وہ رخ رنگیں پہ انوار محبت زرہ زرہ
وہ لب نازک پہ طوفاں میرے لئے

سر سے پا تک آہ وہ اک پیکر حسن جمال
چار جانب دیدۂ حسرت نگر میرے لئے

سرد سرد آہوں میں تاثیر محبت گرم گرم
خشک خشک آنکھوں میں جوش اشک تر میرے لئے

جوش غم، جوش حیا، آغاز حسن احساس حسن
کشمکش ہی کشمکش آٹھوں پہر میرے لئے

سامنے آتے ہی آئے وہ تنفس تیز تر
سینۂ شفاف وہ زیر و زبر میرے لئے

وہ سرک جانا یکایک روئے تاباں سے نقاب

حیرت افزا رونق دیوانہ و در میرے لئے

ہر ادائے جاں نوازی، حسن خیز و عشق نیز

پھر بھی اک سعی یہم ہے اثر میرے لئے

اف وہ آغوش یہی، بیتاب آغوش دگر

اف وہ دردِ شوق محتاجِ اثر میرے لئے

ہائے وہ رنگین رخ و سیمیں تن و زریں کمر

ہائے وہ لعلیں لب و سلک گہر میرے لئے

شبنم آلودہ وہ آنکھیں وہ گلاب افشاں جبیں

وہ دھڑکتا دل وہ گھبرائی نظر میرے لئے

اس نگاہ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں

معنئ بے لفظ و شرحِ مختصر میرے لئے

میں سراپا بے نیاز ربط و ضبط حسن و عشق

وہ مجسم حسن و عشق معتبر میرے لئے

۴۷

وہ میری آزاد فطرت وہ میری تمکین ہوش
وہ شکست حسن و نیچی نظر میرے لئے

اول اول آہ وہ دل میں میرے احساس عشق
آخر آخر اف وہ نوکِ نیشتر میرے لئے

لحظہ لحظہ وہ میرا پیہم سکوت مضطرب
لمحہ لمحہ عالم نوع دگر میرے لئے

اف وہ کہنا اس کا پھر باہوں میں باہیں ڈالکر
میں جگر کے واسطے ہوں اور جگر میرے لئے

رباعی

صد شکر کہ پہلو میں میرے دل نہ رہا
وہ کشتۂ صد فریب منزل نہ رہا
یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگرؔ
اس کا کیا غم کہ تیرے قابل نہ رہا

٭ ٭ ٭

بادۂ شیراز

(کلام فارسی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الف

اے کہ می پرسی ز کار ما و جہد کار ما — چاک شد از دست ما ہر پردۂ اسرار ما
ما و یک نظارہ نقش و نگار حسن خویش — شاہد طناز فطرت آئینہ بردار ما

صد حقیقت عرض میکرد ای دوست بیخودی　　پرده دار حرف مطلب شد لب گفتار ما

صد بهار خلد یعنی خنده و ز دیده است
شیوهٔ محشر چیست؟ غوغای پس دیوار ما

بیا بجان ما ببین سرود جاودان ما　　هزار باده می چکد ز جان ما به جان ما

شراب و ساغر و گل و بهار آب و جو　　دو صد جهان رنگ و بو نمود یک جهان ما

گلی و جام سرخوشی، خوشی و صد شگفتگی　　شگفتگی و صد خوشی ز سرخوشی نشان ما

تبسم شگفته غم کند، وظیفه دم بدم کند　　سر نیاز خم کند به خاک آستان ما

بیا بنوش جام مے چه جام مے تمام مے　　که ما و ذات عام مے خوش است ارمغان ما

کنون بسوی ما نگر، به رنگ و بوی ما نگر　　به حسن روی ما نگر چه حاجت بیان را

به هر زمین که جسته ایم، طلسم تازه بسته ایم
غرورها شکسته ایم، گواه ما بیان ما

ت

آوازهٔ هر نگاهِ جرم نگاه کیست　　دیدن گناهِ ماست نه دیدن گناه کیست

دیوانه وار جان بفشاندن گناه من　　بیگانه وار رخ نه نمودن گناه کیست

پیدا نه هر نگاه خریدم هزار حسن　　پنهان به یک نگاهِ ندیدم نگاه کیست

مطرب بزن سرود به انداز دلبری　　این دشنه باز خوان که نگاه هم نگاه کیست

سر تسلیم نبود بسی دل ز سینه ها　　عکس نگاه ها به تو زلف سیاه کیست

عالم همه نگاه صدای نه هر نگاه　　این عالم نگاه، فریب نگاه کیست

شغلِ گناہ کردن و رفتن گناہِ من — ذوقِ گناہ دادن و دیدن گناہ کیست

ساقی! بہ نیم بادہ و از کیف سرمدی — آں ہم بیک نگاہ کہ گویم نگاہ کیست

ہستی تمام مستی و مستی تمام کفر — دائم بہ جام و میکدہ کافر نگاہ کیست

مست اند اہل درد و رنہ بینند یک نفس — در دامنِ نسیمِ سحر خاکِ راہ کیست

صد نقش سجدہ تا در بیت خانہ دیدہ ام
اب ہم جگر اشارۂ طرفِ کلاہ کیست

د

بوئے دل از غبار می آید — شاید آں شہ سوار می آید

ایں ندائے ز دار می آید — جاں فدا کن کہ یار می آید

عشق در ہر دیار نالہ کند — حسن از ہر دیار می آید

سینہ خالی کنید از دل ہا — یار بہر شکار می آید

مژدہ اے دل کہ بہر استقبال — رخشش بے قرار می آید

ہمنشیں راز عشق می پرسد — نالہ بے اختیار می آید

من بہ پنہاں جگر تلاش کنم
او مگر آشکار می آید

مست سرشار زلبش بوس صبا می آید — مژدہ اے دل کہ مسیحا بہ تمنا می آید

برادائے ناصح نادان مکن او را بدنام — کز جفا ہاش مرا بوئے وفا می آید

خواہ در صومعہ خواہ بہ میخانہ نشیں — او بہ ہر رنگ کہ خواہی بخدا می آید

دلم از سوز تغافل ہمہ تن شعلہ بجانست ورکنم شکوہ ازاں مہر حیا می آید

دیدن اینست کہ جاں تازہ چرا کرد نسیم

دیدن اینست کہ آخر زکجا، می آید

لب بہ بستند و بہر موئے زبانم دادند پا شکستند و بہر سوئے نشانم دادند

تاب از دل بربودند و فغانم دادند تیر از دست ببریدو کمانم دادند

دل سرگشتہ و چشم نگرانم دادند

آنچہ دادند بے شورش جانم دادند

گویند کہ ہم زاہد در دیدہ بصر دارد دارد ولے بصرے تا تعین نظر دارد

از ذات و صفات او آنکس کہ خبر دارد ہر لحظہ و ہر ساعت دنیائے دگر خبر دارد

بے کیفی درد عشق صد کیف واثر دارد زیں سر نہاں لیکن ہر کس نہ خبر دارد

زیں اصل و نکتہ ہا زاہد چہ خبر دارد کہ حسن نظر داد، جنت بہ سقر دارد

آں کس کہ بخویش آمد او بخبری شد واں کس کہ زخم و گم شد از جملہ خبر دارد

کز دیدن در قصیدن اے صوفی بے معنی ایں جملہ کہ تو داری ہر شعبدہ گر دارد

در عین وصال او یا بم اثر دوری اے پیر رہ عشقم ایں پردہ کہ بر دارد

از حسن و عمل غافل یک لحظہ مباش اے دل ہر شئے کہ تو بینی واللہ کہ نظر دارد

مفتی بخون منصور بنوشت عجب فتوی کافیست پے قتلش ایں جرم کہ سر دارد

در عین فنائے عشق از خضر چہ کار اے دل ایں رہ کہ بہ پیمایند از سایہ حذر دارد

آں مے کہ بہ میخانہ آتش زند اندر دل در خانقاہ زاہد تاثیر دگر دارد

من عاشق آں شوخم کو از سر محبوبی مانوس ولے دارد، بیگانہ نظر دارد

باجملہ قدح خواراں ہرچند کہ بطے ہست ‏ ‏ ‏ بادو درکشاں ساقی پیماں دگر دارد

درعاشقی و مستی ہشیار بیا اے دل ‏ ‏ ‏ ہر ذرہ دریں صحرا طوفان شرر دارد

آں رندِ خراباتت، تامش کہ جگر خوانی

بہ روئے صفائے تو، ہم از تو نظر دارد

کسے کو چشم بیدارے ندارد ‏ ‏ ‏ ز انوار خودی کارے ندارد

جنون عشق اے دل مستند نیست ‏ ‏ ‏ اگر ہر آبلہ خارے ندارد

جنون عشق مارا قید کردست

دراں زنداں کہ دیوارے ندارد

دل بہ تمنا بمرد، جاں بہ مسیحا رسید ‏ ‏ ‏ ذرہ بہ صحرا برفت قطرہ بہ دریا رسید

ایں غم دنیا دریں تا بہ کجا روز و شب

خیز کہ باد بہار، یا مے و مینا رسید

خبرے ہیچ ز منزل گہ جاناں نہ رسید ‏ ‏ ‏ عمر آخر شد و افسانہ بہ پایاں نہ رسید

از شابش شراب می ریزد ‏ ‏ ‏ عمر آفتاب، آفتاب می ریزد

عجب ہنگامہ زیر بام کردند ‏ ‏ ‏ ::: ‏ ‏ ‏ تماشا خاص و عام کردند

تنگ ظرفی خمارے کرد پیدا

مے دوشینہ را بدنام کردند

ل

دررہ عشق شادماں بگزر ‏ ‏ ‏ ہم جواں خیز و ہم جواں بگزر

پردہ بردار از رخ عالم ‏ ‏ ‏ زاندراں بزم ناگہاں بگزر

گاه نعره کنان و مست برو　　گاه با ناله و فغان بگذر
سینه بشگاف و جلوه حاصل کن　　جان بکف آر و از جهان بگذر
گر تو داری هوائے ملک حبیب　　خیز و از قید جسم و جان بگذر
پا بجولان بپیش یار برو　　دست افشان ز این و آن بگذر
ره منزل نشست خارستان　　باز با چشم گلفشان بگذر
درد اگر نیست ، ناله صبح مشو　　گر مکین نیست از مکان بگذر
لطف نظاره جمال حبیب　　حاصل این ست و هم از آن بگذر

هم چو نقش قدم جگر منشین
صورت گرد کاروان بگذر

ش

کعبه در پائے باده بردم دوش　　این چه گفتی جگر! خموش خموش
حسن پنهان و جلوه هاست بجوش　　اهل خاموش ز فرعها بخروش
سحرم آمد این ندا نه سروش　　سینه بخراش و بیهده مخروش
هوش در مستی است و دل مدهوش　　نغمه در ساز و ساز ما خاموش
از ره خانقاه گذشتم دوش　　خاست تا که صدائے نوشانوش
دل پریشان حواس و حس نیازه　　شیشه نازک تر است و باده بکوش
اے اسیر تعینات جهان　　تو چه دانی که چیست مستی و هوش

بادہ پیش آر تا کنم آغاز — داستان ہائے عشق آفت کوش

حسن در جنگ زرگری است بہ عشق — عشق را گو کہ وا کند آغوش

عشق در بے لباسیم فرمود — بجز ایں دیگرے لباس مپوش

بے خبر رو کہ ہوش در مستی است — ہوشیار آنکہ بیخودی است بہ ہوش

ایں بود جسم ما شود بے حسن — آں مباد اکہ جاں شود خاموش

گفتہ بودم افسانہ از مستی — تو شنیدی چرا ز عالم ہوش

قاضیا[1] یک نظر بسوئے جگر — آں کہ یک خادم است و حلقہ بگوش

شب مہ است و لب جوئے و فتنہ ہا خموش

بگیر جام بگیر د بنوش، بادہ بنوش

ل

آں کیست نہاں در غم؟ ایں کیست نہاں در دل

دل رقص کناں در غم، غم رقص کناں در دل

جان از دل و دل از جاں بیگانہ و مستغنی

گاہے بچنیں در جاں گاہے بہ چناں در دل

---

[1] مراد از ذات اقدس مولائی و مرشدی حضرت مولانا الحاج قاضی سید عبد الغنی شاہ صاحب منگلوری نور اللہ مرقدہ ۔ ۱۲۰ جگر

سیری از غم عشقش از وصل نہ شد ہرگز
صد شوق ہماں صد ذوق ہما در دل

ہر آنچہ، نہاں ست ایں، سازند عیاں بر خلق
ہر آنچہ عیاں ست آں، کردند نہاں در دل

م

دل عطا کن تا درونش دردہا پیدا کنم
دیدہ دہ، تا بردلش دل ربا پیدا کنم

از جلال غیرت صد طور ہا بر ہم زنم
وز جمال رحمت صد جلوہ ہا پیدا کنم

گہ زخون خلق خود برپا کنم، شور انا
گہ ز پاک سینہ خود برق لا پیدا کنم

گہ زیارنگی صورت، در جہاں آتش زنم
گہ زیارنگی نسبت رنگ ہا پیدا کنم

بیخودی در دہ کہ مستانہ شوم دہر تو فدا
وز خودی بگزار ما را تا خدا پیدا کنم

در زباں بے زبانی ما جولے گفتنی است
حکم فرما تا صدائے بے صدا پیدا کنم

یک نگاہِ فرماں از جہاں دلبری
کز فنائے خویشتن ملکِ بقا پیدا کنم

الفراق اے دل کہ بہر دردی باید مکاں
الوداع اے جاں! کہ بہر بادہ جا پیدا کنم

یک دمے بگزار ما را از نصیحت ہا جگر
تا ز آہِ مضطرب دستِ دعا پیدا کنم

اے دیدہ اگر خواہی آہے ز ستمگر ہم
آہستہ بریز! آبے تا لب نہ شود تر ہم

داریم بہ دل چیزے نازک ز گل تر ہم
اے موج نسیم صبح تر ایں طرز سبک تر ہم

او عین لطافت ہست نشاید نہ شود برہم
اے عاشق نظارہ ! دیدار سبک تر ہم

آں مے کہ بسے خوردم زیں پیش ہمی بوید
اے واعظ خوش نیت برخیز ز کوثر ہم

اے موج نسیم صبح دل را کہ بجنبانید
می داشت گر نست زاں زلف معنبر ہم

دل داشت بسے غم ہا دیدیم دیگر آخر
تاراجی افسر ہم بہ بادی لشکر ہم

در سایہ زلف او چوں رفت ز خود گم شد
آں آہ کہ باز آمد، زیں گنبد بے در ہم

تنہا نہ من بے دل، در ہجر تو رنجورم
صد خون بہ فلک دیدم از دیدۂ اختر ہم

زاہد بہ نماز و حج یک جادہ زد و ورش یافت
من عکس رخش دیدم نزدیک بساغر ہم

اے اہل وفا بینید ایں طرف جفائے او
کاتش بزند در دل در آب کند تر ہم

خاموش فغانے کن ہر موئے زبانے کن
زیں طرح جگر تحزوش تا دانہ کند برہم

نذر عقیدت

بحضور مرشدی و مولائی الحاج قاضی سید عبد الغنی شاہ صاحب منگوڑی نور اللہ مرقدہٗ

مست و سرشار و غزلخواں می روم
از سر جاں سوئے جاناں می روم

جام در دست و صراحی در بغل
باچہ سازو باچہ ساماں می روم

عشق دشوار است شوقم راہنما — راہ پر خار است و آساں می روم

یوسف گم گشتہ ام در مصرِ عشق — باز سوئے پیرِ کنعاں می روم

در بلائے عشق خود راہ کردہ گم — در ہوائے شوق رقصاں نی روم

در بسویش بستہ فارغ از جہاں — رخ بسویش کردہ حیراں می روم

معنیِ عشقست، ترکِ ہر طلب — من بہ غم ہائے فراواں می روم

ہستیِ عشق است و یادِ روئے دوست — ہم بکفر و ہم بہ ایماں می روم

جاں ہماں غم ساختہ رقصم بہ عشق — دل ہمہ خوں کردہ خنداں می روم

خاکِ منگلور[1] است چوں دامن کشاں

از دو عالم دست افشاں می روم

صدمۂ انتظار را چہ کنم — چہ کنم؟ جانِ زار را چہ کنم

کردم از روزگار قطعِ نظر — کشش روزگار را چہ کنم

او بکار است و ہم جہاں درکار — دلِ ناکردہ کار را چہ کنم

توبہ کردم زمے پرستی لیکن — ابر و بادِ بہار را چہ کنم

ترکِ یاری و یار آسانست — مشکل اینست یار را چہ کنم

بوئے آں پیرہن بیار نسیم — بوئے باغ و بہار را چہ کنم

یار در باغ و من بہ صحرا است — دلِ وحشت شعار را چہ کنم

روئے رنگیں یارِ من بنما — ساغرِ زرنگار را چہ کنم

---

[1] منگلور ضلع سہارنپور آستانہ حضرت مرشدی و مولائی قدس سرہٗ۔ ۱۲ جگر عفی عنہ

او بخواب است و فتنہ ہا بیدار — حسرت بے قرار را چہ کنم
ضبط چیزے است ناصحا لیکن — درد بہمت شکار را چہ کنم
آں گل و آں بہار یار ابس — ایں گل و ایں بہار را چہ کنم
ہجر دشوار و وصل آساں تر — لیک آئین یار را چہ کنم

موج خوں از گرم گزشت جگر
من لب جوئے یار را چہ کنم

من کہ آزاد کش غمزہ خونریز تو ام — معذرت خواہ نگاہ کرم آمیز تو ام
شادم از لذت دیدار و نہ سر مستی شوق — بیخبر از اثر حسن دلآویز تو ام
نگہ لطف بغر ما بہ من راز کہ من — تو گرفتار خم زلف بلا خیز تو ام

ن

بنشیں بخیال او، و زورد یک آہے کن
زاں بعد از سرتا پا بر خویش نگاہے کن
زلف از رخ خوب بردار او ز لطف نگاہے کن
یعنی شب تارم را رشک شب ماہے کن

ہ

مطرب بزن سرودے ساقی بیار بادہ — تا جاں شود منور تا دل شود کشادہ
در شوق آں ذویت سرگرم جستجوئیت — ہم عاشقان رنگیں ہم زاہدان سادہ
حسنے و خون عاشق عشقے و خوئے تسلیم — او تیغ ناز در کف من سر بہ پا نہادہ

دل ہا کہ تیرہ گشتند از زنگِ کفر غفلت — روشن نمی تواں کرد تا نور بادہ
چوں در بہشت رقتم دیدم ہمیں تماشا — زہادِ خشک خشک و خواران سادہ

در کوئے مے فروشاں دیدم زاہداں را
سجادہ رہن کردہ ، تقویٰ بہ باد بادہ

اے کہ ز روئے عاشقاں پردہ بہ رخ کشیدہ — جامۂ صبر و عقل و ہوش از ہمہ جا دریدہ
از دل من نہاں مشوے کہ تو جان عاشقی — از نظر نہاں مشوئے کہ تو نور دیدہ
بیخبرم ز خویشتن در رہ تو صد ہزار — گاہ ز جان گزشتہ گاہ بہ دل رسیدہ

ی

نذرِ عقیدت بحضورِ اقدس مولائی و مرشدی قدس اللہ سرہ

دیدم بہ میخانہ پیرے ز جواں او لے — مژگانش بہ از تیر و ابرو زکماں او لے
از عشرت بے عشقت صد آہ فغاں او لے — ایں در کہ تو وادی واللہ کہ ز جاں او لے
از بارگاہِ حسنش یک شمہ مپرس از من — راز نیست کہ می فہمد چشم نگراں او لے
ایں یک ستم ظاہر خوشتر ز ہزاراں خوش — واں یک نظر پنہاں از ہر دو جہاں او لے
صد سود بہ گفتی از ترک غمش ناصح — ایں نکتہ نہ فہمیدی در عشق زیاں او لے
از قربت واز دوری ہر آنچہ کہ بپسندی — حقا کہ ہماں خوشتر حقا کہ ہماں او لے
ہر چند دریں وقتے تمکیں تو ہم خواب است — در مصلحتم لیکن مستی ست ازاں او لے
ایں نظم جگر گفتی ، گل گفتی و در سفتی — ہم رنگ زباں بہتر ، حسن بیاں او لے

مست است جگر از مے مست مے ناب اولے — او خانہ خراب است او خانہ خراب اولے

من طالب آزار رام، آرام نمی خواہم — بر جان من خستہ صد گونہ عذاب اولے

از خرقہ و عمامہ من ہیچ نمی دانم — گہ گہ نگر ایں سامان در دیں ایں شراب اولے

در آرزو و بحرے پویم و می جویم — زیں موجۂ زریں دریا یارا ست شراب اولے

بسیار دیدم گفتی آواز من بشنو واعظ — از ہر دو جہاں تو، یک جام شراب اولے

من عاشق شیدایم از غیر ندارم کار — کز قہر فلک از تو، صد چشم عتاب اولے

من ساغر مے در کیف مطرب تو بخواں بروف — صد توبہ و صد طاعت غرق مے ناب اولے

تا ئے جگر ایں مستی، بشنو سخن حافظ
رندی و خراباتی در عہد شباب اولے

اے آنکہ ہم کردہ ہشیاری و سرمستی — صد نغمہ برانگیز و سازے کہ تو بشکستی

صد حسن دراں پنہاں صد جلوہ ازاں پیدا — قرباں نگاہ تو، نازیم بایں مستی

از اول گام عشق کردیم نثار حسن — دنیا و غم دنیا، ہستی و غم ہستی

گہ تا فلک اندیشم کہ بخبر از خویشم — گاہے بجہاں ہوشم گاہے بجہاں ہستی

آں رند خراباتت نامش کہ جگر خوانند
صد ہوش بجاں دارد، با ایں ہمہ سرمستی

گر از سرے بیایم، صد عمر جاودانی — بر من حرام بادا ئے دوست زندگانی

ہیچ است زندگی وا اسباب زندگی — بگزار تا بسوزم ایں پردہ ہائے فانی

کارے ست مشکلی مائے دل گر توانی — در باب زندگی از اصل زندگانی

عمرے است فانی اما سرے ست جاودانی | اے گوشہ گیر خلوت ایں نکتہ ہا چہ دانی
یک جام تند ساقی بقا فاش فاش گویم | زاہد خبر نہ دارد ز اسرار زندگانی
ہم از برائے قتلش دست قضاست پنہاں | پیری کہ در ربود دست تاج سر جوانی
ایں نہ رواق اخضر در پائے او فگندہ | کو ہیچ شے ندارد خبر در جاودانی
من از ابتدائے عشقت کاہیدہ تن ز کام | طاقت کجا کہ چینم گل از رخ جوانی
عشقم چہ کار کرد و حسنت چہ گل شگفتہ | ایں راز اولیں ست من دانم و تو دانی

بر روز فیض گرم از روح قدس حافظ
بر من جگر گواہ است ایں جوش ایں معانی

ہر دم ز نازہ تازہ با عاشقاں بہ بازی | گاہے ز دل گدازی گاہے ز جاں گدازی
اے آنکہ یک اشارت صد عقدہ ہا کشادہ | رحمے بحال ما ہم شاہنشہ حجازی

برخیز داد سر عشق در راہ او قدم زن
تا کے جگر! بہ مستی تا کے بہ عشق بازی

فارغ ز خزانے ہم از باغ و بہارے | مائیم و خیال رخ خورشید نگارے
دیدم بہ در دیر عجب شعبدہ کارے | میخانہ بدوشے و گلستاں بکنارے
بر بلوی ما بہ پس ازاں سینہ فگارے | در عین بہارے کہ جدا شد ز بہارے
چیزے منگر بر تن لاغر ز بہارے | افسانہ ما بہ پس ز نوک سر خارے
تقسیم بہ ہوائے من در دیم طرف عقل | دشمن بہ کمینے و نگاہم بہ یسارے
یک داغ آزار تپ عشق بہ سینہ | ایں است خزانے و ہمیں است بہارے
شبنم سر مژگاں ست کہ شبنم بہ سر شاخ | شبنم سر شاخ ست کہ منصور بہ دارے

صد بار گذشتیم ز ہر مرحلۂ عشق — حیرت بہماں طرز آئینہ دارے
بلبل ہمہ تن خوں شد و گل شد ہمہ تن چاک — اے وائے بہارے اگر ایں ہست بہارے
اغیار بہ دل خندہ زن و دل بتو مشغول — خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

اے خسرو خوباں، نظرے کن ز سر مہر
افتادہ بہ کوئے جگر سینہ فگارے

سحر آمد ابر آمد حجاب ہائے رازے — کہ حریم ماست بالا ز حقیقت و مجازے
بہ رساں صبا پیامم، بہ حبیب دلنوازے — کہ رغبت گزشتہ شوق و غم عشق جانگدازے
بہ ہوائے عیش تاکے، تو بہ خوابگاہ نازے — کہ ز سوز دردمنداں ہمہ عالم ست سازے
تو مرا بگو کہ جاناں چہ کنم بجاں زارے — کہ عام ہوئے جسمم ز غم است نے نوازے
ہمہ شہر فتح گشت و بہماں نیاز و نازے — دل غزنوی اسیر جسمم طرہ ایازے
بہ میان جاناں چہ قیامت ست رازے — نہ رخ او نظارہ سوزے دل من نظارہ سازے
ہمہ جلوہ عکس رویت ہمہ نغمہ گفتگویت — نہ ہے باصرہ فروزے، نہ ہے سامعہ نوازے
ز نواز کفر خیزم، ہمہ کعبہ بت نہفتہ — ز ادائے سجدہ ریزم، ہمہ بتکدہ مجازے
تو زخاک ما حذر کن کہ دریں مقام واعظ — دل ناز شعلہ گیرد ز تجلی نیازے

جگر حزیں! چہ نازی بمتاع جذبۂ دل
تو سپرد کار خود کن، بخدائے کارسازے

من راست راست گویم دارم گل جوانے — گلچیں اشارہ فرما، بلبل بدہ نشانے
آں جام ہوش در کف ایں پائے عقل در گل — آں ست عشق جاناں ایں ست عشق جانے
اے جام بیقراراں، تاکہ رود درد آں — کہ سوز اشتیاقت کار آمدہ بجانے

ہمت اگر تو داری۔ در عشق کوش اے دل
ایں جان تازہ برگیر، از بارگاہ جانے

شب میکدہ چو رفتم دیدم عجب بہارے
ساقی بست مست و بیخود، رنداست ہوشیارے

در شوق ماہ دے دریاد گلعذارے
ہر جا نظر فگندم دیدم بہشت زارے

شوقے و دردو وصلے و ہجر یارے
ساقی بدہ پیالہ، تا بشکنم خمارے

دیروز بر و دیدہ۔ دیدم عجب نگارے
پیمانہ در نگاہے، میخانہ در کنارے

آنجا کہ نیست ساقی، اندیشۂ خمارے
زاں میکدہ عطا کن، یک جام زرنگارے

ہشیار بگذار اے دل، در راہ عشق و مستی
ہر موج مے در یں جا بحر است بے کنارے

رازے عجب شنیدم، از عاشقے کہ می گفت
مائیم و ہجر و وصلے و ہجر یارے

در عاشقی و مستی، بگریز از ملامت
کایں خاک راہ کوئیش تا چیست زرنگارے

ہر قطرہ کہ بینی، در آب زندگانی
ہم موج و ہم سفینہ ست ہم بحر و ہم کنارے

آں را کہ شرح کردند ایں ست گل فسانہ
منصور بود شخصے، مشہور شد از دارے

تو اے کو نرگس مستانہ داری
بیشک ساغر عجب میخانہ دارے

من بے دل نہ تنہا عشق خیزم
تو ہم افسانہ در افسانہ دارے

٭٭ ٭٭ ٭٭

سراپا

ناتمام

دل برد از من دیروز شامے — فتنہ طرازے، محشر خرامے
روئے مبینش صبح تجلی — لوحِ جبینش ماہ تمامے
مشکیں خط او سنبل بہ گلشن — نعلیں لب او بادہ بہ جامے
چشمے کہ کوثر یک جرعۂ او — قدے کہ طوبا، ادنے غلامے
عارض بہ عارض گیسو بہ گیسو — صبحے چہ صبحے شامے چہ شامے
آں تیغ ابرو، واں تیر مژگاں — آمادہ ہر یک بر قتل عامے
برق نگاہش، صد جاں بہ دامن — زلف سیاہش، صد دل بہ دامے
ہر عشوۂ او شیریں مقامے — ہر غمزۂ او رنگیں پیامے
از جسم لرزاں، لرزاں دو عالم — چوں زلف برہم، برہم نظامے
گاہے بہ مستی، طاؤس رقصاں — گاہے بشوخی، آہو خرامے
از بار مینا، لرزش بدستے — در کیف صہبا، لغزش بگامے

گفتم چہ جوئی؟ گفتہ دل و جاں
گفتم چہ خواہی؟ گفتہ غلامے

پیروی صحابہ کن ، اسوۂ پنجتن نگر

خطاب بہ مسلم

چشم کشادہ جانب رزم کہ وطن نگر
مقتل کانبود ببیں لاشہ بے کفن نگر

خون حیات سو بہ سو خاک بسرشتہ مو بہ مو
حلق بریدہ کو بہ کو بچہ و برد و زن نگر

عشق نظارہ ساز را برق خانماں ببیں
حسن نظارہ سوز را شعلہ بہ پیرہن نگر

بر تن حسن نازنین، آہ ز فرق تا قدم
زخم شفق شفق ببیں، داغ چمن چمن نگر

دیدۂ عشوہ را کجا؟ خفتہ بخواب مرگ ہیں
شوخی رنگ رخ کجا؟ سرخیٔ پیرہن نگر

طفل و جواں و پیر را صف بصف ہم بہم
دست خدا از ساعد و فرق جدا از تن نگر

بچہ شیرخوار را پیش نگاہِ مادرش
چاک سینہ تا کمر، کشتہ و بے کفن نگر

حاکم شہر را کہ بود ، ثانی شمر بالیقیں
آور بجائے قید و قتل، سیر کن وطن نگر

باز بیا نہ آگرہ دجلہ نظارہ کن
باز برو بہ کاشمیر کشتن و سوختن نگر

حیف بریں نتیجۂ نظم نظام ذہنیت
تیغ جفائے ہم وطن، بر سر ہم وطن نگر

ہائے ازیں گزندگاں وائے ازیں درندگاں
ہند و بہار ہند را بسمل و خستہ تن نگر

تازہ بہ تازہ خون خلق موج بہ موج بوئے خوں
نعرۂ حریت شنو آں لب و ایں دہن نگر

آں ہمہ ہا کہ بنگری، واں ہمہ ہا کہ بشنوی
پردہ بسوئے صورت ہائی صد ختن نگر

ای کہ تو حق نہادہ ، مسلمِ پاک زادہ
در چہ بلا فتادۂ ، خیز بہ خویشتن نگر

دشمن آدم، آدمے، ہم سخنے نہ ہمدمے
چشم کشادہ بکدمے، فتنۂ اہرمن نگر

آں ہمہ نعرۂ فش و خطا، ایں ہمہ سازِ فش و دغا
خلوت اہل دل ببیں، جلوت اہل فن نگر

بدعت و شرک و افتراق، فسق و فجور، ہم نفاق
جملہ بحسن اتفاق ہمدم و ہم سخن نگر

گاہ بہ کسوتِ طبیب روئے اجل نظارہ کن
گہ بہ لباسِ راہبر، صورتِ راہزن نگر

نے خبر از حقیقتے، نے اثر از شریعتے
یک سخن اذاں بپرس، یک نگہے بہ من نگر

خدمتِ بے سبب کجا، طاعتِ خاصِ رب کجا
سادگیٔ عرب کجا، خیز و در انجمن نگر

آتشِ قہر آشکار، برقِ عناد شعلہ بار
صورتِ شیخ زاں ببیں، سیرتِ برہمن نگر

خیز و بیا نظارہ کن، دل ہمہ پارہ پارہ کن
شوکتِ رفتہ را مجو، عبرتِ انجمن نگر

جسم ز فاقہ زار و زار، روح زبوں و بیقرار
مادرِ ہند اشکبار، مفلسیٔ وطن نگر

وجہ ز مفلسی مپرس، سیم و زرِ وطن مجو
رخ بنما بہ لندن و سیم و زرِ وطن نگر

جرم و خطا روا ستے، عذر و دغا حکایتے
جورِ فرنگیاں مپرس، دار ببیں رسن نگر

گاہ بروئے معدلت شانِ نظر نظر ببیں
گہ بہ جبینِ خسروی، طرزِ شکن شکن نگر

گاہ بیا بہ شہر و دہ، شورشِ دار و گیر بیں
گاہ برو بہ سرحد و اذنِ بزن بزن نگر

جدتِ افتراق بیں، ندرتِ اتفاق بیں
فطرتِ چست و چاق حکمتِ علم و فن نگر

شانِ عمارتے ببیں، طرزِ سیاستے ببیں
ایں ہمہ لغتے ببیں، آں ہمہ بروطن نگر

گاہ بہ لب حکایتے کہ ز غلام زادگاں
دعوئ آشتی شنو، نازشِ حسن و فن نگر

نغمۂ سرمدی کجا، جلوۂ احمدی کجا
سایۂ ایزدی کجا، غصۂ اہرمن کجا

شکوۂ غیر تا کجا؟ قصہ جور تا بکے
آنچہ بہ خویشتن گزشت آہ زخویشتن نگر

مسلم ہند زادۂ پند گیر و گوش کن
آنچہ بخویشتن گزشت آہ زخویشتن نگر

ہمت دل بجوش آر جاں ہمہ در خروش را
پیروی صحابہ کن، اسوہ پنجتن نگر

فلسفہ ہیچی علل، ایں ہمہ وحشت و خلل
رو و بکوش در عمل، باز بہ خویشتن نگر

باز مرادی خود د سبزہ و غنچہ می دود
رشحۂ فیض می چکد رحمت ذوالمنن نگر

ساغر جہد نوش کن طاعت مے فروش کن
باز روش روش خرام، باز چمن چمن نگر

———

بہ اضافہ کلام اردو

دردِ جگر

راز جو سینۂ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
سب سے پہلے دل شاعر میں عیاں ہوتا ہے

سخت خوں ریز جب آشوب جہاں ہوتا ہے
نہیں معلوم یہ انساں کہاں ہوتا ہے

جب کوئی عشق میں برباد جہاں ہوتا ہے
مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہل دل کے لئے سرمایہ جاں ہوتا ہے

ہائے وہ وقت کہ جب حسن پہ آتا ہے شباب
اف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے

وقت آتا ہے ایک ایسا بھی محبت میں کہ جب
دل پہ احساس محبت بھی گراں ہوتا ہے

کہیں ایسا تو نہیں وہ بھی ہو کوئی آزار
تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے

ہائے وہ سلسلۂ اشک کہ جو تیرے حضور
دل میں رکھتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

جگر پارے

مجسم حقیقت سراپا فسانہ
محبت کا عالم جنوں کا زمانہ

ہمہ شعر و نغمہ ہمہ رنگ و نکہت
وہ جانِ تمنا وہ حسنِ یگانہ

وہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم
ادائے تعلق نظر مجرمانہ

نظر اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے
دھڑکتے دلوں میں نازک فسانہ

حیا میں وہ معصوم سی اک شرارت
شرارت میں موہوم سا اک فسانہ

وہ ہر تکلم میں اک نئی زندگانی
وہ ہر بات میں اک نیا شاخسانہ

طبیعت شگفتہ، مگر ہلکی ہلکی
ہر انداز دلکش مگر والہانہ

وہ بے خواب آنکھوں کا سحر محبت
وہ بیتاب دل کا فسون شاعرانہ

وہ اخفائے راز محبت کی خاطر
کبھی کچھ بہانہ، کبھی کچھ بہانہ

وہ اشک و تبسم کا پُر کیف موسم
وہ شعر و ترنم کا رنگیں زمانہ

کبھی روئے زیبا پہ غصہ کی لہریں
کہ جیسے کوئی بجلیوں کا خزانہ

غرورِ تجمل، مگر زخم خوردہ
شکستِ محبت، مگر فاتحانہ

(تمام شد)

آتشِ گل

جگر مرادآبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

ہر حقیقت کو باندازِ تماشا دیکھا
خوب دیکھا ترے جلووں کو مگر کیا دیکھا

جستجو میں تری یہ حاصلِ سودا دیکھا
ایک اک ذرہ کا آغوشِ طلب وا دیکھا

آئینہ خانۂ عالم میں کہیں کیا دیکھا
تیرے دھوکے میں خود اپنا ہی تماشا دیکھا

ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا
جو یہ کہدے کہ ترا حسن سراپا دیکھا

دل آگاہ میں کیا کہیے جگر کیا دیکھا
لہریں ہوا اک قطرے میں دریا دیکھا

کوئی شائستہ و شایانِ غمِ دل نہ ملا
ہم نے جس بزم میں دیکھا اسے تنہا دیکھا

(۲)

یاد ش بخیر جب وہ تصور میں آگیا
شعر و شباب و حسن کا دریا بہا گیا

جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آگیا
خود بن گیا حسین، دو عالم پہ چھا گیا

جو دل کا راز تھا اسے کچھ دل ہی پا گیا
وہ کر سکے بیاں، نہ ہمیں سے کہا گیا

ناصح فسانہ اپنا ہنسی میں اڑا گیا
خوش فکر تھا کہ صاف یہ پہلو بچا گیا

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

دل بن گیا نگاہ، نگہ بن گئی زباں
آج اک سکوتِ شوق قیامت سی ڈھا گیا

میرا کمالِ شعر بس اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

(۳)

دل کو سکون، روح کو آرام آگیا
موت آگئی کہ دوست کا پیغام آگیا

جب کوئی ذکر گردش ایام آگیا
بے اختیار لب پہ ترا نام آگیا

غم میں بھی ہے سرور، وہ ہنگام آگیا
شاید کہ دور بادۂ گلفام آگیا

دیوانگی ہو، عقل ہو، امید ہو کہ یاس
اپنا وہی ہے وقت پہ جو کام آگیا

دل کے معاملات میں ناصح! شکست کیا
سو بار حسن پر بھی یہ الزام آگیا

صیاد شادماں ہے، مگر یہ تو سوچ لے
میں آگیا کہ سایہ تہ دام آگیا

دل کو نہ پوچھ معرکۂ حسن و عشق میں
کیا جانئے غریب کہاں کام آگیا

یہ کیا مقام عشق ہے ظالم کہ ان دنوں
اکثر ترے بغیر بھی آرام آگیا

احباب مجھ سے قطع تعلق کریں جگرؔ
اب آفتاب زیست لب بام آگیا

(۴)

شعر و نغمہ رنگ و نکہت جام و صہبا ہو گیا
زندگی سے حسن نکلا اور رسوا ہو گیا

اور بھی آج اور بھی ہر زخم گہرا ہو گیا
بس کر اے چشم پشیماں کام اپنا ہو گیا

اس کو کیا کیجئے زبان شوق کو چپ لگ گئی
جب یہ دل شائستۂ عرض تمنا ہو گیا

اپنی اپنی وسعت فکر و یقین کی بات ہے
جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اس کا ہو گیا

ہم نے سینے سے لگایا دل نہ اپنا بن سکا
مسکرا کر تم نے دیکھا، دل تمہارا ہو گیا

(۸۳)

کوئی جیتا، کوئی مرتا ہی رہا — عشق اپنا کام کرتا ہی رہا
جمع خاطر کوئی کرتا ہی رہا — دل کا شیرازہ بکھرتا ہی رہا
غم وہ میخانہ، کمی جس میں نہیں — دل وہ پیمانہ، کہ بھرتا ہی رہا
حسن تو تھک بھی گیا لیکن یہ عشق — کارِ معشوقانہ، کرتا ہی رہا
وہ مٹاتے ہی رہے لیکن یہ دل — نقش بن بن کر ابھرتا ہی رہا
دھڑکنیں دل کی سبھی کچھ کہہ گئیں — دل کو میں خاموش کرتا ہی رہا

تم نے نظریں پھیر لیں تو کیا ہوا
دل میں اک نشتر اترتا ہی رہا

(۸۴)

گدازِ عشق نہیں کم، جو میں جواں نہ رہا — وہی ہے آگ مگر آگ میں دھواں نہ رہا
نہیں کہ دل مرا وقفِ غمِ نہاں نہ رہا — مگر وہ شیوۂ فرسودۂ بیاں نہ رہا
رہے وہ شوق جو پابندِ ایں و آں نہ رہا — خوشا وہ سجدہ جو محدودِ آستاں نہ رہا
حجابِ عشق کو اے دل بہت غنیمت جان — رہے گا کیا جو یہ پردہ بھی درمیاں نہ رہا
چمن تو برقِ حوادث سے ہو گیا محفوظ — مری بلا سے، اگر میرا آشیاں نہ رہا
جنونِ سجدہ کی معراج ہے یہی شاید — کہ تیرے در کے سوا کوئی آشیاں نہ رہا

کمالِ قرب بھی شاید ہے عینِ بعد جگر
جہاں جہاں وہ ملے ہیں وہاں نہ رہا

میں نے جس بت پہ نظر ڈالی جنونِ شوق میں (۶) دیکھتا کیا ہوں، وہ تیرا ہی سراپا ہو گیا
اٹھ سکا ہم سے نہ بارِ التفاتِ ناز بھی مرحبا، وہ جس کو تیرا غم گوارا ہو گیا
وہ چمن میں جس روش سے ہو کے گذرے بے نقاب دفعتاً ہر ایک گل کا رنگ گہرا ہو گیا

شش جہت آئینۂ حسنِ حقیقت ہے جگر
قیس دیوانہ تھا، محوِ روئے لیلیٰ ہو گیا

(۷)

روبروئے دوست ہنگامِ سلام آ ہی گیا رخصت اے دیر و حرم، دل کا مقام آ ہی گیا
منتظر کچھ رند تھے جھکے وہ جام آ ہی گیا باش اے گردوں کہ وقتِ انتقام آ ہی گیا
ہر نفس خود بنکے میخانہ یہ جام آ ہی گیا توبہ جس سے کانپتی تھی وہ مقام آ ہی گیا
اللہ اللہ یہ مری توک و طلب کی کاوشیں قطعہ رفتہ رفتہ سامنے حسن تمام آ ہی گیا
اول اول ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں آخر آخر اک مقامِ بے مقام آ ہی گیا
التفاتِ چشمِ ساقی کی سبک تابی نہ پوچھ میں یہ سمجھا جیسے مجھ تک دورِ جام آ ہی گیا
عشق کو تھا کب سے اپنی خشک دامانی کا رنج ناگہاں آنکھوں کو اشکوں کا سلام آ ہی گیا
ہر نگہ پیر بند تھیں، ایک، اک نفس کی سرکشیں ہوشیار اے عشق، وہ نازک مقام آ ہی گیا
اہلِ دنیا اور کفرانِ زمانہ تا بکے خود زمانہ بن کے تیغِ بے نیام آ ہی گیا
شوق نے ہر چند صدہا نغز تے ڈالے مگر زندگی کو اس دردِ ناتمام آ ہی گیا
صحبتِ رنداں سے واعظ کچھ نہ حاصل ہو سکا بہکا بہکا سا مگر طرزِ کلام آ ہی گیا

بے جگر سونا پڑا تھا مدتوں سے میکدہ
پھر وہ دریا نوش رندِ تشنہ کام آ ہی گیا

(۸)

پرائے ہاتھوں جینے کی ہوس کیا — نشیمن ہی نہیں تو پھر قفس کیا
مکان و لامکاں سے بھی گزر جا — فضائے شوق میں پرواز جس کیا
کرم صیاد کے ہاں ہیں پھر بھی — فراغِ خاطرِ اہلِ قفس کیا
محبت سرفروشی، جاں سے پیاری — محبت میں خیالِ پس و پیش کیا
اجل خود زندگی سے کانپتی ہے — اجل کی زندگی پہ دسترس کیا
زمانے پہ قیامت بن کے چھا جا — بنا بیٹھا ہے طوفاں در نفس کیا
قفس سے ہے اگر بیزار بلبل — تو پھر یہ شغلِ تنہ بکنِ قفس کیا

لہو آتا نہیں، کھینچ کر مژہ تک
نہ آئے گی بہار اب کی برس کیا

(۹)

یک لحظہ خوشی کا جب انجام نظر آیا — شبنم کو ہنسی آئی، دل غنچوں کا بھر آیا
یہ کون تصور میں ہنگام سحر آیا — محسوس ہوا جیسے خود عرش اتر آیا
خیر اس کو نظر آیا، شر اس کو نظر آیا — آئینے میں خود کو عکس نگر آیا
اس بزم سے دل لے کر کیا آج اثر آیا — ظالم جسے سمجھتے تھے مظلوم نظر آیا
اس جانِ تغافل نے پھر یاد کیا شاید — پھر عہدِ محبت کا ہر نقش ابھر آیا
گلشن کی تباہی پر کیوں رنج کرے کوئی — الزام جو آنا تھا دیوانوں کے سر آیا

یہ محفل مستی بھی کیا محفل ہستی ہے
جب کوئی اٹھا پردہ میں خود ہی نظر آیا

(۱۰)

تیرا تصور شب ہمہ شب | جلوت غم بھی بزم طرب
دعوی اشوق اور شکوہ بلب | شرم! دل آرام طلب
باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک | تیری طلب یا اپنی طلب
آہی گیا اک مست شباب | شیشہ بدست و نغمہ بلب
حسن مکمل، جذب و گریز | عشق مسلسل ترک و طلب
ہیبت گئی جو دل پہ نہ پوچھو | ہجر کی شب اور آخر شب
ترک طلب اور اطمینان | دیکھ تو میرا حسن طلب

ہائے وہ درد دل کہ جگر
کچھ نہیں کھلتا جس کا سبب

(۱۱)

سینے میں اگر ہو دل بیدار محبت | ہر سانس ہے پیغمبر اسرار محبت
وہ بھی ہوئے جاتے ہیں طرفدار محبت | آپ چھپے نظر آتے نہیں آثار محبت
ہشیار ہوا ہے بے خود و سرشار محبت | اظہار محبت بارے اظہار محبت
تا دیر نہ ہو دل بھی خبردار محبت | اک یہ بھی ہے انداز فسوں کار محبت
تو ہیں نگاہ کرم یار کہاں تک | دم لینے دے لے لذت آزار محبت

سب پھونک دیئے خار و خس مذہب و ملت
اللہ رے یہ شعلۂ رخسار محبت

کونین سے کیا اہلِ محبت کو سروکار
کونین ہے خود حاشیہ بردارِ محبت

جو عرش کی رفعت کو بھی اس در پہ جھکا دے
ایسا بھی کوئی جذبۂ سرشارِ محبت

میں نے انہیں تاریک فضاؤں میں بھی اکثر
دیکھے ہیں برستے ہوئے انوارِ محبت

ناصح کو ہے کیوں میری محبت سے سروکار
چہرے سے تو کھلتے نہیں آثارِ محبت

میں اور یہ غمگین غمِ عشق ارے توبہ
تو، اور یہ احساس کا گرانبارِ محبت

اب عرضِ محبت کی جگر کیوں نہیں جرأت
وہ سامنے ہیں، گرم ہے بازارِ محبت

(۱۲)

غم ہے کیا زینۂ صفات و ذات
غم نہیں ہے تو آرزو، نہ حیات

نغمۂ آرزو رقصِ حیات
مرحبا عاشقانِ خوش اوقات

تو محبت کو لازوال بنا
زندگی کو اگر نہیں ہے ثبات

ہم نے دیکھے ہیں جاگتے ہوئے دل
ہم سے پوچھو ستم کے احسانات

آرزو ہر نفس حیات و مرگ
عاشقی بے نیازِ مرگ و حیات

باتوں باتوں میں آج تو سرِ بزم
کہہ گئے وہ ہر ایک دل کی بات

آپ جو کچھ کہیں بجا لیکن
آپ پر بھی ہیں چند الزامات

حسن ہی حسن، جلوہ ہی جلوہ
اللہ اللہ ہجومِ کیفیات

عشق وہ تشنہ کام ہے کہ جسے — زہر کا گھونٹ بھی ہے آبِ حیات

اے کمالِ سخن کے دیوانے
ماورائے سخن بھی ہے اک بات

(۱۳)

دنیا کے ستم یاد، نہ اپنی ہی وفا یاد — اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

میں شکوہ بلب تھا مجھے یہ بھی نہ رہا یاد — شاید کہ مرے بھولنے والے نے کیا یاد

چھیڑا تھا جسے پہلے پہل تیری نظر نے — اب تک ہے وہ اک نغمۂ بے ساز و صدا یاد

جب کوئی حسیں ہوتا ہے سرگرمِ نوازش — اس وقت وہ کچھ اور بھی آتے ہیں سوا یاد

کیا جانئے کیا ہو گیا اربابِ جنوں کو — مرنے کی ادا یاد نہ جینے کی ادا یاد

مدت ہوئی اک حادثۂ عشق کو لیکن — قطعہ اب تک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد

ہاں ہاں تجھے کیا کام مری شدتِ غم سے — ہاں ہاں نہیں مجھ کو ترے دامن کی ہوا یاد

میں ترکِ رہ و رسمِ جنوں کر ہی چکا تھا — کیوں آ گئی ایسے میں تری لغزشِ پا یاد

کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
کیجئے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد

(۱۴)

حسینِ دل، تبسمِ نگاہ پیدا کر — پھر اک لطیف سی خاموش آہ پیدا کر

جسے ہوائے زمانہ کبھی بجھا نہ سکے — قدم قدم پہ وہ اک شمعِ راہ پیدا کر

خلوص عشق و یقین حیات کے ہمراہ — جنونِ شوق و فسونِ نگاہ پیدا کر
رگوں میں بھر کے فروغِ جمالِ الا اللہ — نظر میں شعلگیِ لا الٰہ پیدا کر

یہی زمین ترا مسکن یہی ترا مدفن
اسی زمیں سے تو مہر و ماہ پیدا کر

(۱۵)

شاہد و ساقی و بہار سے دور — یعنی ہر کیف مستعار سے دور
تخت سے تاج و تاجدار سے دور — دور اس دورِ فتنہ کار سے دور
ہے خزاں اپنی ہر خزاں سے جدا — ہے بہار اپنی ہر بہار سے دور
ستم و جورِ آسماں سے الگ — کرم و لطفِ غمگسار سے دور
خطرۂ موت اب، نہ فکرِ حیات (قطعہ) — نشہ ہی نشہ ہے خمار سے دور
پرتوِ حسنِ ذات سے نزدیک — سایۂ زلفِ تابدار سے دور
اک حقیقت خیال سے برتر — اک جہاں، چشمِ روزگار سے دور

عشق ہے اس مقام پہ کہ جہاں
حسن ہے نقصِ اعتبار سے دور

(۱۶)

نغمہ، ترا نفس نفس، جلوہ ترا نظر نظر — اے مرے شاہدِ حیات اور ابھی قریب تر
بن گئی مستقل عذاب، جانِ خراب شوق پر — خود مری کاوشِ نگاہ خود مری فکر پردہ پر

ترا خلوص دلبری، جان نہ ڈال دے اگر
ساز بھی میرا مضمحل، نغمہ بھی میرا بے اثر

معرفت جمال میں کام نہ آئے بال و پر
عقل کہیں یہ گر پڑی، چھوٹ گئی کہیں نظر

باہمہ ذوق آگہی، ہائے رے پستی بشر
سارے جہاں کا جائزہ، اپنے جہاں سے بے خبر

دیکھا ہے اک جہان خاص میں نے کبھی کبھی جگر
حسن سے بھی بلند تر، عشق سے بھی لطیف تر

سوزش درد الاماں، گردش دہر الحذر
بہکے ہوئے سے قافلے، سہمی ہوئی سی رہگذر

آ مری جان انتظار، آ مرے آفتاب شوق
تیرے بغیر زندگی، کب سے ہے شام بے سحر

عرض نیاز عشق کا چاہیئے اور کیا صلہ
میں نے کہا بہ چشم نم، اس نے سنا بہ چشم تر

لاکھ بیان درد دل، اک وہ تبسم حزیں
لاکھ فسانہائے شوق، اک وہ نگاہ مختصر

مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا
میرا سفر ہے در وطن، میرا وطن ہے در سفر

حسن سے جو نہ ہو سکا، کر گئی حسن کی اک نگاہ
عشق نے توڑ دی کماں، عشق نے ڈال دی سپر

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں
ایک طلوع آفتاب، دشت و چمن سحر سحر

(۱۷)

محبت میں جگر گذرے ہیں ایسے بھی مقام اکثر
کہ خود لینا پڑا ہے اپنے دل سے انتقام اکثر

کہاں حسن تمام یار و تکلیف کرم کو تھی
بدل دیتی ہے دنیا اک نگاہ ناتمام اکثر

مری رندی بھی کیا رندی، مری مستی بھی کیا مستی
مری توبہ بھی بن جاتی ہے میخانہ بجام اکثر

محبت نے اسے آغوش میں بھی پا لیا آخر
تصور ہی میں رہتا تھا جو اک محشر خرام اکثر

جگر ایسا بھی دیکھا ہے کہ ہنگام سیہ مستی
نظر سے چھپ گئے ہیں، ساقی و مینا و جام اکثر

(۱۸)

تری رحمت خطا بخش و خطا پوش | مری جرات خطا کار و خطا کوش
ہوا جاتا ہے دل پیماں فروش | کہاں ہے اے جنون خانہ بردوش
یہ کمہ کر ہو گیا دیوانہ خاموش | سلام آخری اے جنتِ ہوش
خبر لے اپنی اے غارت گرِ ہوش | ہوا جاتا ہے تو بھی خود فراموش
نہ پہنچی آنچ دامن تک کسی کے | بڑا احسان ترا اے سوزِ خاموش
یہ اعجازِ نگاہِ نازِ ساقی | مری ہستی ہمہ مستی ہمہ ہوش
ابھی کو بڑھ کے ہونا ہے قیامت | سلامت باکرامت فتنۂ ہوش

ہمیں شکوے تھے کیا کیا ان سے لیکن
ہمیں ثابت ہوئے احساں فراموش

(۱۹)

(مسلسل)

وہ احساس شوقِ جواں اول اول | وہ اک عالمِ گلفشاں اول اول
وہ خود ساختہ اک طلسمِ تمنا | وہ تالیف و تصنیفِ جاں اول اول
وہ موہوم سا اک جہانِ محبت | وہ مبہم سی اک داستاں اول اول
تخیل میں رنگینیاں رفتہ رفتہ | تصور میں تصویرِ جاں اول اول
وہ شگفتہ شاماں تازہ تازہ | وہ اک عشرتِ سرگراں اول اول
مجسم وہ تعبیرِ خوابِ محبت | وہ نظارۂ ناگہاں اول اول
وہ اک پیکرِ حسنِ معصوم و سادہ | وہ اک جلوۂ بے اماں اول اول
تکلم میں بے ربط سا اک تسلسل | خموشی میں حسنِ بیاں اول اول

جگر آہ انجام و آغاز محبت
سکوت آخر آخر، فغاں اول اول

(۲۰)

اللہ رے اس گلشن ایجاد کا عالم
جو صید کا عالم، وہی صیاد کا عالم

اف رنگ رخ بانیٔ بیداد کا عالم
جیسے کسی مظلوم کی فریاد کا عالم

پہروں سے دھڑکنے کی بھی آتی نہیں آواز
کیا جانئے کیا ہے دل ناشاد کا عالم

منصور تو سر دے کے سبک ہو گیا لیکن
جلاد سے پوچھے کوئی جلاد کا عالم

ہیں اور ترے ہجر مسلسل کی شکایت
تیرا ہی تو عالم ہے تری یاد کا عالم

کیا جانئے کیا ہے مری معراج مقامی
عالم تو ہے صرف اک مری افتاد کا عالم

ارباب چمن سے نہیں، پوچھو یہ چمن سے
کہتے ہیں کسے نکہت برباد کا عالم

کیوں آتش گل میرے نشیمن کو جلائے
تنکوں میں ہے خود برق چمن زاد کا عالم

(۲۱)

حسن کافر شباب کا عالم
سر سے پا تک شراب کا عالم

عرق آلودہ چہرہ تاباں
شبنم و آفتاب کا عالم

وہ مری عرض شوق بے حد پر
کچھ حیا، کچھ عتاب کا عالم

اللہ اللہ وہ امتزاج لطیف
شوخیوں میں حجاب کا عالم

ہمہ نور و سرور کی دنیا
ہمہ حسن و شباب کا عالم
وہ لبِ جوئبار و موسمِ گل
وہ شبِ ماہتاب کا عالم
زانوئے شوق پہ وہ پچھلے پہر
نرگسِ نیم خواب کا عالم
دبے دبے اختلاطِ راز و نیاز
یک بیک اجتناب کا عالم
لاکھ رنگین بیانیوں پہ مری
ایک سادہ جواب کا عالم
غم کی ہر موج، موجِ طوفاں خیز
دل کا عالم، حساب کا عالم
دلِ مضطرب سمجھ سکے شاید
اک شکستہ رباب کا عالم

وہ سماں آج بھی ہے یاد جگر
ہاں مگر جیسے خواب کا عالم

(۲۳)

جنوں کم، جستجو کم، تشنگی کم
نظر آئے نہ کیوں دریا بھی شبنم
بحمد اللہ تو ہے حسن کا ہمدم
کہاں اس قلب میں گنجائشِ غم
توجہ بے نہایت اور نظر کم
خوشا یہ التفاتِ حسن باہم
مری آنکھوں نے دیکھا ہے وہ عالم
کہ ہر عالم ہے لبریز شہا پیہم
خطا کیونکر نہ ہوتی عافیت سوز
کہ جنت ہی نہ تھی معراجِ آدم
خوشا یہ نسبتِ حسن و محبت
جہاں بیٹھے نظر آئے ہمیں ہم
وہ اک حسن سراپا اللہ اللہ
کہ جس کی ہر ادا عالم ہی عالم
کہاں پہلوئے خورشید جہانتاب
کہاں اک نازنین دوشیزۂ شبنم

مسرت زندگی کا دوسرا نام
مسرت کی تمنا، مستقل غم

(۲۴۳)

رکھتے ہیں خضر سے، نہ غرض رہنما سے ہم
چلتے ہیں بچ کے دور ہر اک نقشِ پا سے ہم

مانوس ہو چلے ہیں جو دل کی صدا سے ہم
شاید کہ جی اٹھے تری آوازِ پا سے ہم

یارب نگاہِ شوق کو دے اور وسعتیں
گھبرا اٹھے جمال بہت آشنا سے ہم

مخصوص کس کے واسطے ہے رحمتِ تمام
پوچھیں گے ایک دن یہ کسی پارسا سے ہم

او مستِ نازِ حسن تجھے کچھ خبر بھی ہے
تجھ پہ نثار ہوتے ہیں کس کس ادا سے ہم

یہ کون چھا گیا ہے دل و دیدہ پہ کہ آج
اپنی نظر میں آپ ہیں نا آشنا سے ہم

(۲۴۴)

یہ ذرے جن کو ہم خاکِ رہِ منزل سمجھتے ہیں
زبانِ حال رکھتے ہیں، زبانِ دل سمجھتے ہیں

جسے سب لوگ حسن و عشق کی منزل سمجھتے ہیں
بلند اس سے بھی ہم اپنا مقامِ دل سمجھتے ہیں

حقیقت میں جو رازِ دوری منزل سمجھتے ہیں
انہیں کو ہم سلوکِ عشق میں کامل سمجھتے ہیں

ہمیں وہ کیوں جفائے خاص کے قابل سمجھتے ہیں
یہ لازمہ دل ہے، اس کو محرمانِ دل سمجھتے ہیں

ابھی اک جرم پر انیار ہیں برپا قیامت ہے
کہ ہم بیدار ہیں اور اپنا مستقبل سمجھتے ہیں

نگاہوں میں کچھ ایسے بس گئے ہیں حسن کے جلوے
کوئی محفل ہو، لیکن ہم تری محفل سمجھتے ہیں

کوئی مانے یا نہ مانے اس کو لیکن یہ حقیقت ہے
ہم اپنی زندگی میں غیب کو شامل سمجھتے ہیں

یہ نرم و ناتواں موجیں خودی کا راز کیا جانیں
قدم لیتے ہیں طوفاں، عظمتِ ساحل سمجھتے ہیں

حکومت کے مظالم جب سے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں
جگرؔ ہم بمبئی کو کوچہ قاتل سمجھتے ہیں

(۲۵)

یہ تو نہیں کہ عرضِ غم درخورِ اعتنا نہیں
حسن کو لیکن اے جگرؔ فرصتِ ماسوا نہیں

نالۂ جاں فروز یا نغمۂ غم فزا نہیں
اے دل فتنہ آفریں تو ہے اگر تو کیا نہیں

پیشِ نظر ہے حسنِ دوست حسن کے ماسوا نہیں
عشق میں مبتلا ہوں میں، شرک میں مبتلا نہیں

غیر نے کچھ اگر کہا رنج کرے تری بلا
تو ہی جو باوفا نہیں کوئی بھی باوفا نہیں

بیٹھے ہیں بزمِ دوست میں گم شدگانِ دوست
عشق ہے اور طلب نہیں نغمہ ہے اور صدا نہیں

پینے سے کام ہے ہمیں میکدہ حیات میں
ظرف جدا جدا سہی اصل جدا جدا نہیں

پھول وہی، چمن وہی، فرق نظر نظر کا ہے
عہد بہار میں تھا کیا دور خزاں میں کیا نہیں

پھر یہ جدائیاں ہیں کیوں پھر یہ دہائیاں ہیں کیا
عشق سے تو الگ نہیں حسن سے میں جدا نہیں

لے مرے مقصد حیات، گوشۂ چشم التفات
ایک نگہ تو ہے بہت، نیم نگہ میں کیا نہیں

اف یہ کرشمہ کاریاں ہائے یہ ربط حسن و عشق
مجھ پہ کوئی نظر نہیں، تیری کوئی خطا نہیں

خشک نہ لب نہ آنکھ تر، واہ رے حضرت جگر
جیسے کہ دور کا بھی اب عشق سے واسطہ نہیں

(۲۶)

مقامات ارباب جاں اور بھی ہیں
مکاں اور بھی، لامکاں اور بھی ہیں

مکمل نہیں ہے جنون تجسس
مسلسل جہاں در جہاں اور بھی ہیں

یہیں تک نہیں عشق کی سیر گاہیں
مہ و انجم و کہکشاں اور بھی ہیں

محبت کی منزل ہی شاید نہیں ہے
کہ جب دیکھیے امتحاں اور بھی ہیں

محبت نہیں صرف مقصود انساں
محبت میں کار جہاں اور بھی ہیں

قفس توڑ کر مطمئن ہو نہ بلبل
قفس صورت آشیاں اور بھی ہیں

بہت دل کے حالات کہنے کے قابل
ورائے نگاہ و زباں اور بھی ہیں

نہیں منحصر کچھ مے و میکدہ تک
مری تشنہ سامانیاں اور بھی ہیں

خوشا درس غیرت، نہ ہے عشق تنہا
وہاں میں نہیں ہوں جہاں اور بھی ہیں

صبا خاک دل سے بچا اپنا دامن
ابھی اس میں چنگاریاں اور بھی ہیں

انہیں جب سے ہے اعتماد محبت
وہ مجھ سے جگہ جگہ بدگماں اور بھی ہیں

(۲۷)

دل میں کسی کے راہ کئے جا رہا ہوں میں
کتنا حسین گناہ کئے جا رہا ہوں میں

دنیائے دل تباہ کئے جا رہا ہوں میں
صرف نگاہ و آہ کئے جا رہا ہوں میں

فرد عمل سیاہ کئے جا رہا ہوں میں
رحمت کو بے پناہ کئے جا رہا ہوں میں

ایسی بھی اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
ذروں کو مہر و ماہ کئے جا رہا ہوں میں

مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند
خود حسن کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں

دفتر ہے ایک معنیٔ بے لفظ و صوت کا
سادہ سی جو نگاہ کئے جا رہا ہوں میں

آگے قدم بڑھائیں جنہیں سوجھتا نہیں
روشن چراغ راہ کئے جا رہا ہوں میں

معصومیٔ جمال کو بھی جن پہ رشک ہے
ایسے بھی کچھ گناہ کئے جا رہا ہوں میں

تنقید حسن مصلحت خاص عشق ہے
یہ جرم گاہ گاہ کئے جا رہا ہوں میں

اٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اس کے روبرو
نادیدہ اک نگاہ کئے جا رہا ہوں میں

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کئے جا رہا ہوں میں

مجھ سے ادا ہوا ہے جگر جستجو کا حق
ہر ذرے کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں

(۲۸)

بے کیف ہے دل اور جئے جا رہا ہوں میں
خالی ہے شیشہ اور پیئے جا رہا ہوں میں

پیہم جو آہ کیے جا رہا ہوں میں
دولت ہے غم، زکوٰۃ دیئے جا رہا ہوں میں

مجبوری کمالِ محبت تو دیکھنا
جینا نہیں قبول جئے جا رہا ہوں میں

وہ دل کہاں ہے اب کہ جسے پیار کیجئے
مجبوریاں ہیں ساتھ دیئے جا رہا ہوں میں

رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی
کہنے کی بات ہے کہ جئے جا رہا ہوں میں

پہلے شراب زیست تھی اب زیست ہے شراب
کوئی پلا رہا ہے، پیئے جا رہا ہوں میں

(۲۹)

جو مسرتوں میں خلش نہیں، جو اذیتوں میں مزا نہیں
ترے حسن کا بھی قصور ہے مرے عشق ہی کی خطا نہیں

مرے جذب عشق پہ رحمتیں مجھے بے بسی کا گلا نہیں
ترے جبر حسن کی خیر ہو، مرے اختیار میں کیا نہیں

مرا ذوق بھی مرا شوق بھی ہے بلند سطح عوام سے
ترا ہجر بھی ترا وصل بھی، مرے درد دل کی دوا نہیں

جسے میں بھی خود نہ بتا سکا، مرا راز دل ہے وہ راز دل
جسے غیر دوست سمجھ سکے، مرے ساز میں وہ صدا نہیں

مرا نالہ ہوش ربا ہو کیا، مرا نغمہ روح فزا ہو کیوں
کہ چمن میں پھول تو ہیں وہی مگر ان میں بوئے وفا نہیں

یہ طریق جہد ہے خوب تر، مگر آہ واعظ بے خبر
اسے سازگار ہو زہد کیا، جسے معصیت بھی روا نہیں

مرے درد میں یہ خلش کہاں، مرے سوز میں یہ تپش کہاں
کسی اور ہی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہیں

وہ ہزار دشمن جاں سہی، مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے
جسے خاک پا تری چھو گئی، وہ برا بھی ہو تو برا نہیں

وہی ربط عشق و جمال ہے، ترا اور جو کچھ خیال ہے
یہ سمجھ تجھی میں ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنس وفا نہیں

وہی میں ہوں اور وہی انجمن، مگر آج ہے مرا حال کیا
یہ گمان ہے کہ حقیقتاً کوئی اور تیرے سوا نہیں

مرے شعر میں ہیں نزاکتیں، مری نظم میں ہیں لطافتیں
مری فکر میں نہیں اے جگرؔ ادب کثیف کی جا نہیں

(۳۰)

اس رخ پہ اژدہام نظر دیکھتا ہوں میں
کانٹوں کی گود میں گلِ تر دیکھتا ہوں میں

سعیٔ مآلِ فکر و نظر دیکھتا ہوں میں
منزل رواں دواں ہے جدھر دیکھتا ہوں میں

تاثیرِ التفاتِ نظر دیکھتا ہوں میں
کونین اپنے زیرِ اثر دیکھتا ہوں میں

خود حسن میں آرزوئے شکستِ غرور ہے
ایسی بھی آج ایک نظر دیکھتا ہوں میں

رعبِ جمال و جذبِ محبت تو دیکھنا
اٹھتی نہیں نگاہ مگر دیکھتا ہوں میں

تنہا نہیں ہے عشق ہی رسوائے جستجو
خود حسن کو بھی گرمِ سفر دیکھتا ہوں میں

اللہ رے کمالِ خودی کی یہ وسعتیں
میرا ہی سامنا ہے جدھر دیکھتا ہوں میں

اے عشق! شاد باش کہ آج ان کو بار بار
مصروفِ احتیاطِ نظر دیکھتا ہوں میں

محوِ خرامِ ناز ہیں صحنِ چمن میں وہ
گستاخیٔ نسیمِ سحر دیکھتا ہوں میں

میرا مقامِ عشق مقامِ فنا نہیں
دنیائے زندگی ہے جدھر دیکھتا ہوں میں

شاید انہیں بھی اس کی خبر ہو نہ اے جگر
درپردۂ نظر جو نظر دیکھتا ہوں میں

(۳۱)
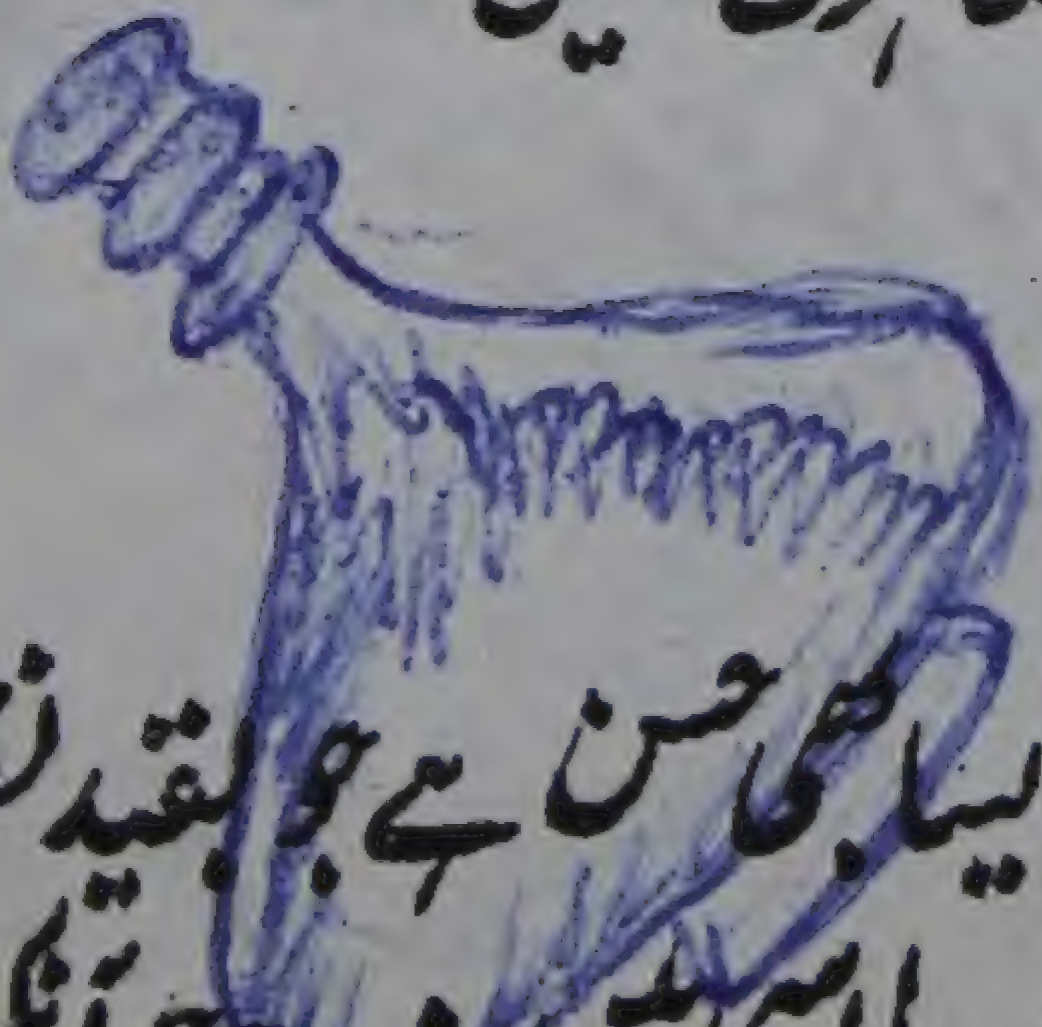
جز عشق معتبر یہ کسی کو خبر نہیں
ایسا بھی حسن ہے جو بقیدِ نظر نہیں

سنجیدگی ہزار ہو، غم سے مفر نہیں
دریا ابھی ہیں بند ہے جو آنکھ تر نہیں

دنیا کو دیکھ دیدۂ روشن نگاہ سے — فردوس زندگی ہے وہاں نظر نہیں

جو ہر نفس کیساتھ نہ لائے پیام دوست — ہرگز وہ میری شام، وہ میری سحر نہیں

یہ شرمگیں نگاہ، یہ انکار مضمحل — ٹھہر گیا ہے۔ اعتراف محبت مگر نہیں

وہ کونسا ہے جلوہ، مکرر کہیں جسے — وہ کون سی نظر ہے جو پہلی نظر نہیں

طول غم حیات سے گھبرا نہ اے جگر — ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہیں

بھوپال اگرچہ خلد بداماں ہے اے جگر
دل کیا شگفتہ ہو کہ نشیمن جگر نہیں

(۳۲)

محبت میں کیا مقام آ رہے ہیں — فردوس زندگی ہے وہاں نظر نہیں

یہ کہہ کہہ کے ہم دل کو بہلا رہے ہیں — وہ اب چل چکے ہیں، وہ اب جا رہے ہیں

وہ از خود ہی نادم ہوئے جا رہے ہیں — خدا جانے کیا کیا خیال آ رہے ہیں

ہمارے ہی دل سے مزے ان کے پوچھو — وہ دھوکے جو دانستہ ہم کھا رہے ہیں

جفا کرنیوالوں کو کیا ہو گیا ہے — وفا کر کے بھی ہم تو شرما رہے ہیں

وہ عالم ہے اب یارو اغیار کیسے — ہمیں اپنے دشمن ہوئے جا رہے ہیں

مزاج گرامی کی ہو خیر یارب
کئی دن سے اکثر وہ یاد آ رہے ہیں

۱؎ تلمیح

(۳۳۳)

کہاں کے لالہ و گل، کیا بہار توبہ شکن
کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراحتوں کے چمن

یہ کس غضب کی محبت نے ڈال دی الجھن
نہ ضبط شوق کا یارا، نہ تاب عرض سخن

خلوص شوق، نہ جوش عمل، نہ درد وطن
یہ زندگی ہے خدایا کہ زندگی کا کفن

جمال اس کا چھپائے گی کیا بہار چمن
گلوں سے دب نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

وطن ہی جب نہیں اپنا تو پھر کہاں کا وطن
چمن اجاڑ رہا ہوں مگر برائے چمن

غضب ہے قہر ہے انساں کی یہ بوالعجبی
خود اپنا دوست بہت کم، زیادہ تر دشمن

یہ مرحلہ بھی مری حیرتوں نے دیکھ لیا
بہار میرے لئے اور میں تہی دامن

مرا شعور محبت ہے کس لئے ہمہ گوش
اگر نہیں مری جانب کسی کا روئے سخن

ابھی ہے دل کو مقام سپردگی سے گریز
اک اور بھی ہے گیسوئے عنبریں میں شکن

بہوش باش کہ وہ انقلاب آپہنچا
میں سن رہا ہوں دل سنگ و خشت کی دھڑکن

خرد حقیقتِ چالاک، چست و سست خرام
جنوں صداقت بیباک، مصلحت روشن

حضور دوست یہی جرم زندگی نکلا
جناب شیخ کو تھا زعم پاکی دامن

جہان حسن کو بھی جس نے کر دیا بیدار
خوشا وہ سینۂ اہل فراق کی دھڑکن

جنوں کی بے سر و سامانیوں پہ طنز نہ کر
اگر جنوں ہے سلامت ہزار ہا دامن

ہر ایک لحظہ ہے در پیش کار زار حیات
سکوں تلاش نہ کر اے دل سکوں دشمن

وہی ہے روح محبت وہی ہے جسم وفا
بدلتا رہتا ہے لیکن مذاق پیراہن

مقام عشق کی نیرنگیاں نہ پوچھ جگر
کمال آگہی و سخت آگہی دشمن

(۳۴)

اللہ اگر توفیق نہ دے انساں کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

یہ تو نے کیا کیا اے ناداں، فیاضیِ قدرت عام نہیں
تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں

یارب یہ مقامِ عشق ہے کیا؟ گو دیدہ و دل ناکام نہیں
تسکین ہے اور تسکین نہیں، آرام ہے اور آرام نہیں

کیوں مستِ شرابِ عیش و طرب تکلیف توجہ فرمائیں
آوازِ شکستِ دل تو ہے، آوازِ شکستِ جام نہیں

آنا ہے جو بزمِ جاناں میں، پندارِ خودی کو توڑ کے آ
اے ہوش و خرد کے دیوانے، یاں ہوش و خرد کا نام نہیں

زاہد نے کچھ اس انداز سے پی، ساقی کی نگاہیں پڑنے لگیں
میکش یہی اب تک سمجھے تھے، شائستہ دورِ جام نہیں

عشق، اور گوارا خود کر لے بے شرط شکستِ فاش اپنی
دل کی بھی کچھ ان کے سازش ہے تنہا یہ نظر کا کام نہیں

سب جس کو اسیری کہتے ہیں وہ تو ہے اسیری ہی لیکن
وہ کون سی آزادی ہے یہاں، جو آپ خود اپنا دام نہیں

(۳۵)

اب لفظ بیاں سب ختم ہوئے، اب دیدہ و دل کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا، اب عشق کا کچھ پیغام نہیں

اللہ رے علم و حکمت کے محدود اگر اکرام نہیں
ہر سانس کے آنے جانے میں کیا کوئی نیا پیغام نہیں

ہر خلد تمنا بخشش نظر، ہر جنت نظارہ حاصل
پھر بھی ہے وہ کیا شئے سینے میں ممکن ہی جسے آرام نہیں

وہ حسن ہے کیا؟ یہ عشق ہے کیا؟ کس کو ہے اس کی خبر لیکن
بے جام ظہور بادہ نہیں، بے بادہ فروغ جام نہیں

زاہد ترے ان سجدوں کے عوض، سب کچھ ہو مبارک تجھ کو مگر
وہ سجدہ یہاں ہے کفر جبیں جو سجدہ کہ خود انعام نہیں

دنیا یہ دکھی ہے پھر بھی مگر، تھک کر ہی سہی سو جاتی ہے
تیرے ہی مقدر میں اے دل کیوں چین نہیں آرام نہیں

اک شاہد معنیٰ و صورت کے ملنے کی تمنا سب کو ہے
ہم اس کے نہ ملنے پہ ہیں فدا، لیکن یہ مذاق عام نہیں

پینے کو سب پیتے ہیں جگر، میخانہ فطرت میں لیکن
محروم نگاہِ ساقی ہے، وہ رند جو درد آشام نہیں

(۳۶)

جب تک انساں پاک طینت ہی نہیں
علم و حکمت، علم و حکمت ہی نہیں

وہ محبت، وہ عداوت ہی نہیں
زندگی میں اب صداقت ہی نہیں

سینۂ آئین بھی تھا جس سے گداز
اب دلوں میں وہ حرارت ہی نہیں

آدمی کے پاس سب کچھ ہے مگر
ایک تنہا آدمیت ہی نہیں

حسن کو سمجھا ہے کیا، اے بوالہوس
حسن معنی بھی ہے، صورت ہی نہیں

صرف نقالی ہے مغرب کی جگرؔ
شعر میں اب مشرقیت ہی نہیں

(۳۷)

بے ربطِ حسن و عشق یہ کیف و اثر کہاں
تھی زندگی عزیز، مگر اس قدر کہاں

تیرے بغیر رونقِ دیوار و در کہاں
شام و سحر کا نام ہے شام و سحر کہاں

کیا جانئے خیال کہاں ہے نظر کہاں
تیری خبر کے بعد پھر اپنی خبر کہاں

ہر جلوۂ جمال ہے برق گریز پا
اے دل یہاں تجلّی بارِ دگر کہاں

مانا کہ محتسب بھی بڑا باشعور ہے
لیکن اسے نزاکتِ غم کی خبر کہاں

حل کر کے ہجومِ جلوہ میں خود جلوہ بن گئی
پہنچا ہے کس جگہ سے مقامِ نظر کہاں

آج اس کی میہماں ہے کل اس کی میہماں
اس خانماں خراب محبت کا گھر کہاں

کہنے کو اہلِ علم کی کوئی کمی نہیں
لیکن خود اپنی فکر خود اپنی نظر کہاں

ترک تعلقات کو مدت گذر چکی
ظالم ترے خیال سے پھر بھی مفر کہاں

ہر اعتبار دوست پہ صدقے ہزار جاں
لیکن وہ کیفِ وعدہ نامعتبر کہاں

ہر گام پر ہے منزل تو جستجو طلب
جاتا ہے سر اٹھائے ہوئے بے خبر کہاں

صد عشرت نگاہ مسلسل خوشا طلب
لیکن لطافت نگہ مختصر کہاں

ہر چند کائنات دو عالم میں اے جگر
انسان ہی ایک چیز ہے انسان مگر کہاں

(٣٨)

عشق کی بربادیوں کو رائیگاں سمجھا تھا میں
بستیاں نکلیں جنہیں ویرانیاں سمجھا تھا میں

بے حجابی کو حجاب درمیاں سمجھا تھا میں
سامنے کی بات تھی، لیکن کہاں سمجھا تھا میں

ہر نگہ کو طبع نازک پر گراں سمجھا تھا میں
وہ بھی کیا دن تھے جب اس کو بدگماں سمجھا تھا میں

شاد باش و زندہ باش اے عشق خوش سودائے من
تجھ سے پہلے اپنی عظمت بھی کہاں سمجھا تھا میں

کیا خبر تھی خود وہ نکلیں گے برابر کے شریک
دل کی دھڑکن کو اپنی داستاں سمجھا تھا میں

یاد ہے کہ جب ذوق طلب کامل نہ تھا
ہر غبار کارواں کو کارواں سمجھا تھا میں

آدمی کو آدمی سے بعد، وہ بھی کس قدر
زندگی کو زندگی کا رازداں سمجھا تھا میں

کیا بتاؤں کس قدر زنجیر پا ثابت ہوئے
چند تنکے جن کو اپنا آشیاں سمجھا تھا میں

زندگی نکلی مسلسل امتحاں در امتحاں
زندگی کو داستاں ہی داستاں سمجھا تھا میں

اس گھڑی کی شرم رکھ لے اے نگاہ ناز دوست
ہر نفس کو جب حیات جاوداں سمجھا تھا میں

میری ہی روداد ہستی تھی مرے ہی سامنے
آج تک جس کو حدیث دیگراں سمجھا تھا میں

پردہ اٹھا تو وہی صورت نظر آئی جگر
مدتوں روح القدس کو ہمزباں سمجھا تھا میں

(۳۹۱)

سبھی انداز حسن پیارے ہیں
ہم مگر سادگی کے مارے ہیں

اس کی راتوں کا انتقام نہ پوچھ
جس نے ہنس ہنس کے دن گذارے ہیں

اے سہاروں کی زندگی والو
کتنے انسان بے سہارے ہیں

لالہ و گل سے تجھ کو کیا نسبت
نامکمل سے استعارے ہیں

ہم تو اب ڈوب کر ہی ابھریں گے
وہ رہیں شاد جو کنارے ہیں

شب فرقت بھی جگمگا اٹھی
اشک غم ہیں کہ ماہ پارے ہیں

آتش غم وہ جنت ہے
جس میں فردوس کے نظارے ہیں

وہ ہمیں ہیں کہ جن کے ہاتھوں نے
گیسوئے زندگی سنوارے ہیں

حسن کی بے نیازیوں پہ نہ جا
بے اشارے بھی کچھ اشارے ہیں

❁

(۱۰۴)

یہ صحن دروش، یہ لالہ و گل ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
تخریب جنوں کے پردے میں تعمیر کے ساماں ہوتے ہیں

منڈلاتے ہوئے جب ہر جانب طوفاں ہی طوفاں ہوتے ہیں
دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں اور دست گریباں ہوتے ہیں

اس جہد و طلب کی دنیا میں کیا کار نمایاں ہوتے ہیں
ہم صرف شکایت کرتے ہیں وہ صرف پشیماں ہوتے ہیں

بیدار عزائم ہوتے ہیں، اسرار نمایاں ہوتے ہیں
جتنے وہ ستم فرماتے ہیں، سب خلق پہ احساں ہوتے ہیں

رندوں نے جو چھیڑا زاہد کو ساقی نے کہا کس طنز سے آج
اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں، کم ظرف جو انساں ہوتے ہیں

تو خوش ہے کہ تجھ کو حاصل ہیں، میں خوش کہ مرے حصے میں نہیں
وہ کام جو آساں ہوتے ہیں، وہ جلوے جو ارزاں ہوتے ہیں

آسودۂ ساحل تو ہے مگر، شاید تجھے معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

یہ خون جو ہے مظلوموں کا، ضائع تو نہ جائے گا لیکن
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرف بہاراں ہوتے ہیں

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقت شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

(۱۴)

غم معتبر نہیں ہے، مکمل خوشی نہیں
کیا وقت ہے کہ لطف محبت میں بھی نہیں

یہ تو نہیں کہ مجھ کو سر مے کشی نہیں
لیکن ابھی نہیں، مرے ساقی، ابھی نہیں

تسخیر مہر و ماہ مبارک تجھے، مگر
دل میں نہیں اگر، تو کہیں روشنی نہیں

واعظ اب اور کیا کہوں، لیکن خطا معاف
جو تیرے سامنے ہے، حقیقت وہی نہیں

کیا جانیئے یہ کون سا عالم ہے اے جگر
دل مضطرب ہے اور کوئی بات بھی نہیں

(۱۲)

کوئی یہ کہدے گلشن گلشن
لاکھ بلائیں، ایک نشیمن

قاتل رہبر، قاتل رہزن
دل سا دوست نہ دل سا دشمن

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کار شیشہ و آہن

خیر مزاج حسن کی یا رب
تیز بہت ہے دل کی دھڑکن

آ کہ نجاتے تجھ بن کب سے
روح ہے لاشہ، جسم ہے مدفن

آج نجانے راز یہ کیا ہے / ہجر کی رات اور اتنی روشن

عمریں بیتیں صدیاں گذریں / ہے وہی اب تک عقل کا بچپن

تجھ سا حسیں اور خون محبت / وہم ہے شاید سرخی دامن

برق حوادث، اللہ اللہ / جھوم رہی ہے شاخ نشیمن

تو نے سلجھ کر گیسوئے جاناں / اور بڑھا دی شوق کی الجھن

رحمت ہوگی طالب عصیاں / رشک کرے گی پاکی دامن

دل کی مجسم آئینہ سا یاں / اور وہ ظالم آئینہ دشمن

بیٹھے ہم ہر بزم میں لیکن / جھاڑ کے اٹھے اپنا دامن

×

قطعہ

ہستی شاعر اللہ، اللہ / حسن کی منزل عشق کا مسکن

رنگیں فطرت، سادہ طبیعت / فرش نشیں اور عرش نشیمن

×

کام ادھورا اور آزادی / نام بڑے اور تھوڑے درشن

شمع ہے لیکن دھندلی دھندلی / سایہ ہے لیکن روشن روشن

×

کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر / کون چھڑائے اپنا دامن

چلتی پھرتی چھاؤں ہے پیارے

کس کا صحرا، کیسا گلشن

×

(۱۴۳)

ہم کو مٹا سکے، یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

بے فائدہ الم نہیں، بیکار غم نہیں
توفیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں

میری زباں پہ شکوۂ اہل ستم نہیں
مجھ کو جگا دیا یہی احساں کم نہیں

یارب ہجوم درد کو دے اور وسعتیں
دامن تو کیا ابھی مری آنکھیں بھی نم نہیں

شکوہ تو ایک چھیڑ ہے، لیکن حقیقتہً
تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں

اب عشق اس مقام پہ ہے جستجو نورد
سایہ نہیں جہاں، کوئی نقش قدم نہیں

ملتا ہے کیوں مزہ ستم روزگار میں
تیرا کرم بھی خود شریک ستم نہیں

زاہد کچھ اور ہو نہ ہو مے خانے میں
کیا کم یہ ہے کہ فتنۂ دیر و حرم نہیں

مرگ جگر پہ کیوں تری آنکھیں ہیں اشکبار
اک سانحہ سہی، مگر اتنا اہم نہیں

(۱۴۴)

عشق لامحدود جب تک رہنما ہوتا نہیں
زندگی سے زندگی کا حق ادا ہوتا نہیں

بیکراں ہوتا نہیں، بے انتہا ہوتا نہیں
قطرہ جب تک بڑھ کے قلزم آشنا ہوتا نہیں

اس سے بڑھ کر دوست کوئی دوسرا ہوتا نہیں
سب جدا ہو جائیں لیکن غم جدا ہوتا نہیں

زندگی اک حادثہ ہے اور کیسا حادثہ
موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں

کون یہ ناصح کو سمجھائے بطرز دلنشیں
عشق صادق ہو تو غم بھی بے مزا ہوتا نہیں

درد سے معمور ہوتی جا رہی ہے کائنات
اک دل انساں مگر درد آشنا ہوتا نہیں

میری عرض غم پہ وہ کہنا کسی کا ہائے ہائے
شکوۂ غم شیوۂ اہل وفا ہوتا نہیں

اس مقام قرب تک اب عشق پہنچا ہے جہاں
دیدہ و دل کا بھی اکثر واسطا ہوتا نہیں

ہر قدم کے ساتھ منزل لیکن اس کا کیا علاج
عشق ہی کمبخت منزل آشنا ہوتا نہیں

اللہ اللہ یہ کمال ارتباط حسن و عشق
فاصلے ہوں لاکھ، دل سے دل جدا ہوتا نہیں

کیا قیامت ہے کہ اس دور ترقی میں جگرؔ
آدمی سے آدمی کا حق ادا ہوتا نہیں

(۱۴۵)

جو طوفانوں میں پلتے جا رہے ہیں
وہی دنیا بدلتے جا رہے ہیں

نکھرتا آ رہا ہے رنگ گلشن
خس و خاشاک جلتے جا رہے ہیں

وہیں میں خاک اڑتی دیکھتا ہوں
جہاں چشمے ابلتے جا رہے ہیں

چراغ دیر و کعبہ اللہ اللہ
ہوا کے رو پہ جلتے جا رہے ہیں

شباب و حسن میں بحث آ پڑی ہے
نئے پہلو نکلتے جا رہے ہیں

(۱۴۶)

عمر بھر روح کی اور جسم کی یک جائی ہو
کیا قیامت ہے کہ پھر بھی نہ شناسائی ہو

کوئی اتنا بھی نہ مصروف خود آرائی ہو
کہ تماشا ہے باقی، نہ تماشائی ہو

انجمن ہو، نہ سر انجمن آرائی ہو
میں ہوں اور صرف مرا عالم تنہائی ہو

مستیِ حسن غمِ عشق پہ یوں چھائی ہو
گل ویرانہ بنے، لالہ صحرائی ہو

اے غمِ دوست ترا صبر مجھی پہ ٹوٹے
بے ترے نیند بھی آنکھوں اگر آئی ہو

وہ محبت ہی نہیں ہے وہ قیامت ہی نہیں
جو ترے پائے نگاریں کی نہ ٹھکرائی ہو

ہو گئی دل کو تری یاد سے اک نسبتِ خاص
اب تو شاید ہی میسر کبھی تنہائی ہو

(۴۶)

داغِ دل کیوں کوئی مجروحِ پذیرائی ہو
گل ویرانہ بنے، لالۂ صحرائی ہو

دل الٹ جائے کہ دم پر مرے بن آئی ہو
کیوں تری یاد شریکِ غمِ تنہائی ہو

پھر وہی رت، وہی ہم تم، وہی تنہائی ہو
پھر ہر اک چوٹ محبت کی ابھر آئی ہو

نالہ یوں کیجئے یہ اعجازِ شکیبائی ہو
جیسے بیساختہ ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہو

حسن و بیچارگیٔ حسن! الٰہی توبہ!
میں تو مر جاؤں جو یوں عشق کی بن آئی ہو

عرصۂ حشر کہاں، جلوہ گہِ دوست کہاں
وہ بھی میرا ہی نہ اک گوشۂ تنہائی ہو

بھول جاؤں کہ مرا فرضِ محبت کیا ہے
اس طرح تو نہ مری حوصلہ افزائی ہو

گر کے نظروں سے تری اس کا ٹھکانہ ہی کہاں
جس نے ظالم ترے دل میں بھی جگہ پائی ہو

ہائے اس حصۂ گلشن کا مقدر ہمدم
نہ خزاں آئی ہو جس میں نہ بہار آئی ہو

یوں بھی ہو کاش غمِ عشق کی تاثیر جگرؔ
میں تمنا نہ کروں اور وہ تمنائی نہ ہو

(۴۸)

ممکن نہیں کہ جذبۂ دل کارگر نہ ہو
یہ اور بات ہے تمہیں اب تک خبر نہ ہو

توہینِ عشق دیکھ نہ ہو، اے جگر نہ ہو
ہو جائے دل کا خون مگر آنکھ تر نہ ہو

دریائے حسن و کارِ غم عشق ناصحا
یہ کیا کہا ترا سر دامن بھی تر نہ ہو

لازم خودی کا ہوش بھی ہے بیخودی کیساتھ
کس کی اسے خبر جسے اپنی خبر نہ ہو

وہ بدگمانیاں ہیں نہ وہ سرگرانیاں
اتنی بھی دل کی دل کو الٰہی خبر نہ ہو

احسانِ عشق اصل میں توہینِ حسن ہے
حاضر ہیں دین و دل بھی ضرورت اگر نہ ہو

یا طالبِ دعا تھا میں ایک ایک سے جگر
یا خود یہ چاہتا ہوں، دعا میں اثر نہ ہو

(۴۹)

پھول بسر کرتے ہیں خاروں کے ساتھ
کھیلتے ہیں ہم بھی شراروں کے ساتھ

کم نہ ہوئیں ان سے بھی کچھ ظلمتیں
ربط بڑھایا تھا ستاروں کے ساتھ

عشق کہیں تجھ سے نہ لے انتقام
چھیڑ نہ کر عشق کے ماروں کے ساتھ

ایک نظر، ایک دل ناتواں
معرکہ در پیش ہزاروں کے ساتھ

عشق میں کیا ہے یہی معراجِ دید
گم ہیں نگاہیں بھی نظاروں کے ساتھ

رقص میں ہے کب سے دل کائنات
دیدہ و نادیدہ اشاروں کے ساتھ

لوٹ بہاریں نہ چمن کی بہت
تو بھی نہ لٹ جائیے بہاروں کے ساتھ

صبح ہے دور اور ابھی سے جگر — ڈوب چلی نبض ستاروں کے ساتھ
جان فدا اوس پہ کہ جس نے جگرؔ
زیست بسر کی نہ سہاروں کے ساتھ

(۵۰)

ابھی نہ روک نگاہوں کو پیرِ میخانہ — کہ زندگی ہے ابھی زندگی سے بیگانہ
فضائے کعبہ ہو یا سرزمین بت خانہ — ترے سوا نہ حقیقت، نہ کوئی افسانہ
سحر ہوئی وہ بڑھے ہاتھ سوئے میخانہ — بنامِ شاہدِ نوخیز و پیرِ میخانہ
حدیثِ حسن نہ شغلِ شراب و پیمانہ — یہ کس نے چھیڑ دیا زندگی کا افسانہ
مذاقِ عشق کی تفریق، اے معاذ اللہ — بہم ہوئے نہ کبھی عندلیب و پروانہ
ستم بھی ڈھائے کسی نے تو اس توجہ سے — کہ بن گیا دلِ صد پارہ آئینہ خانہ
جنونِ عشق کی کافرادائیاں توبہ — نگاہ زہد بھی پڑنے لگی حریفانہ
وہیں وہیں سے اٹھے ہیں ہزار ہا فتنے — جہاں جہاں سے میں گزرا ہوں بے نیازانہ
خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع جلنے دو — پرائی آگ میں جلنا ہے کارِ مردانہ
وہ ایک شعر مجسم وہ ایک پیکر حسن — وہ سر باغ بہ انداز بے نیازانہ
نظر نظر تبسم با اگرچہ بے پروا — نفس نفس متوجہ، اگرچہ بیگانہ
فدائے نیم نقابی تمام نکہت و رنگ
نثارِ نیم نگاہی، تمامِ میخانہ

(۵۱)

مسلسل

سراپا حقیقت، مجسم فسانہ
محبت کا عالم، جنوں کا زمانہ

ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ رنگ و نکہت
وہ جانِ تمنا، وہ حسنِ یگانہ

وہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم
ادابے تعلق، نظر مجرمانہ

نظر اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے
دھڑکتے دلوں کا وہ نازک فسانہ

حیا میں وہ معصوم سی اک شرارت
شرارت میں موہوم سا اک فسانہ

وہ ہر چھیڑ میں اک نئی زندگانی
وہ ہر بات میں اک نیا شاخسانہ

طبیعت شگفتہ مگر کھوئی کھوئی
ہر انداز دل کش مگر والہانہ

وہ اخفائے رازِ محبت کی خاطر
کبھی کچھ بہانہ، کبھی کچھ بہانہ

وہ اشک و تبسم کا پرکیف موسم
وہ شعر و ترنم کا رنگین زمانہ

کبھی روئے زیبا پہ غصے کی لہریں
کہ جیسے کوئی بجلیوں کا خزانہ

وہ باربط سا اک طلسمِ معانی
وہ بے ربط سا اک مسلسل فسانہ

جنونِ مکمل کا بھی ایک عالم
سکوتِ مسلسل کا بھی اک زمانہ

غرورِ تحمل، مگر زخم خوردہ
شکستِ محبت، مگر فاتحانہ

⁂ ⁂ ⁂

(۵۲)

یہ فلک یہ ماہ و انجم، یہ زمین یہ زمانہ
ترے حسن کی حکایت مرے عشق کا فسانہ

یہ ہے عشق کی کرامت، یہ کمالِ شاعرانہ
ابھی منہ سے بات نکلی ابھی ہو گئی فسانہ

یہ علیل سی فضائیں، یہ مریض سا زمانہ
تری پاک تر جوانی، ترا حسن معجزانہ

یہ مرا پیام کہنا تو صبا مؤدبانہ
کہ گزر گیا ہے پیارے تجھے دیکھے اک زمانہ

مجھے چاک جیب و دامن سے نہیں مناسبت
یہ جنوں ہی کو مبارک رہ و رسم عامیانہ

تجھے حادثات پیہم سے بھی کیا ملے گا ناداں
ترا دل اگر ہو زندہ تو نفس بھی تازیانہ

تری اک نمود سے ہے، ترے اک حجاب تک ہے
مری فکر عرش پیما، مرا ناز شاعرانہ

مجھے عشق کی صداقت پہ بھی شک سا ہو چلا ہے
مرے دل سے کہہ گئی کیا وہ نگاہ ناقدانہ

(۵۳)

وہ ادائے دلبری کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے، وہی فاتح زمانہ

یہ ترا جمال کامل، یہ شباب کا زمانہ
دلِ دشمناں سلامت، دلِ دوستاں نشانہ

کبھی حسن کی طبیعت نہ بدل سکا زمانہ
وہی نازِ بے نیازی، وہی شانِ خسروانہ

میں ہوں اس مقام پر اب کہ فراق و وصل کیسے
مرا عشق بھی کہانی، ترا حسن بھی فسانہ

لہ ۵. حسن سمجھئے یا کچھ، صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے۔ (جگر)

مری زندگی تو گذری ترے ہجر کے سہارے — مری موت کو بھی پیارے کوئی چاہیئے بہانہ
ترے عشق کی کرامت یہ اگر نہیں تو کیا ہے — کبھی بے ادب نہ گذرا مرے پاس سے زمانہ
تری دوری و حضوری کا یہ ہے عجیب عالم — ابھی زندگی حقیقت، ابھی زندگی فسانہ
قطعہ
مرے ہم صفیر بلبل مرا تیرا ساتھ ہی کیا — میں ضمیر دشت و دریا تو اسیر آشیانہ
میں وہ صاف ہی نہ کہدوں ہے جو فرق مجھ میں تجھ میں — ترا درد، درد تنہا، مرا غم غم زمانہ

ترے دل کے ٹوٹنے پہ ہے کسی کو ناز کیا کیا
تجھے اے جگر مبارک ہو یہ شکست فاتحانہ

(۵۴)

محبت کار فرمائے دو عالم ہوتی جاتی ہے
کہ ہر دنیائے دل شائستۂ غم ہوتی جاتی ہے

ہر اک صورت، ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
الٰہی کیا مری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے

زمانہ گرم رفتار ترقی ہوتا جاتا ہے
مگر اک چشم ساغر ہے کہ پرنم ہوتی جاتی ہے

جہاں تک توڑتا جاتا ہوں رسم ظاہر و باطن
دلیل عاشقی اتنی ہی محکم ہوتی جاتی ہے

جہاں تک دل کا شیرازہ فراہم کرتا جاتا ہوں
یہ محفل اور برہم اور برہم ہوتی جاتی ہے

نزاکت ہائے احساسِ محبت، اے معاذ اللہ
کہ اب اک اک گھڑی ایک ایک عالم ہوتی جاتی ہے
غرورِ حسن رخصت، الفراق اے نازِ خود بینی
مزاجِ حسن سے اب تمکنت کم ہوتی جاتی ہے
یہی جی چاہتا ہے چھیڑتے ہی چھیڑتے رہیئے
بہت دلکش ادائے حسنِ برہم ہوتی جاتی ہے
ارے توبہ، یہ تکمیلِ شباب و حسن ارے توبہ
کہ ہر ظالم ادا تقدیرِ عالم ہوتی جاتی ہے
تصور رفتہ رفتہ اک سراپا بنتا جاتا ہے
وہ اک شئے جو ابھی ہیں ہے مجسم ہوتی جاتی ہے
وہ رہ رہ کے گلے مل مل کے رخصت ہوتے جاتے ہیں
مری آنکھوں سے یارب روشنی کم ہوتی جاتی ہے
جدھر سے میں گذرتا ہوں نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں
مری ہستی بھی کیا تیرا ہی عالم ہوتی جاتی ہے
جگر تیرے سکوتِ غم نے یہ کیا کہدیا ان سے
جھکی پڑتی ہیں نظریں آنکھ پرنم ہوتی جاتی ہے

*** *** ***

(۵۶)

کیا کشش حسنِ بے پناہ میں ہے — جو قدم ہے اسی کی راہ میں ہے
مے کدہ میں، نہ خانقاہ میں ہے — تیرے دل میں مری نگاہ میں ہے
عشق میں کیسی منزلِ مقصود — وہ بھی اک گرد ہے جو راہ میں ہے
میں جہاں ہوں، ترے خیال میں ہوں — تو جہاں ہے مری، نگاہ میں ہے

حسن کو بھی کہاں نصیب جگر
وہ جو اک شے مری نگاہ میں ہے

(۵۷)

کسی صورت نمودِ سوزِ پنہانی نہیں جاتی — بجھا جاتا ہے دل، چہرے کی تابانی نہیں جاتی
نہیں جاتی، کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی — مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی
نگاہوں کو خزاں نا آشنا بننا تو آجائے — چمن جب تک چمن ہے جلوہ سامانی نہیں جاتی
پشیمانِ ستم وہ دل ہی دل میں رہتے ہیں لیکن — خوشا حسن کہ طرزِ ناپشیمانی نہیں جاتی
مزاجِ اہلِ دل بے کیف و مستی رہ نہیں سکتا — کہ جیسے نکہتِ گل سے پریشانی نہیں جاتی
صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ — حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی
بلندی چاہیئے انساں کی فطرت میں پوشیدہ — کوئی ہو بھیس لیکن شانِ سلطانی نہیں جاتی
گئے وہ دن کہ دل سرمایۂ دار و رسن ہی تھا — مگر آنکھوں کی اب تک میر سامانی نہیں جاتی
جمے تیرے قدموں نے دیکھ چمن کی رونق — وہ لاکھ آباد ہو ہم گھر کی ویرانی نہیں جاتی

وہ یوں دل سے گذرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

مجھے تو کر دیا سیراب ساقی نے مرے لیکن
مری سیرابیوں کی تشنہ سامانی نہیں جاتی

نہیں معلوم کس عالم میں حسن یار کو دیکھا تھا
کوئی عالم ہو لیکن دل کی حیرانی نہیں جاتی

جلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
حضور شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی

محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گذرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

جگرؔ وہ بھی ز سر تا پا محبت ہی محبت ہے
مگر ان کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی

(۵۸)

تکلف سے تصنع سے بری ہے شاعری اپنی
حقیقت شعر میں جو ہے، وہی ہے زندگی اپنی

نظر سے ان کی پہلی ہی نظر یوں مل گئی اپنی
حقیقت میں بھی جیسے مدتوں سے دوستی اپنی

وہ ان کی بے رخی، وہ بے نیازانہ ہنسی اپنی
بھری محفل تھی لیکن بات بگڑی بن گئی اپنی

جمال ان کا، مزاج اپنا، غم ان کا، زندگی اپنی
حیاتِ حسن ہے گویا حیات عاشقی اپنی

یہاں تک تو اے جگرؔ پہنچی ہے معراج خودی اپنی
کہ حسن اک مشغلہ اپنا ہے، عشق اک دل لگی اپنی

ہمیں کیوں اب کوئی سمجھائے دل اپنا خوشی اپنی
گریباں اپنا، ہاتھ اپنے، جنوں اپنا ہنسی اپنی

اسے سمجھے نہ سمجھے کوئی، لیکن واقعہ یہ ہے
کہ نزکِ مے کشی پر بھی وہی ہے مے کشی اپنی

جگر رہ جائے بن کر آہ جو اک کاسہ ساحل
نہ ایسی شاعری اپنی نہ ایسی زندگی اپنی

(۱۵۹)

اگر شامل نہ درپردہ کسی کی آرزو ہوتی
تو پھر اے زندگی ظالم نہ جانے کیا نہ تو ہوتی

اگر حائل نہ اس رخ پر نقاب رنگ بو ہوتی
کسے تاب نظر ہوتی، مجال آرزو ہوتی

نہ اک مرکز پر رک جاتی، نہ یوں بے آبرو ہوتی
محبت جستجو تھی، جستجو ہی جستجو ہوتی

ترا ملنا تو ممکن تھا مگر اے جان محبوبی
مرے نزدیک تو ہلین مذاق جستجو ہوتی

نگاہِ شوق اسے بھی ڈھال لیتی اپنے سانچے میں
اگر اک اور بھی دنیا ورائے رنگ و بو ہوتی

(۱۶۰)

وہی اس نظر میں ہیں کھب جانے والے
جو سینوں پہ ہیں برچھیاں کھانے والے

شکن کاش پڑ جائے اپنی جبیں پر
پریشاں بہت ہیں ستم ڈھانے والے

سراپا محبت بنے جا رہے ہیں
سلامت رہیں ان کو بہکانے والے

بہ غور اپنی جانب بھی اے کاش دیکھیں — مرے حال پر رحم فرمانے والے
محبت کی باتیں محبت ہی جانے — معمے نہیں ہیں، یہ سمجھانے والے
مری طاقت ضبط کی خیر یارب — کرم پہ تلے ہیں ستم ڈھانے والے
جو ہیں خاص چشم و چراغ محبت
وہ آنسو نہیں ہیں نظر آنے والے

(۶۱)

آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے — خوابیدہ زندگی تھی جگا کر چلے گئے
حسن ازل کی شان دکھا کر چلے گئے — اک واقعہ سا یاد دلا کر چلے گئے
رگ رگ میں وہ اس طرح سما کر چلے گئے — جیسے مجھی کو مجھ سے چھڑا کر چلے گئے
میری حیات عشق کو دے کر جنون شوق — مجھ کو تمام ہوش بنا کر چلے گئے
سمجھا کے پستیاں مرے اوج کمال کی — اپنی بلندیاں وہ دکھا کر چلے گئے
اپنے فروغ حسن کی دکھلا کے وسعتیں — میرے حدود شوق بڑھا کر چلے گئے
ہر شے کو میری خاطر ناشاد کے لئے — آئینۂ جمال بنا کر چلے گئے
آئے تھے دل کی پیاس بجھانے کے واسطے — اک آگ سی وہ اور لگا کر چلے گئے
آئے تھے چشم شوق کی حسرت نکالنے — سر تا قدم نگاہ بنا کر چلے گئے
اب کاروبار عشق سے مجھے فرصت کہاں — کونین کا وہ درد بڑھا کر چلے گئے

شکرِ کرم کے ساتھ یہ شکوہ بھی ہو قبول — اپنا سا کیوں نہ مجھ کو بنا کر چلے گئے

لب تھر تھرا کے رہ گئے لیکن وہ اے جگرؔ
جاتے ہوئے نگاہ ملا کر چلے گئے

۶۲

وہ جو روٹھیں یوں منانا چاہیے — زندگی سے روٹھ جانا چاہیے
ہمتِ قاتل بڑھانا چاہیے — زیرِ خنجر مسکرانا چاہیے
زندگی ہے نام جہد و جنگ کا — موت کیا ہے بھول جانا چاہیے
ہے انہیں دھوکوں سے دل کی زندگی — جو حسیں دھوکا ہو کھانا چاہیے
لذتیں ہیں دشمنِ اوجِ کمال — کلفتوں سے جی لگانا چاہیے

ان سے ملنے کو تو کیا کہیے جگرؔ
خود سے ملنے کو زمانا چاہیے

۶۳

برابر سے بچ کر گزر جانے والے — یہ نالے نہیں بے اثر جانے والے
نہیں جانتے کچھ کہ جانا کہاں ہے — چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے
مرے دل کی بے تابیاں بھی لیے جا — دبے پاؤں منہ پھیر کر جانے والے
ترے اک اشارے پہ ساکت کھڑے ہیں — نہیں کہہ کے سب سے گزر جانے والے
محبت میں ہم تو جیے ہیں جئیں گے — وہ ہوں گے کوئی اور مر جانے والے

(۶۴)

سودا جو اب ہے سر میں وہ سودا ہی اور ہے
اس کا چمن ہی اور ہے صحرا ہی اور ہے

لیلائے آب و گل تو ہزاروں ہزار ہیں
مجنوں ہے جس کی روح وہ لیلیٰ ہی اور ہے

جو حسن شش جہت سے نہ سیراب ہو سکی
محسوس اب ہوا، وہ تمنا ہی اور ہے

خود حسن استعارہ ہے جس کے جمال کا
وہ جان حسن حسن سراپا ہی اور ہے

جس سے کہ مطمئن ہو مری فطرت بلند
شاید وہ حسن و عشق کی دنیا ہی اور ہے

صورت میں یہ فروغ یہ جذب و کشش کہاں
در پردہ کوئی شاہد معنیٰ ہی اور ہے

یہ حسن رنگ بھی کچھ کم نہ تھا جگر
کیا کیجیے کہ دل کا تقاضا ہی اور ہے

(۶۵)

یوں پرسشِ ملال وہ فرما کے رہ گئے
شکوے مری زبان تک آ آ کے رہ گئے

پہلے تو عرضِ غم پہ وہ جھنجھلا کے رہ گئے
پھر کچھ سمجھ کے، سوچ کے شرما کے رہ گئے

آئینہ چوم چوم رہے تھے وہ بار بار
دیکھا جو یک بہ یک مجھے شرما کے رہ گئے

وہ کون ہے کہ جو سرِ منزل پہنچ سکا
دھندلے سے کچھ نشان نظر آ کے رہ گئے

قدموں پہ میرے اور تو وہ کچھ نہ کر سکے
کچھ مسکرا کے پھول سے برسا کے رہ گئے

ہر شکر انتقام محبت ہے اے جگر
شکوہ نہیں ان سے جو تڑپا کے رہ گئے

پھر دل ہے قصدِ کوچۂ جاناں کئے ہوئے (۱۶۶) رگ رگ میں نیشِ عشق کو پنہاں کئے ہوئے

پھر عزلتِ خیال سے گھبرا رہا ہے دل
ہر وسعتِ خیال کو زنداں کئے ہوئے

پھر چشمِ شوق دید سے لبریز شکوہ ہے
قطروں کو موج، موج کو طوفاں کئے ہوئے

پھر جان بیقرار ہے آمادہ فغاں
سو حشر اک سکوت میں پنہاں کئے ہوئے

پھر سوئے خلدِ حسن کھنچا جا رہا ہے دل
ہر جنتِ نظارہ کو ویراں کئے ہوئے

پھر بڑھ چلا ہے جوشِ طلب راہ دوست میں
سو فتح ہر شکست پہ قرباں کئے ہوئے

پھر بڑھ چلیں جنونِ تمنا کی سوزشیں
برہم نظامِ عالمِ امکاں کئے ہوئے

پھر ہے نگاہِ شوق کو دیدار کی ہوس
مدت ہوئی جراتِ عصیاں کئے ہوئے

پھر نے چلی ہے وحشتِ دل شہرِ حسن میں
جنسِ گرانِ عشق کو ارزاں کئے ہوئے

پھر جی یہ چاہتا ہے کہ بیٹھے رہیں جگر
ان کی نظر سے بھی انہیں پنہاں کئے ہوئے

۱۶۷

آئے ہیں پھر وہ عزمِ دل و جاں کئے ہوئے
پلکوں اوٹ حشر کا ساماں کئے ہوئے

پھر اٹھ رہی ہے عارضِ پر نور سے نقاب
نظارہ و نظر کو پریشاں کئے ہوئے

پھر شام و صبح زلف و رخ یار ہیں بہم
ایمان کو کفر، کفر کو ایماں کیے ہوئے

پھر حسنِ منفعل متبسم ہے زیرِ لب
یک قطرہ اشک زینتِ مژگاں کیے ہوئے

(۶۸)

ہم نے دنیا ہی میں دنیائے حقیقت دیکھی
یہیں وہ نورِ رخ نظر آئی یہیں جنت دیکھی

عشق کے جلسے میں جب حسن کی صورت دیکھی
ہر ادا پھر تو قیامت ہی قیامت دیکھی

منفعل وہ رخ، نہ پنہاں کو راحت دیکھی
یہ تری نیم نگاہی کی شرارت دیکھی

جب تجھے دیکھ کے کونین کی وسعت دیکھی
حسن ہی حسن محبت ہی محبت دیکھی

نگہ شوق کی محرومی تقدیر نہ پوچھ
بن گئی وہ بھی فسانہ جو حقیقت دیکھی

حسن بے نام نے رکھا تھا چھپا کر جس کو
وہ تجلی بھی سر پہ وہ حیرت دیکھی

اس گنہگارِ محبت کو خدا ہی سمجھے
جس نے اس مدھ بھری آنکھوں کی ادا دیکھی

(۶۹)

واعظ نے اور نہ زاہدِ شب زندہ دار نے
مجھ کو جگا دیا مرے دل کی پکار نے

تم کو غرورِ حسن ہے، لیکن یہاں یہ فکر
چھوڑا ہے کس کو عشقِ دو عالم شکار نے

تسکینِ روح جب نہ کسی طرح ہو سکی
سب اپنی اپنی دھن میں لگے کچھ پکارنے

تکلیف دیدہ داری تکلیف الاماں — مارا ہے تجھ کو خود مرے صبر و قرار نے
طرزاً وہ دیکھتے ہیں مگر دیکھتے تو ہیں — یہ کام تو کیا دلِ ناکردہ کار نے

وہ عشق ہی نہیں ہے وہ دل ہی نہیں جگرؔ
لبیک خود کہا نہ جسے حسنِ یار نے

(۷۰)

شبِ فراق ہے اور نیند آئی جاتی ہے — کچھ اس میں ان کی توجہ بھی پائی جاتی ہے
یہ عمرِ عشق یونہی کیا گنوائی جاتی ہے — حیات زندہ حقیقت بنائی جاتی ہے
بنا بنا کے جو دنیا مٹائی جاتی ہے — ضرور کوئی کمی ہے کہ پائی جاتی ہے
ہمیں یہ عشق کی تہمت لگائی جاتی ہے — مگر یہ غم جو چہرے پہ چھائی جاتی ہے
خدا کرے کہ حقیقت میں زندگی بن جائے — وہ زندگی جو زباں تک ہی پائی جاتی ہے
نہ سوزِ عشق، نہ برقِ جمال پر الزام — دلوں میں آگ خوشی سے لگائی جاتی ہے

کچھ ایسے اب بھی ہیں رندانِ پاکباز جگرؔ
کہ جن کو بے مے و ساغر پلائی جاتی ہے

(۷۱)

نقابِ حسنِ دو عالم اٹھائی جاتی ہے — مجھی کو میری تجلی دکھائی جاتی ہے
قدم قدم مری ہمت بڑھائی جاتی ہے — نفس نفس تری آہٹ سی پائی جاتی ہے

وہ اک نظر جو بمشکل اٹھائی جاتی ہے
وہی نظر رگِ جاں میں سمائی جاتی ہے

سکون موت یہاں ذوقِ جستجو کے لئے
یہ تشنگی وہ نہیں جو بجھائی جاتی ہے

خدا وہ دردِ محبت ہر ایک کو بخشے
کہ جس میں روح کی تسکین بھی پائی جاتی ہے

وہ میکدہ ہے تری انجمن حذر رکھیے
جہاں خیال سے پہلے پلائی جاتی ہے

ترے حضور یہ کیا وارداتِ قلب ہے آج
کہ جیسے چاند پہ بدلی سی چھائی جاتی ہے

تجھے خبر ہو تو اتنی نہ فرصتِ غم دے
کہ تیری یاد بھی اکثر ستائی جاتی ہے

وہ چیز کہتے ہیں فردوسِ گمشدہ جس کو
کبھی کبھی تری آنکھوں میں پائی جاتی ہے

قریب منزلِ آخر ہے الفراق اے جگر
سفر تمام ہوا نیند آئی جاتی ہے

(۷۲)

نہ اب مسکرانے کو جی چاہتا ہے
نہ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے

ستاتے نہیں وہ تو ان کی طرف سے
خود اپنے ستانے کو جی چاہتا ہے

کوئی مصلحت روک دیتی ہے ورنہ
پلٹ دیں زمانے کو جی چاہتا ہے

تجھے بھول جانا تو ہے، غیر ممکن
مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے

تو اقنع کر اے عشق چند آنسوؤں سے
بہت مسکرانے کو جی چاہتا ہے

بہت دیر تک چھپ کے تیری نظر سے
تجھے دیکھ پانے کو جی چاہتا ہے

تری آنکھ کو بھی جو بے حجاب کر دے
وہ فتنہ جگانے کو جی چاہتا ہے

حسیں تیری آنکھیں حسیں تیرے آنسو
یہیں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے

جگر اب تو وہ بھی یہ کہتے ہیں مجھ سے
ترے ناز اٹھانے کو جی چاہتا ہے

(۱۷۳)

جلوہ بہ قدر ظرف نظر دیکھتے رہے
کیا دیکھتے ہم ان کو مگر دیکھتے رہے

اپنا ہی عکس پیش نظر دیکھتے رہے
آئینہ روبرو تھا جدھر دیکھتے رہے

کیا قہر تھا کہ پاس ہی دل کے لگی تھی آگ
اندھیر ہے کہ دیدۂ تر دیکھتے رہے

لاکھ آفتاب پاس سے ہو کر گذر گئے
بیٹھے ہم انتظار سحر دیکھتے رہے

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگار پردۂ در دیکھتے رہے

ایسی بھی کچھ فراق کی راتیں گذر گئیں
جیسے انہیں کو پیش نظر دیکھتے رہے

ہیں دور سے دلی کی وہ محبوبیاں بھی یاد
آنکھیں تھیں سوگوار مگر دیکھتے رہے

ہر لحظہ شان حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن ہم جہان دگر دیکھتے رہے

(۱۷۴)

یہ مصرع کاش نقش ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

وہی میخوار ہے جو اس طرح میخوار ہو جائے
کہ شیشہ توڑ دے اور بے پئے سرشار ہو جائے

نے اس لفظ کی "تذکیر" میرے مذاق شعری کو پسند نہیں اور میں اس کو ہمیشہ تانیث استعمال کرتا ہوں جگر

دل انساں اگر شائستہ اسرار ہو جائے
لب خاموش فطرت ہی لب گفتار ہو جائے

ہر اک بیگانہ ہستی بیہوشی کا رہو جائے
جنوں کی روح خوابیدہ اگر بیدار ہو جائے

سنا ہے حشر میں ہر آنکھ اسے بے پردہ دیکھے گی
مجھے ڈر ہے نہ توہین جمال یار ہو جائے

حریم ناز میں اس کی رسائی ہو تو کیوں کر ہو
کہ جو آسودہ زیر سایۂ دیوار ہو جائے

معاذ اللہ اس کی واردات غم معاذ اللہ
چمن جس کا وطن ہو اور چمن بیزار ہو جائے

یہی ہے زندگی تو زندگی سے خودکشی اچھی
کہ انساں عالم انسانیت پر بار ہو جائے

اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھرتھرا اٹھے
نظر تلوار بن جائے نفس جھنکار ہو جائے

یہ روز و شب، یہ صبح و شام، یہ بستی، یہ ویرانہ
سبھی بیدار ہیں، انساں اگر بیدار ہو جائے

*

۷۵

محبت صلح بھی پیکار بھی ہے
یہ شاخِ گل بھی ہے تلوار بھی ہے

طبیعت اس طرف خوددار بھی ہے
ادھر نازک مزاجِ یار بھی ہے

ادائے عشق ادائے یار بھی ہے
بہت سادہ بہت پرکار بھی ہے

یہ فتنے جن سے اک دنیا ہے نالاں
انہی سے گرمیٔ بازار بھی ہے

جنوں کے دم سے ہے نظمِ دو عالم
جنوں برہم زنِ افکار بھی ہے

نفس پر ہے مدارِ زندگانی
نفس چلتی ہوئی تلوار بھی ہے

اسی انساں میں سب کچھ ہے نہاں
مگر یہ معرفت دشوار بھی ہے

وہ بوئے گل کہ ہے جانِ چمن بھی
قیامت ہے چمن بیزار بھی ہے

یہی دنیا ہے بستی آنسوؤں کی
یہی دنیا تبسم زار بھی ہے

جہاں وہ ہیں وہیں میرا تصور
جہاں میں ہوں خیالِ یار بھی ہے

خبردار! اے سبک سارانِ ساحل
یہ ساحل ہی کبھی منجدھار بھی ہے

غنیمت ہے اس دورِ ہوش میں
ترا ملنا بہت دشوار بھی ہے

جو کوئی سن سکے تو نکہتِ گل
شکستِ رنگ کی جھنکار بھی ہے

ان آنکھوں کی رہے معجز بیانی
بہم انکار بھی، اقرار بھی ہے

نہ تاب ہستی نہ ہوش ہستی کہ شکر نعمت ادا کریں گے
خزاں میں جب ہے یہ اپنا عالم، بہار آئی تو کیا کریں گے
ہر ایک غم کو فروغ دے کر یہاں تک آراستہ کریں گے
وہی جو رہتے ہیں دور ہم سے خود اپنی آغوش وا کریں گے
جدھر سے گذریں گے سرفروشانہ کارنامے بنا کریں گے
وہ اپنے دل کو ہزار روکیں، مری محبت کو کیا کریں گے
نہ شکرِ غم زیرِ لب کریں گے، نہ شکوہ برملا کریں گے
جو ہم پہ گذرے گی دل ہی دل میں کہا کریں گے سنا کریں گے
ترے تصور سے حاصل اتنا کمال کب تک ضیا کریں گے
جہاں کچھ آنسو ٹپک پڑیں گے ستارے سجدے کیا کریں گے
یہ ظاہری جلوہ ہائے رنگیں فریب کب تک دیا کریں گے
نظر کی جو کر سکے نہ تسکیں، وہ دل کی تسکیں کیا کریں گے
وہاں بھی آہیں بھرا کریں گے، وہاں بھی نالے کیا کریں گے
جنہیں ہے تجھ سے ہی صرف نسبت وہ تیری جنت کو کیا کریں گے
نہیں ہے جن کو مجالِ ہستی، سوائے اس کے وہ کیا کریں گے
کہ جس زمیں کے ہیں بسنے والے اسے بھی رسوا کیا کریں گے
یہاں نہ دنیا نہ فکرِ دنیا، یہاں نہ عقبیٰ نہ فکرِ عقبیٰ
جنہیں سرِ ماسوا بھی ہوگا، وہی غمِ ماسوا کریں گے

ہم اپنی کیوں طرزِ فکر چھوڑیں، ہم کیوں انی وضع خاص بدلیں
کہ انقلاباتِ نو بہ نو تو ہوا کئے ہیں ہوا کریں گے

یہ سخت تر عشق کے مراحل، یہ ہر قدم پہ ہزار احسان
جو بچ رہے تو جنوں کے حق میں جئیں گے جب تک دعا کریں گے

یہ خام کارانِ عشق سوچیں، نہ شکوہ سنجانِ حسن سمجھیں
کہ زندگی خود حسین نہ ہوگی تو پھر توجہ وہ کیا کریں گے

خود اپنے ہی سوزِ باطنی سے نکال اک شمعِ فانی
چراغ دیر و حرم تو اے دل، جلا کریں گے بجھا کریں گے

(۷۷)

کس کا خیال کون سی منزل نظر میں ہے
صدیاں گذر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے

چہرے پہ برہمی ہے تبسم نظر میں ہے
اب کیا کمی تباہیٔ قلب و جگر میں ہے

اک روشنی سی آج ہر اک دشت و در میں ہے
کیا میرے ساتھ خود مری منزل سفر میں ہے

تسلیم حسنِ دوست کی معصومیاں مگر
شاید کوئی تو فتنہ شام و سحر میں ہے

صیاد کی نظر میں وہ نشتر سے کم نہیں
اک لرزشِ خفی جو مرے بال و پر میں ہے

یارب! وفائے عذرِ محبت کی خیر ہو
نازک سا اعتراف بھی آج اس نظر میں ہے

سمجھے تھے دور تجھ سے نکل جائیں گے کہیں
دیکھا تو ہر مقام تری رہ گذر میں ہے

کاریگرانِ شعر سے پوچھے کوئی جگر
سب کچھ تو ہے مگر یہ کمی کیوں اثر میں ہے

(۷۸)

زندگی ہے، مگر پرائی ہے　　مرگِ غیرت! تری دہائی ہے
جب مسرت قریب آئی ہے　　غم نے کیا کیا ہنسی اڑائی ہے
حسن نے جب شکست کھائی ہے　　عشق کی جان پہ بن آئی ہے
عشق کو زعمِ پارسائی ہے　　حسنِ کافر! تری دہائی ہے
ہائے وہ سبزۂ چمن کہ جسے　　سایۂ گل میں نیند آئی ہے
عشق ہے اس مقام پر کہ جہاں　　زندگی نے شکست کھائی ہے
خاکِ منزل کو منہ سے ملتا ہوں　　یادگارِ شکستہ پائی ہے
اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا　　کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

ہجر سے شاد وصل سے ناشاد
کیا طبیعت جگرؔ نے پائی ہے

(۷۹)

اگر جمالِ حقیقت سے ربط محکم ہے　　نفس نفس میں نئی زندگی عالم ہے
نہیں مقابلہ کوئی مگر یہ کیا کم ہے　　خود آفتابِ درخشاں حریفِ شبنم ہے
الٰہی خیر! یہ کیا شام ہی سے عالم ہے　　کہ جیسے آج ستاروں میں روشنی کم ہے
نہ کوئی خلد نہ زاہد! کوئی جہنم ہے　　خود اپنی اپنی نظر، اپنا اپنا عالم ہے
ہر ایک قطرے میں دریائے مغفرت ہے رواں　　مگر نصیب ہو کیونکر پیاس ہی کم ہے
ابھی کمال کو پہنچی نہیں ہے فطرتِ عشق　　کہ آدمی کو ہنوز انتظارِ آدم ہے

جنوں بھی ساتھ نہ دے اب تو کچھ نہیں پروا — خوشا کہ تیری نگاہوں سے ربط محکم ہے

جو گوش دل شنوا ہو، تو بزم ہستی میں — سکوت ساز بھی اک نغمۂ مجسم ہے

خزاں کا رنج کرے عشق میں بلا میری — نہیں بہار تو یاد بہار کیا کم ہے

حسین و سادہ ہے کس درجہ فطرت شاعر — ہنسے تو غنچہ و گل، رو پڑے تو شبنم ہے

خوشی میں بھول نہ جانا جگر یہ راز حیات
کہ جو خوشی ہے یہاں اک امانت غم ہے

(۸۰)

حسن و صورت کے نہ حسرت کے نہ ارمانوں کے
اف کہ انسان ہیں مارے ہوئے انساں کے

کیا مقامات ہیں ان سوختہ سامانوں کے
خضر خود بڑھ کے قدم لیتے ہیں دیوانوں کے

انہیں ذرات میں خاموش سے ویرانوں کے
دل دھڑکتے نظر آئے مجھے افسانوں کے

جلوہ دوست، یہ آہستہ خرامی تا چند
ندیاں سوکھ چلیں شوق میں طوفانوں کے

موج مے رنگ شفق، لالہ و گل، مطلع صبح
چند عنوان ہیں مرے شوق کے افسانوں کے

اسی کشتی کو نہیں تاب تلاطم، صد حیف

جس نے منہ پھیر دیئے تھے کبھی طوفانوں کے
حسن کی جلوہ گری سے ہے محبت کا جنوں
شمع روشن ہوئی، پر لگ گئے پروانوں کے
مرحبا! جذبۂ بیباک جوانانِ وطن!
تیغ جیم خم ہے، مگر ہاتھ میں نادانوں کے
ناز ہے شاید فطرت کو بھی جن پر ہمدم
وہ چمن خوب ہیں، لگائے ہوئے دیوانوں کے

میں نے دیکھا ہے اسے روپ میں فطرت کے جگر
میں نے پایا ہے اسے بھیس میں انسانوں کے

(۸۱)

رگ میں ایک برقِ خراماں لئے ہوئے
دل ہے تجلیات کا طوفاں لئے ہوئے
دل ہے ہوائے منزلِ جاناں لئے ہوئے
لیکن حجابِ دیدۂ حیراں لئے ہوئے
ناصح! گدازِ عشق کی معراج دیکھنا
ہر قطرہ خوں ہے شمع فروزاں لئے ہوئے
وہ سامنے تو آئے مگر اس ادا کے ساتھ
اک طرزِ التفاتِ گریزاں لئے ہوئے
دل کو ہے کیوں گلہ کہ بظاہر تو وہ نگاہ
نشتر لئے ہوئے ہے نہ پیکاں لئے ہوئے
کانٹوں میں ہیں جیسے پھول جہنم میں جیسے خلد
آنکھیں ہیں یوں ندامتِ عصیاں لئے ہوئے
اہلِ سلامتی کی طرف سے اسے سلام
کشتی جو غرق ہو گئی طوفاں لئے ہوئے
دل میں کہاں امید و تمنا کا وہ ہجوم
پھرتا ہوں ایک جنتِ ویراں لئے ہوئے

ہونا تھا چاک چاک گریباں کو اے جنوں — لیکن کسی کا گوشۂ داماں لئے ہوئے

ہر مرحلے سے عشق گذرتا چلا گیا — دل میں ادائے حسن گریزاں لئے ہوئے

پھولوں کو ناز حسن اگر ہے تو ہو جگر

کانٹا بھی ہیں غرور گلستاں لئے ہوئے

۸۲

کس کا خیال ہے دل مضطر لئے ہوئے — آنکھیں ہیں رنگ و بوئے محبت لئے ہوئے

آئی ہے موت حسن کا منظر لئے ہوئے — لیکن غم حیات مکرر لئے ہوئے

ہر لحظہ اک سرور میسر لئے ہوئے — خود زندگی ہے بادہ و ساغر لئے ہوئے

ہشیار اے نگاہ ستم آشنائے دوست — دل بھی ہے اک لطیف سا نشتر لئے ہوئے

کونین کی ہوس میں ہے انساں ذلیل و خوار — کونین اپنے سینے کے اندر لئے ہوئے

دنیا بھی کیا مقام ہے جس میں کہ بار بار — ہنسنا پڑا ہے قلب مکدر لئے ہوئے

شرم گنہ سے بڑھ کے ہے عفو گنہ کی شرم — قطعہ — یارب کہاں میں جاؤں یہ نشتر لئے ہوئے

عصیاں کا بار ہٹ تو گیا سر سے اے کریم — لیکن ہوں ایک بوجھ سا دل پر لئے ہوئے

۸۳

اللہ رے بے بسی کہ غم روزگار بھی — بیٹھا ہوں تیرے غم کے برابر لئے ہوئے

[illegible] اے تجلی رخ ساقی، کہ بادہ کش — رہ رہ گئے ہیں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

آنکھیں ابھی کچھ اور بھی ہیں منتظر جگر

چھپرا کی قتل گاہ کا منظر لئے ہوئے

(۱۸۳)

راز جو سینۂ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
سب سے پہلے دلِ شاعر پہ عیاں ہوتا ہے

سخت خونریز جب آسیبِ جہاں ہوتا ہے
نہیں معلوم یہ انساں کہاں ہوتا ہے

جب کوئی حادثۂ کون و مکاں ہوتا ہے
ذرہ ذرہ مری جانب نگراں ہوتا ہے

جو نظر کردۂ صاحب نظراں ہوتا ہے
اسی دیوانے کے قدموں پہ جہاں ہوتا ہے

جب کوئی عشق میں برباد جہاں ہوتا ہے
مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے

متزلزل ہے ادب گاہِ محبت کی زمیں
کوئی دیکھے تو یہ ہنگامہ کہاں ہوتا ہے

قطعہ

کہیں ایسا تو نہیں، وہ بھی ہو کوئی رازِ
تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے

دل غنی ہو تو ہر اک رنج بھی دل کی راحت
ذہن مفلس ہو تو ہر سود زیاں ہوتا ہے

قطعہ

امتحاں گاہِ محبت میں، نہ رکھے وہ قدم
موت کے نام سے جس کو خفقاں ہوتا ہے

یہی وہ منزلِ دشوار ہے جس منزل میں
ختم ہر مرحلۂ سود و زیاں ہوتا ہے

ہر قدم معرکۂ کرب و بلا ہے درپیش
ہر نفس سانحۂ مرگِ جواں ہوتا ہے

ناز جس خاکِ وطن پہ تھا مجھے آہ جگر
اسی جنت پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے

(۱۸۴)

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہلِ دل کے لئے سرمایۂ جاں ہوتا ہے

ہائے وہ وقت کہ جب حسن پہ آتا ہے شباب
اف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے

کبھی اک زندہ حقیقت نظر آتا ہے جہاں
کبھی ہر علم و یقیں، وہم و گماں ہوتا ہے

دل کو بیدرد محبت بنانے والے
دل سا ہمدرد زمانے میں کہاں ہوتا ہے

وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب
دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے

ہائے وہ سلسلۂ اشک کہ تیرے حضور
دل میں رکتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

عزم بیباک اگر ہو تو کہاں کی دوری
حسن خود منتظرِ عشق جواں ہوتا ہے

قطعہ

شرح و تفصیل سے بیگانہ گذر جائے دوست
عقل بڑھتی ہے مگر دل کا زیاں ہوتا ہے

روح بن جاتی ہے خود نغمۂ بے ساز و صدا
ختم جب معرکۂ لفظ و بیاں ہوتا ہے

قطعہ

وسعتِ فکر و نظر بھی نہ مجھے راس آئی
ہر تبسم پہ جراحت کا گماں ہوتا ہے

ساز و مطرب کے کرشموں پہ نہ جانا کہ یہاں
اکثر اس طرح سے بھی رقصِ فغاں ہوتا ہے

انقلابات سے کیا خوف کہ ہر عزم جگر
اسی آغوش میں پلتا ہے، جواں ہوتا ہے

(۱۵۸)

آج بھی یوں تو ہر اک رند جواں ہے ساقی
مگر اک آن جو پہلے تھی کہاں ہے ساقی

زندگی سلسلۂ خوابِ گراں ہے ساقی
لا تو وہ فتنۂ بیدار کہاں ہے ساقی

حرم و دیر کا چھٹنا تو گوارا، لیکن
دل کو آرام وہاں تھا نہ یہاں ہے ساقی

طنز و تعریض کی آخر کوئی حد ہوتی ہے
آدمی ہوں، مرے منہ میں بھی زباں ہے ساقی

اپنے منصب کا نہ احساس، نہ رندوں کی خبر
دیر سے آج خدا جانے کہاں ہے ساقی

زیست ہے یا تری نظروں کے اشاراتِ لطیف
موجِ صہبا ہے کہ فردوس رواں ہے ساقی

(۸۶)

ہر وہ حلقہ جو تری کاکلِ شب گیر میں ہے — گوشۂ امن بلا خانۂ زنجیر میں ہے

شاہدِ روح کہاں، جلوہ گہِ ناز کہاں — خاک مصروف ابھی خاک کی تعمیر میں ہے

کون سمجھائے یہ قاصد کو دمِ رخصتِ شوق — ربط محکم اسی بے ربطیٔ تحریر میں ہے

اپنے سر آپ نہ لیں دل شکنی کا الزام — مجھ کو معلوم ہے جو کچھ مری تقدیر میں ہے

خود کھنچے آتے ہیں زنداں کی طرف دیوانے — کوئی تو وجہ کشش نالۂ زنجیر میں ہے

دیکھنا جبرِ مشیت کہ بقیدِ زنداں — پاؤں زنجیر سے باہر ہے نہ زنجیر میں ہے

چھپ کے پہروں اسے اے دیکھنے والے یہ بتا
مجھ میں کیا بات نہیں جو مری تصویر میں ہے

(۸۷)

شرما گئے، لجا گئے، دامن چھڑا گئے — اے عشق! مرحبا! وہ یہاں تک تو آ گئے

دل پر ہزار طرح کے اوہام چھا گئے — یہ تم نے کیا کیا، مری دنیا میں آ گئے

سب کچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہلِ دل — خوش ہیں، کہ جیسے دولتِ کونین آ گئے

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا — وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

عقل و جنوں میں سب کی تھیں راہیں جدا جدا — ہر پھر کے لیکن ایک ہی منزل پہ آ گئے

اب کیا کروں میں فطرتِ ناکامِ عشق کو
جتنے تھے حادثات، مجھے راس آ گئے

(۹۸)

یوں تو ہونے کو گلستاں بھی ہے ویرانہ بھی ہے
دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں کوئی دیوانہ بھی ہے

بات سادہ ہی سہی، لیکن حکیمانہ بھی ہے
یعنی ہر انساں بقدرِ ہوش دیوانہ بھی ہے

ہوشیار او مستِ صہبائے تغافل ہوشیار
عشق کی فطرت میں اک شانِ حریفانہ بھی ہے

ہوش میں رہتا، تو کیا جانے کہاں رکھتا قدم
یہ غنیمت ہے، مزاجاً عشق دیوانہ بھی ہے

کس جگہ واقع ہوا ہے حضرت واعظ کا گھر
دور مسجد بھی نہیں، نزدیک میخانہ بھی ہے

ملتا جلتا ہے مزاجِ حسن ہی سے رنگِ عشق
شمع گر بیباک ہے، گستاخ پروانہ بھی ہے

زندگانی تا کجا صرفِ مے جام و سبو
بے خبر، مے خانہ میں اک اور میخانہ بھی ہے

خیر ہے زاہد، یہ کیسا انقلاب آیا کہ آج
تیرے ہر انداز میں اک کیف رندانہ بھی ہے

حاصلِ ہر جستجو آخر یہی نکلا اے جگرؔ
عشق خود منزل بھی ہے منزل سے بیگانہ بھی ہے

(۸۹)

ہر تجلی میں نظر آئی — اف رے تیری حجاب آرائی

دل نے لغزش جہاں کوئی کھائی — ایک آواز کان میں آئی

یوں تو وہ شکوہ سنج رسوائی — اور درپردہ ہمت افزائی

زندگی تو ہمیں کہاں لائی — اک محبت ہزار رسوائی

مجھ کو شکوہ ہے اپنی آنکھوں سے — تم نہ آئے تو نیند کیوں آئی

نیچی نظروں سے دیکھنے والے — دیکھ نا زخم دل کی گہرائی

عشق کی بدحواسیاں توبہ — بارہا خود مجھے ہنسی آئی

عشق میں عشق کی بلا جانے — ناپذیرائی و پذیرائی

دو دل اس طرح مل گئے ناگاہ — جیسے برسوں کی ہو شناسائی

پھول بنتا تھا، مسکراتا تھا — وہ کلی ہی نہ تھی جو مرجھائی

کارگاہ حیات میں اے دوست — یہ حقیقت مجھے نظر آئی

ہر اجالے میں تیرگی دیکھی — ہر اندھیرے میں روشنی آئی

اب یہ محسوس ہو چلا ہے جگر
موت ہے زندگی کی تنہائی

(۹۰)

خود وہ لٹھے ہیں جام لئے — اب وہ ہے کافر جو نہ پیئے
ان کی بلا سے ان کے لئے — کوئی مرے یا کوئی جیئے
ہم بھی گرے سو بار مگر
ان کو بھی اپنے ساتھ لئے

(۹۱)

جان کر من جملہ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے
ننگِ مے خانہ تھا میں ساقی نے یہ کیا کر دیا
پینے والے کہہ اٹھے "یا پیرِ مے خانہ مجھے"
سبزہ و گل، موجِ دریا، انجم و خورشید و ماہ
اک تعلق سب سے ہے، لیکن رقیبانہ مجھے
زندگی میں آ گیا جب کوئی وقتِ امتحاں
اس نے دیکھا ہے جگرؔ بے اختیارانہ مجھے

(۹۲)

آ پڑا مجھ وقت ایسا گردشِ ایام سے — زندگی شرما رہی ہے زندگی کے نام سے
جب کبھی بچ کر چلا ہوں جلوہ گاہِ عام سے — بچ گئے ہیں خود مری فکر و نظر کے دام سے

کچھ انہیں بھی ربط میری حسرتِ ناکام سے — اور کچھ ہیں بھی گریزاں التفاتِ عام سے
ہو گیا ہے درہم و برہم نظامِ میکدہ — جب کبھی توبہ مری ٹکرا گئی ہے جام سے
ان کی محفل کا تو کیا کہنا، مگر اے ہم نشیں — رنگِ محفل کہہ رہا ہے دل ہیں بے آرام سے

آجکل مے خانہ میں تقسیم ہوتے ہیں جگرؔ
زہر کے ساغر شرابِ زندگی کے نام سے

(۱۴۹)

جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے — گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے
ہائے وہ کیوں کر دل بہلائے — غم بھی جس کو راس نہ آئے
ضد پہ عشق اگر آ جائے — پانی چھڑکے آگ لگائے
دل پہ کچھ ایسا وقت پڑا ہے — بھاگے، لیکن راہ نہ پائے
کیسا مجاز اور کیسی حقیقت — اپنے ہی جلوے اپنے ہی سائے
جھوٹی ہے ہر ایک مسرت — روح اگر تسکین نہ پائے
ایک زمانہ جتنا جتنا — بنتا جائے بگڑتا جائے
ضبطِ محبت، شرطِ محبت — جی ہے کہ ظالم امڈا آئے
حسن وہی ہے حسن، جو ظالم — ہاتھ لگائے، ہاتھ نہ آئے — قطعہ
نغمہ وہی ہے نغمہ، کہ جس کو — روح سنے اور روح سنائے

راہِ جنوں آساں ہوئی ہے
زلف و مژہ کے سائے سائے

(۹۴)
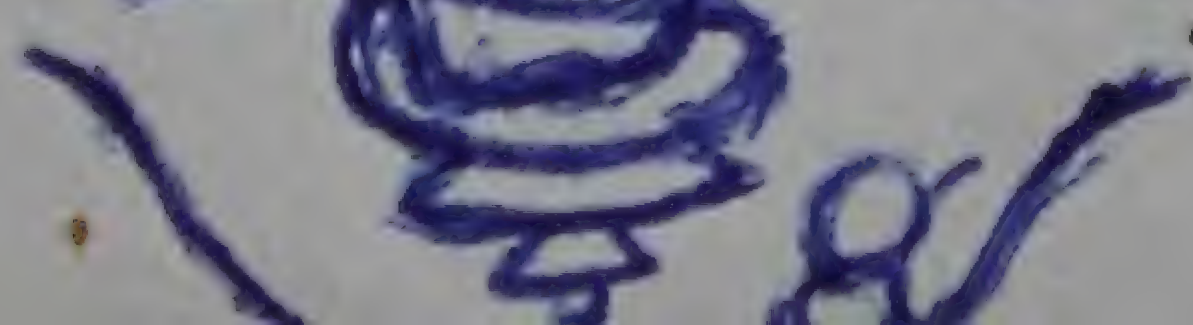
صحنِ کعبہ نہ سہی، کوئے صنم خانہ سہی
خاک اڑانی ہے تو پھر کوئی بھی ویرانہ سہی

زندگی تلخ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
اس میں کچھ چاشنی شرب رندانہ سہی

آپ سے جس کو ہو نسبت، وہ جنوں کیا کم ہے
دونوں عالم نہ سہی، اک دلِ دیوانہ سہی

اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں لے جاؤں
تیرا ایما نہ سہی، تیرا اشارہ نہ سہی

زندگی فرش قدم جن کے بچھی جاتی ہے
اے جنوں! اور بھی اک لغزش مستانہ سہی

یہ ہوائیں، یہ گھٹائیں، یہ فضائیں، یہ بہار
محتسب آج تو شغل مے و پیمانہ سہی

حسن خود پردہ کشائے رخ مقصود تو ہے
عشق کو حوصلہ عرض تمنا نہ سہی

کون ایسا ہے یہاں، عشق ہے جس کا بے لاگ
آپ کی جاں سے دور آپ کا دیوانہ سہی

زندگی آج بھی دلکش ہے انہیں کے دم سے
حسن اک خواب سہی، عشق اک افسانہ سہی

تشنہ لب ہاتھ پہ کیوں ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
کچھ نہیں ہے تو شکستِ خم و خمخانہ سہی

میں نہ زاہد سے ہوں شرمندہ نہ صوفی سے جگرؔ
مسلکِ عشق مرا، مسلکِ رندانہ سہی

(۹۵)

یہ راز ہم پہ ہوا افشا کسی کی خاص اک نظر سے پہلے
کہ تھی ہماری ہی کم نگاہی ہمیں تھے کچھ بے خبر سے پہلے

یہ زندگی خاک زندگی تھی، گداز قلب و جگر سے پہلے
ہر اک شے، غیر معتبر تھی ترے غم معتبر سے پہلے

تجھے ہو سیر چمن مبارک، مگر یہ راز چمن بھی سن لے
کلی کلی خوں ہو چکی تھی، شگفتِ گل ہائے تر سے پہلے

کہاں کہاں اڑ کے پہنچے شعلے، یہ ہوش کس کو، یہ کون جانے
ہمیں بس اتنا ہے یاد اب تک، لگی تھی آگ اپنے گھر سے پہلے

قفس کی نازک سی تیلیوں کی بھی کچھ حقیقت ہے ہم صفیرو
مگر الجھنا پڑے گا شاید، خود اپنے ہی بال و پر سے پہلے

کہاں یہ شورش، کہاں یہ مستی، کہاں یہ رنگینیوں کا عالم
زمانہ خواب و خیال سا تھا، ترے فسونِ نظر سے پہلے

خوشا یہ بیماری محبت، زہے یہ خودداری طبیعت

وہی ہیں مصروفِ دلنوازی، وہی جو تھے بیخبر سے پہلے
زمانہ مانے، نہ مانے، لیکن ہمیں یہی ہے یقین کامل
جہاں اٹھا کوئی تازہ فتنہ، اٹھا تری رہگذر سے پہلے
اگرچہ ذوقِ نظارہ میں بھی ہزار مستیاں بھری تھیں
مگر یہ بیباکیاں کہاں تھیں ترے حجابِ نظر سے پہلے
اٹھا جو چہرے سے پردۂ شب، سمٹ کے مرکز پہ آگئے سب
تمام جلوے جو منتشر تھے، طلوعِ حسن بشر سے پہلے
مری طبیعت کو حسنِ فطرت سے ربطِ باطن نہ جانے کیا ہے
مری نگاہیں کبھی نہ اٹھیں، طہارتِ چشمِ تر سے پہلے
وہ یادِ آغازِ عشق اب تک انیسِ جان و دل حزیں ہے
وہ اک جھجک سی، وہ اک جھپک سی، ہر التفاتِ نظر سے پہلے
ہمیں اٹھے کیا جستجو کا حاصل، ہمیں تھے کیا آپ اپنی منزل
وہیں پہ آکر ٹھہر گیا دل، چلے تھے جس رہگذر سے پہلے
بس ایک دل اور کیف و لذت، بس ایک ہم اور جمالِ فطرت
یہ زندگی کس قدر حسیں تھی، شعور و فکر و نظر سے پہلے
ہمارے شوقِ جنوں ادا کی، ستم ظریفی تو کوئی دیکھے
کہ نامہ بر کو روانہ کر کے پہنچ گئے نامہ بر سے پہلے
کہاں تھی یہ روح میں لطافت، کہاں تھی کونین میں وسعت
حیات ہی جیسے سو رہی تھی کسی کی پہلی نظر سے پہلے

یہ نالہ کیوں ہے! یہ نغمہ کیوں ہے! یہ آہ کیسی! یہ واہ کیسی!
یہ پوچھ لے آئینے کے دل سے، نہ پوچھ اپنے جگر سے پہلے

(۹۶)

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گذرے
تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی، کہاں گذرے
جو تیرے عارض و گیسو کے درمیاں گذرے
کبھی کبھی وہی لمحے بلائے جاں گذرے
مجھے یہ وہم رہا مدتوں کہ جرأت شوق
کہیں نہ خاطر معصوم پر گراں گذرے
ہر اک مقام محبت بہت ہی دلکش تھا
مگر ہم اہل محبت کشاں کشاں گذرے
جنوں کے سخت مراحل بھی تیری یاد کے ساتھ
حسیں حسیں نظر آئے، جواں جواں گذرے
مری نظر سے تری جستجو کے صدقے میں
یہ اک جہاں ہی نہیں، سینکڑوں جہاں گذرے
ہجوم جلوہ میں پرواز شوق کیا کہنا
کہ جیسے روح ستاروں کے درمیاں گذرے
خطا معاف، زمانے سے بدگماں ہو کر

تری وفا پہ بھی، کیا کیا ہمیں گماں گذرے
مجھے تھا شکوۂ ہجراں، کہ یہ ہوا محسوس
مرے قریب سے ہو کر وہ ناگہاں گذرے
رہِ وفا میں اک ایسا مقام بھی آیا
کہ ہم خود اپنی طرف سے بھی بدگماں گذرے
خلوص جس میں ہو شامل، وہ دورِ عشق و ہوس
نہ رائیگاں کبھی گذرا، نہ رائیگاں گذرے
اسی کو کہتے ہیں جنت، اسی کو دوزخ بھی
وہ زندگی جو حسینوں کے درمیاں گذرے
بہت حسین مناظر بھی حسنِ فطرت کے
نہ جانے آج طبیعت پہ کیوں گراں گذرے
وہ جن کے سائے سے بھی بجلیاں لرزتی تھیں
مری نظر سے کچھ ایسے بھی آشیاں گذرے
مرا تو فرضِ چمن بندیٔ جہاں ہے فقط
مری بلا سے، بہار آئے یا خزاں گذرے
کہاں کا حسن، کہ خود عشق کو خبر نہ ہوئی
رہِ طلب میں کچھ ایسے بھی امتحاں گذرے
بھری بہار میں تاراجیٔ چمن، مت پوچھ
خدا کرے، نہ پھر آنکھوں سے وہ سماں گذرے

کوئی نہ دیکھ سکا جن کو دو دلوں کے سوا
معاملات کچھ ایسے بھی درمیاں گذرے

کبھی کبھی تو اسی ایک مشت خاک کے گرد
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گذرے

بہت حسین سہی صحبتیں گلوں کی مگر
وہ زندگی ہے جو کانٹوں کے درمیاں گذرے

قطعہ

ابھی سے تجھ کو بہت ناگوار ہیں ہمدم
وہ حادثات جو اب تک رواں دواں گذرے

جنہیں کہ دیدہ شاعر ہی دیکھ سکتا ہے
وہ انقلاب ترے سامنے کہاں گذرے

بہت عزیز ہے مجھ کو انہیں کی یاد جگر
وہ حادثات محبت جو ناگہاں گذرے

(۹۷)

آدمی، آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

بھول جاتا ہوں میں ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے

سلسلہ فتنہ قیامت کا
تیری خوش قامتی سے ملتا ہے

مل گئے بھی جو کبھی نہیں ملتا ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے
کاروبار جہاں سنورتے ہیں ہوش جب بیخودی سے ملتا ہے
روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہمسائگی سے ملتا ہے

(۱۹۸)

افشاں

لطیف طبع کو لازم ہے سوز غم بھی لطیف چمن میں آتش گل کا کبھی دھواں نہ رہا

ہم نامراد شوق جیئے بھی تو کیا جیئے آنا تھا مفت یہ بھی اک الزام، آگیا
کیا کیا نگاہ دوست ہوئی مجھ سے بدگماں دم بھر کے واسطے بھی جو آرام آگیا

کیا کرے گا وہ کسی اور کا شیدا ہو کر جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر
طعن کیا کیا نہ فرشتوں نے کیئے تھے جس پر عرش پیما ہے وہی، خاک کا پتلا ہو کر
ہے جو ملنا ہی مقدر، تو برابر سے ملے قطرہ دریا میں سمائے بھی تو دریا ہو کر

چھپتا ہے کہیں بانی بیداد کا عالم ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ فریاد کا عالم
دیکھ اے نگہ شوق، یہیں تک نہ ٹھہرنا اک اور بھی ہے حسن خداداد کا عالم

بجھے گی سوز غم سے روح کی پیاس
اس شعلہ کو بن جانا ہے شبنم

ان کی جفا پہ ترک وفا کر رہا ہوں میں
سائے کو زندگی سے جدا کر رہا ہوں میں
میری ادائے شکر حضوری تو دیکھنا
صد شکوۂ فراق نما کر رہا ہوں میں

اللہ اللہ آج حسن دوست کی غمازیاں
عشق ہی کو صرف اپنا رازداں سمجھا تھا میں

ارے غضب، ارے ستم، وہ اک نگاہِ سحر فن
جھکے اگر تو بتکدہ اٹھے اگر تو بت شکن

دیکھا ہے عشق ہی میں یہ عالم بھی بار بار
جس کا معاملہ ہو اسی کو خبر نہ ہو

جگرؔ ان حوادث سے گھبرا نہ جانا
یہی تو ہے دلچسپیوں کا زمانہ

محبت رہ گئی، بن کر مکمل زندگی اپنی
مبارک بیخودی اپنی، سلامت باخودی اپنی
زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دنیا تھی کبھی اپنی
مگر اب تو نہ شام غم، نہ صبح زندگی اپنی
نگاہیں چار ہوتے ہی طلسم ظاہری ٹوٹا
حقیقت نے حقیقت جان لی پہچان لی اپنی

وہ کب گئے بہار گلستاں لئے ہوئے
ہر پھول ہے جراحت پنہاں لئے ہوئے
دل بھی وہی ہے غم بھی وہی پھر یہ کیا کہ آج
ہر اشک ہے تبسم پنہاں لئے ہوئے

بہ شکلِ ناخدا جس میں ہیں اب تک جعفر و صادق
وہ کشتی غرق ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے

تو ہلاکِ ہوش و تمکیں میں شہیدِ کیف و مستی
تری زندگی بھی سستی، مری زندگی بھی سستی

ڈگمگانے لگے ہیں پائے طلب
دل ابھی ابتدائے راہ میں ہے
میرے پندارِ عشق پر مت جا
یہ ادا، نازِ گاہ گاہ میں ہے

منظومات

تجدیدِ ملاقات

بدن میں وہ پھر تازہ ملاقات کا عالم
خاموش اداؤں وہ جذبات کا عالم
نغموں میں سمویا ہوا وہ رات کا عالم
وہ عطر میں ڈوبے ہوئے لمحات کا عالم
اللہ رے وہ شدتِ جذبات کا عالم
کچھ کہہ کے وہ بھولی ہوئی ہر بات کا عالم
چھایا ہوا وہ نشۂ صہبائے محبت
جس طرح کسی رندِ خرابات کا عالم
وہ سادگیِ حسن، وہ محجوب نگاہی
وہ محشرِ صد شکر و شکایات کا عالم
نظروں سے وہ معصوم محبت کی تراوش
چہرے پہ وہ مشکوک خیالات کا عالم

عارض سے ڈھلکتے ہوئے شبنم کے دو قطرے
آنکھوں سے جھلکتا ہوا برسات کا عالم

بے شرطِ تکلف وہ پذیرائیِ الفت
بے قید تصنع وہ مدارات کا عالم

بس ایک نظر شعر و شباب و مے و نغمہ
ایک ایک ادا احسنِ محاکات کا عالم

وہ نظروں ہی نظروں میں سوالات کی دنیا
وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں جوابات کا عالم

نازک سے ترنم میں اشارات کے دفتر
ہلکے سے تبسم میں کنایات کا عالم

پاکیزگی عصمتِ جذبات کی دنیا
دوشیزگی حسنِ خیالات کا عالم

برہم وہ نظامِ دل و دنیائے تمنا
پیہم وہ شکستوں میں فتوحات کا عالم

وہ عشق کی بربادیٔ زندہ کا مرقع
وہ حسن پائندہ کرامات کا عالم

وہ عارضِ پر نور، وہ کیفِ نگہِ شوق
جیسے کہ دمِ صبح مناجات کا عالم

وہ جرأتِ بیباک، وہ شوخی، وہ شرارت
وہ حسن و محبت کی مساوات کا عالم

تھک جانے کے انداز میں وہ دعوتِ جرأت
کھو جانے کی صورت میں وہ جذبات کا عالم

شرمائی لجائی ہوئی وہ حسن کی دنیا
وہ مہکی ہوئی بہکی ہوئی رات کا عالم

دو بچھڑے دلوں کی وہ باہم صلح و صفائی
پر کیف وہ تجدید ملاقات کا عالم

وہ عرش سے تا فرش برستے ہوئے انوار
وہ تہنیتِ ارض و سموات کا عالم

تا صبح وہ تصدیقِ محبت کے نظارے
تا شام وہ پھر فخر و مباہات کا عالم

عالم مری نظروں میں جگرؔ اور ہی کچھ ہے
عالم ہے اگرچہ وہی دن رات کا عالم

× × ×

یاد

آئی جب ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

ہر منظرِ جمال دکھاتی چلی گئی
جیسے انہیں کو سامنے لاتی چلی گئی

ہر واقعہ قریب تر آتا چلا گیا
ہر شے حسیں تر نظر آتی چلی گئی

ویرانۂ حیات کے ایک ایک گوشہ میں
جوگن کوئی ستار بجاتی چلی گئی

دل پھنک رہا تھا آتشِ ضبطِ فراق میں
دیپک کو میگھار بناتی چلی گئی

بے حرف و بے حکایت و بے ساز و بے صدا
رگ رگ میں نغمہ بن کے سماتی چلی گئی

جتنا ہی کچھ سکوں سا آتا چلا گیا
اتنا ہی بے قرار بناتی چلی گئی

کیفیتوں کو ہوش سا آتا چلا گیا
بے کیفیتوں کو نیند سی آتی چلی گئی

کیا کیا نہ حسنِ یار سے شکوے تھے عشق کو
کیا کیا نہ شرمسار بناتی چلی گئی

تفریقِ حسن و عشق کا جھگڑا نہیں رہا
تمیزِ قرب و بعد مٹاتی چلی گئی

میں تشنہ کام شوق تھا پیتا چلا گیا
وہ مست انکھڑیوں سے پلاتی چلی گئی

اک حسنِ بے جہت کی فضائے بسیط میں
اڑتی گئی مجھے بھی اڑاتی چلی گئی

پھر میں ہوں اور عشق کی بیتابیاں جگرؔ
اچھا ہوا وہ نیند کی ماتی چلی گئی

⁂ ⁂ ⁂

سراپا

وہ حسن کافر، اللہ اکبر　　تخریب دوراں آشوب محشر

وہ قد رعنا، وہ روئے رنگیں　　عالم ہی عالم، منظر ہی منظر

گیسو و عارض، شانہ بہ شانہ　　شام معطر، صبح منور

شرمائیں جن سے ساون کی راتیں　　وہ حلقہ ہائے زلف معنبر

وہ مست نظریں، جب اٹھ گئی ہیں　　ٹکرا گئے ہیں، ساغر سے ساغر

گفتار شیریں، رفتار نازک　　خیام و حافظ، تسنیم و کوثر

گلشود کشائے دلہائے خوباں　　قرباں روائے جہانہائے مضطر

شہکار فطرت، اعجاز قدرت　　تعبیر خواب مانی و آذر

گفتار مبہم، اجمال ہستی　　رفتار برہم تفسیر محشر

وہ بزم خلوت، وہ طرف گلشن　　وہ دست سیمیں، وہ جام احمر

وہ حسن رقصاں، وہ جسم لرزاں　　وہ عشق حیراں، وہ شوق مضطر

جان توجہ، روح تغافل　　عریاں تبسم، پوشیدہ نشتر

وہ امتزاج شرم و شرارت　　وہ احتیاطِ آداب پرور

وہ موسم گل، وہ شیشہ دل　　وہ کیف و مستی، وہ رت، وہ منظر

نغمہ ہی نغمہ، خوشبو ہی خوشبو　　صہبا ہی صہبا ساغر ہی ساغر

(نا تمام)

قحط بنگال

بنگال کی میں شام و سحر دیکھ رہا ہوں
ہر چند کہ ہوں دور، مگر دیکھ رہا ہوں

افلاس کی ماری ہوئی مخلوق سرِ راہ
بے گور و کفن، خاک بسر دیکھ رہا ہوں

بچوں کا تڑپنا، وہ بلکنا، وہ سسکنا
ماں باپ کی مایوس نظر دیکھ رہا ہوں

بے مہری و بے دردی افلاس و غلامی
ہے شامت اعمال، جدھر دیکھ رہا ہوں

انساں کے ہوتے ہوئے انساں کا یہ حشر
دیکھا نہیں جاتا ہے، مگر دیکھ رہا ہوں

تعمیر کے پردے میں یہ انداز حکومت
تخریب بہ عنوانِ دگر دیکھ رہا ہوں

ہر چند کہ آثار تو کچھ اور ہیں، لیکن
اک خیر بھی در پردۂ شر دیکھ رہا ہوں

بیداری احساس ہے ہر سمت نمایاں
بیتابیٔ ارباب نظر دیکھ رہا ہوں

خاموش نگاہوں اٹھتے ہوئے جذبات
جذبات میں طوفانِ شرر دیکھ رہا ہوں

انجام ستم اب کوئی دیکھے کہ نہ دیکھے
میں صاف ان آنکھوں سے مگر دیکھ رہا ہوں

صیاد نے لوٹا تھا عنادل کا نشیمن
صیاد کا لٹتے ہوئے گھر دیکھ رہا ہوں

ارباب وطن کو مری جانب سے ہو مژدہ
اغیار کو مجبور سفر دیکھ رہا ہوں

اک تیغ کی چشمک سی نظر آتی ہے مجھ کو
اک ہاتھ پس پردۂ در دیکھ رہا ہوں

رحمت کا چمکنے کو ہے پھر نیر تاباں
ہونے کو ہے اس شب کی سحر دیکھ رہا ہوں

بیداری و آزادی و اخلاص و محبت
اک خلد در آغوش نظر دیکھ رہا ہوں

جو خواب محبت کہ شرمندہ تعبیر تھا اب تک
اس خواب کی تعبیر جگر دیکھ رہا ہوں

پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

ہندوستاں میں خیر سے ان کی کمی نہیں
لب پہ ہیں جو خلوص کا دفتر لئے ہوئے

دیتے ہیں بات بات پہ انسانیت کا درس
دل میں ہیں ہزار دشنہ و نشتر لئے ہوئے

چہرے جنونِ حب وطن سے دھوئیں دھوئیں
سینے خباثتوں کا سمندر لئے ہوئے

ظاہر ہیں اک مجسمۂ امن و آشتی
باطن میں لاکھ فتنہ و محشر لئے ہوئے

کہنے ہیں بھائی بھائی ہیں اہل وطن تمام
پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

انساں جس میں بستے ہیں اس طرح کے جگر
بھاگ ایسی سرزمیں سے بستر لئے ہوئے

(دوران قیام بمبئی ۱۹۴۷ء)

آج کل

فکر جمیل خواب پریشاں ہے آج کل
شاعر نہیں ہے وہ جو غزلخواں ہے آجکل

سازِ حیات سازِ شکستہ ہے ان دنوں
بزمِ خیالِ جنت ویراں ہے آجکل

آنکھیں تمام مشہدِ عشق و جمال ہیں
سینہ تمام گنجِ شہیداں ہے آجکل

انسانیت، کہ جس سے عبارت ہے زندگی
انساں کے سائے سے بھی گریزاں ہے آجکل

دل کی جراحتوں کے کھلے ہیں چمن چمن
اور اس کا نام فصلِ بہاراں ہے آجکل

صحنِ چمن میں بوئے وفا کا پتہ نہیں
تحصیلِ علم و کسبِ خطابت کے باوجود
کیسا خلوص، کس کی محبت، کہاں کا درد
افسانہ بن گئی ہیں یہ وسیع الخیالیاں
سازش، دغا، فریب، سخن پروری، دروغ
اخلاق، ایک فن ہے جو عصرِ جدید میں
شائستگی کے بھیس میں روحِ زندگی
وہ قومیت کہ جس سے ہے انسانیت ذلیل
دہلی و ڈیرہ دون، نواکھالی و بہار
ہے زخمِ کائنات جو ہندو ہیں ان دنوں
تعداد ایک فرقے کی جتنی بھی گھٹ سکے
وہ دن گئے کہ طائرِ مقصود تھا شکار
کہتے ہیں جس کو صورتِ آزادیِ وطن
کانٹے کسی کے حق میں کسی کو گل و ثمر
سرمایہ داریوں کی طرفداریاں ہیں سب
ہونے کو یوں تو روز نئی ہیں عنایتیں
نسبت اب اس کو شاہدِ مستور سے کہاں
کچھ رہبرانِ قوم، جو مخلص ہیں واقعی
لیکن میں دیکھتا ہوں کہ در پردہ شہود

رنگِ رخِ بہار پریشاں ہے آجکل
تہذیبِ تکفس، سر بہ گریباں ہے آجکل
خود زندگی متاعِ گریزاں ہے آجکل
کم ظرفیِ مزاج نمایاں ہے آجکل
ہر درد کا یہ نسخۂ آساں ہے آجکل
اندازِ حسن بن کے نمایاں ہے آجکل
انسان کے لباس میں شیطاں ہے آجکل
ہندوستاں میں کسقدر ارزاں ہے آجکل
انساں ہے اور ماتمِ انساں ہے آجکل
ہے داغِ زندگی، جو مسلماں ہے آجکل
کارِ ثواب و کارِ نمایاں ہے آجکل
انساں کا شکار خود انساں ہے آجکل
دراصل ایک پیکرِ بے جاں ہے آجکل
کیا خوب اہتمامِ گلستاں ہے آجکل
لیکن مفادِ عام کا عنواں ہے آجکل
اردو زبان پہ خاص کر احساں ہے آجکل
شاعر ہے اور پیکرِ عریاں ہے آجکل
ان کا چراغ بھی تہِ داماں ہے آجکل
فطرت کا انتقام خراماں ہے آجکل

اس سے تو خود کشی ہی غنیمت ہے اے جگرؔ
وہ مصلحت، جو پیشہ مرداں ہے آجکل

گاندھی جی کی یاد میں

وہی ہے شور ہائے وہو، وہی ہجوم مرد وزن
مگر وہ حسن زندگی وہ جنت وطن

وہی زمیں، وہی زماں، وہی مکیں، وہی مکاں
مگر سرور یک دلی، مگر نشاط انجمن

وہی شوق نو بہ نو، وہی جمال رنگ رنگ
مگر وہ حسن سادگی، وہ سادگی کا بانکپن

ترقیوں پہ اگرچہ ہیں تمدن و معاشرت
مگر وہ حسن سادگی، وہ سادگی کا بانکپن

شراب نو کی مستیاں، کہ الحفیظ والاماں
مگر وہ اک لطیف سا سرور بادہ کہن

یہ نغمہ حیات ہے کہ ہے اجل ترانہ سنج
یہ دور کائنات ہے کہ رقص میں ہے اہرمن

ہزاروں ہزار ہیں اگرچہ رہبران ملک
مگر وہ پیر نوجواں، وہ ایک مرد صف شکن

وہی تھا اک وہی شہید امن و آشتی
پریم جس کی زندگی، خلوص جس کا پیرہن

وہی ستارے ہیں مگر کہاں وہ مہتاب ہند
وہی انجمن مگر کہاں وہ صدر انجمن

آوازیں

اگرچہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر وہ ہے گلکار وباد فطرت
وہی خراں ہے رقص عریاں، وہی ہے حسن بہار اب بھی

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن سے روٹھی بہار اب بھی
نسیم ہے آج بھی طرب زا، درخت ہیں سایہ دار اب بھی
گروہ انساں کہ جس کے چھونے سے جلتے ہیں برگ و بار اب بھی
انہیں خبر کیا نہیں ہے اس کی، انہیں میں ہیں فتنہ کار اب بھی
گروہ ہیں وقت و مصلحت کے قدیم و تازہ شکار اب بھی
مصیبتوں کو پیغام عشرت، کہ عقل ہے کجروی کی جانب
صعوبتوں کو نوید راحت، جنوں ہے آہستہ کار اب بھی
اگرچہ آزادیٔ وطن کو گذر چکا ایک سال کامل
مگر خود اہلِ وطن کے ہاتھوں فضا ہے ناسازگار اب بھی
خود اپنی بدنیتی کے ہاتھوں برے نتائج بھگت رہے ہیں
صداقتوں سے حقیقتوں سے، وہی ہے لیکن فرار اب بھی
زمیں بدلی، زمانہ بدلا، مگر نہ بدلے تو وہ نہ بدلے
جو تنگ و تاریک ذہنیت تھی، وہی ہے بروئے کار اب بھی
یہ زندگی غیر مطمئن سی، شکوک و شبہات کی دنیا
گروہ فرمائے جارہے ہیں کہ رشتہ ہے استوار اب بھی
کوئی یہ چپکے سے ان سے پوچھے، کہ کہاں گئے آپ کے وہ وعدے
نچوڑتا ہے لہو غریبوں کا، دست سرمایہ دار اب بھی
سفارشیں ظالموں کے حق میں پیام رحمت بنی ہوئی ہیں

نہیں ہے شائستہ سماعت دکھے دلوں کی پکار اب بھی
اسی کا ہے نام اگر ترقی تو اس ترقی سے باز آئے
کہ خون مخلوق سے خدا کی زمیں ہے لالہ زار اب بھی
ہمیں ملا کر بھی خاک و خوں میں انہیں ہیں مطمئن ابھی تک
ہماری خاک لحد کے ذرے ہیں ان کے دامن پہ بار اب بھی
جو محو جشنِ نظام نو ہیں، پکار کر ان سے کہہ رہا ہوں
یہ جان ہے سوگوار اب تک، یہ دل ہے ماتم گسار اب بھی
منافقت کی ہزار باتیں وہ سنتے رہتے ہیں اور خوش ہیں
مگر صداقت کی صاف و سادہ سی بات ہے ناگوار اب بھی
نہ وہ مروت، نہ وہ صداقت، نہ وہ محبت، نہ وہ شرافت
رہیں خوف و خطر ہیں یعنی، سکون امن و قرار اب بھی
زبان و دل میں نہ ربط صادق، نہ باہمی وہ خلوص کامل
جو تھے غلامانہ زندگی میں، وہی ہیں لیل و نہار اب بھی
غلط یہ جمہوریت کے دعوے، دروغ یہ زندگی کے نقشے
دلیل اس کی یہی ہے کافی کہ ذہن ہے تنگ و تار اب بھی
یہ جشن آزادی وطن ہے، مگر اسی جشن و سرخوشی میں
بہت ہیں سینہ فگار اب بھی، بہت ہیں بے روزگار اب بھی
یہی وہ سادہ سے قہقہے ہیں، یہی جو پھیکے سے ہیں تبسم
انہیں کی تہہ میں بہت سے اشکوں کے ہیں رواں آبشار اب بھی

گرانیاں اس طرف وہ ارزاں، یہ ادھر یہ افلاس و تنگدستی
مگر حکومت کا ہے یہ عالم، ذرا نہیں شرمسار اب بھی
ہزار ہا انقلاب دیکھے، ہزار ہا تجربوں سے گذرے
خرد میں تنگی، عمل میں لغزش، جنوں ہے ناپختہ کار اب بھی
یہ رشوتوں کی، یہ سازشوں کی، یہ نفع اندوزیوں کی لعنت
وہ خود ہی انصاف سے یہ کہدیں نہیں وہ کچھ ذمہ دار اب بھی
انہیں کے حلقوں سے خود انہیں کی مخالفت عام ہو رہی ہے
ہماری جانب سے لیکن ان کی نظر ہے بیگانہ وار اب بھی
کہاں کی دلداری و محبت، تلافیوں کا تو ذکر ہی کیا
حقوق پامال کر رہے ہیں حقوق کے پہرہ دار اب بھی
کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکے گی، مسرت آزادیوں کی حاصل
کہ عام انسانیت کا عالم ہے تشنہ و بے قرار اب بھی
وسیع مسلک، رفیع فطرت، خلوص ایماں، خلوص نیت
انہیں فضائل پہ ہے وطن کے وقار کا انحصار اب بھی
زمانہ کیا کیا نہ کہہ چکا ہے، زمانہ کیا کیا نہ کہہ رہا ہے
گروہ وضعدار ایسے، ذرا نہیں شرمسار اب بھی
خلوص نیت سے صرف اپنی ہی زندگی پر کریں توجہ
خلوص نیت کی منتظر ہے سعادت کردگار اب بھی
کبھی کبھی غور کرتے رہیئے، جگر کا مصرع یہ پڑھتے رہیئے

چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن کی روٹھی بہار اب بھی

جگر کی ہے زندگی محبت، نہیں ہے اس کو کسی سے نفرت

جگر کے دل میں نہ ہے سب کی عزت جگر ہے یاروں کا یار اب بھی

گذر جا

بازیچۂ ارباب سیاست سے گذر جا
اس کارگہِ مکر و ضلالت سے گذر جا

ہر عشرتِ بے وقت و محنت سے گذر جا
جنت بھی میسر ہو تو جنت سے گذر جا

جرأت ہے، ہر بزمِ صداقت سے گذر جا
ہمت ہے تو محدود محبت سے گذر جا

ہر تنگ نظر اہلِ صحافت سے گذر جا
ہر سادہ و پُرکارِ عبارت سے گذر جا

الفاظ نہیں یہ دام ہیں مکر و دغا کے
زورِ قلم و جوشِ خطابت سے گذر جا

خودداری بیباک شرافت کا ہے جوہر
اظہارِ وفا جوشِ عقیدت سے گذر جا

تاچند یہ توہینِ حقوقِ رعیت
اٹھ اور اب اس قعرِ مذلت سے گذر جا

سرتابقدم پیکرِ ایثار و عمل بن
ہر مرحلۂ شکر و شکایت سے گذر جا

کرنا ہے اگر کارِ نمایاں کوئی تجھ کو
اٹھ، اور ہر آسانی لذت سے گذر جا

قسمت تری خود ہے ترے کردار میں مضمر
قسمت کو بنانا ہے تو قسمت سے گذر جا

جینا جو ہے منظور، تو جینے کی فکر نہ کر
راحت کی تمنا ہے تو راحت سے گذر جا

جو صبر وقناعت تجھے مفلوج بنا دے
بہتر ہے کہ اس صبر وقناعت سے گذر جا

پیدا نہ کرے تجھ میں جو پاکیزگی روح
اس فلسفہ ودانش وحکمت سے گذر جا

ناداری کی مجبوری وپستی کی طرف دیکھ
ہر قصر فلک بوس کی رفعت سے گذر جا

جھلسے ہوئے اجسام سسکتی ہوئی روحیں
کچھ سوچ کے اس منظر عبرت سے گذر جا

ہر لمحہ یہاں جہد مسلسل کا ہے پیغام
اے تنگ طلب، وقفۂ راحت سے گذر جا

دنیا، کہ ہے رزمگہ شیطنت وحق
لڑتا ہوا ہر کفر وضلالت سے گذر جا

سیدھی سی بس اک راہ صداقت پہ چلا چل
پرپیچ گذرگاہ سیاست سے گذر جا

انسانیت عام کے مرکز کی بنا ڈال
ہر ناقص ومحدود جماعت سے گذر جا

اوروں کے لئے چھوڑ یہ تاریک مقامات
نفرت سے، عداوت سے شقاوت سے گذر جا

لیتا ہوا اک درس حیات ابدی کا
ہر تازہ غم ورنج ومصیبت سے گذر جا

حق پر ہے اگر تو تو شہادت کا مزا چکھ
بچ کر نہ اس آشوب ہلاکت سے گذر جا

ہے خدمت مخلوق ہی نعم البدل اپنا
کر خدمت مخلوق تجارت سے گذر جا

ملت کی بقا ہے تری اس موت میں پنہاں
سر دے کے تو میدان شہادت سے گذر جا

سرمایہ وسازش کے یہ مردود عزائم
تو صرف اک انداز حقارت سے گذر جا

توحید کی طاقت کو بنا اپنا معاون
ہر واہمہ قلت وکثرت سے گذر جا

حائل ہو قیامت بھی اگر راہ میں تیری
ٹھکرا کے قیامت کو قیامت سے گذر جا

بیباک گذر رزم گہہ دہر سے لیکن
مقصد یہ نہیں فہم وفراست سے گذر جا

تو حسن کے اک دائرہ کل کی طرف آ
ہر جزوی ومحدود حقیقت سے گذر جا

کونین تری وسعت ورفعت میں ہے خود گم
کونین کی ہر وسعت ورفعت سے گذر جا

تجھ پر جو گروہ جہلا طنز کرے کچھ
بار عیب و ولاآویز متانت سے گذر جا

ہوتی ہے یونہی نشو و نما فکر و عمل کی
ہنستا ہوا ہر جبر حکومت سے گذر جا

انسان بن انسان یہی ہے تری معراج
رنگ و وطن و قوم کی لعنت سے گذر جا

تیرے یہ پیامات جگرؔ، ہم کو مبارک
تو بھی اب اس پستئ عزلت سے گذر جا

نوائے وقت

اٹھو اٹھو! کہ زندگی ہی زندگی پہ بار ہے
بڑھو بڑھو! کہ چار سو پکار ہی پکار ہے

وہ وقت ہے کہ علم حق ہے علم شیطنت میں گم
وہ وقت ہے کہ آدمی کا آدمی شکار ہے

کہاں کے مطرب و غزل، کہاں کے شاہد و چمن
کہ زندگی تمام تر بساط کارزار ہے

غضب کی چھا رہی ہیں ظلمتوں کی بدلیاں
ستم کہ راہ میں آندھیوں کی شمع روزگار ہے

زمیں کو روندتے ہوئے، صحراؤں کو چیرتے ہوئے
بڑھے چلو بڑھے چلو! یہ وقت کی پکار ہے

زمانے کا آقا، غلام زمانہ

کدھر ہے تو اے جرأت باغیانہ
بدل دے مقدر، پلٹ دے زمانہ

کھلا باب زنداں تو کیا اس سے حاصل
کہ خود زندگی بن گئی قید خانہ

محبت اڑی جا رہی ہے دلوں سے
حقیقت بنی جا رہی ہے فسانہ

شرافت کا معیار، افراط دولت
صداقت کی معراج، لفظی ترانہ

زبانوں پہ اصلاح قومی کے نعرے
مگر طینتیں بیشتر مفسدانہ

غریبوں پہ جو کچھ گذرتی ہے گذرے
سمٹ آئے جیبوں میں لیکن خزانہ

مجسم خود اک پیکر مادیت
مگر درس روحانیت عارفانہ

ولائت کی ہنگامہ آرائیوں میں
کہیں روح بسمل، کہیں دل نشانہ

نتائج سے بھی آنکھ کھلتی نہیں ہے
ہر اقدام اب تک ہے نامنصفانہ

بشر کی یہ پستی ہو ارے توبہ توبہ
زمانے کا آقا، غلام زمانہ

دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر

پہلے تو حسن عمل، حسن یقیں پیدا کر
پھر اسی خاک سے فردوس بریں پیدا کر

یہی دنیا کہ جو بت خانہ بنی جاتی ہے
اسی بتخانے سے کعبے کی زمیں پیدا کر

روح آدم نگراں کب سے ہے تیری جانب
اٹھ اور اک جنت جاوید یہیں پیدا کر

خس و خاشاکِ توہم کو جلا کر رکھ دے
یعنی آتش کدۂ سوز و یقیں پیدا کر

غم میسر ہے تو اس کو غمِ کونین بنا
دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر

آسماں مرکزِ تخئیل و تصور کب تک
آسماں جس سے تجلی ہو وہ زمیں پیدا کر

دل کے ہر قطرہ میں طوفانِ تجلی بھر دے
بطنِ ہر ذرے سے اک مہرِ مبیں پیدا کر

بندگی یوں تو ہے انسان کی فطرت لیکن
ناز جس پر کریں سجدے، وہ جبیں پیدا کر

پستیِ خاک پہ کب تک تری بے بال و پری
پھر مقام اپنا سرِ عرشِ بریں پیدا کر

عشق ہی زندہ و پایندہ حقیقت ہے جگر
عشق کو عام بنا، ذوقِ یقیں پیدا کر

٭ ٭ ٭